چہرے کا قرض



علیم الحق حقی

نام کتاب : چہرے کا قرض

مؤلف : علیم الحق حقی

ناشر : خزینہ علم و ادب

طابع : نذیر محمد

مطبع : افضل شریف پرنٹرز

ٹائپ سیٹنگ : قرآن ہاؤس
0300-4584539
042-7246679

چہرے کا قرض

علیم الحق حقی

خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور
فون: 7211468-7314169

چہرے کا قرض

فضہ ہاشمی

وہ سو کر اٹھا تو اس کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔ وہ کمرا، وہ عمارت، وہ شہر، وہ ملک جہاں رات سونے سے پیشتر وہ موجود تھا۔ اس کا نام، اس کا چہرہ، اس کی شخصیت غرض ہر شے بدل گئی! نہیں بدلا تو اس کا ماضی جس کی یاد ایک دھندلے خواب کی مانند اس کے ساتھ تھی اور وہ اپنے حال سے اس کا رشتہ جوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کل تک وہ اپنے وطن میں ایک مایوس و دل شکستہ انسان تھا لیکن اب دیارِ غیر میں ایک امیر و کبیر اور صاحبِ مرتبہ شخص ہو گیا تھا۔ بے شمار نظریں اس کے چہرے پر مرتکز تھیں، اس چہرے پر جو اس کا اپنا نہیں، کسی اور کا تھا۔

منفرد موضوع کے ساتھ واقعاتی تنوع ہمیشہ جاسوسی ڈائجسٹ کی پہلی کہانی کا خاصہ رہا ہے۔ ایسی کہانیاں کم یاب ضرور ہوتی ہیں مگر عنقا نہیں۔ اسی لیے کم کم نظر سے گزرتی ہیں۔ فضہ ہاشمی کا نام اب ڈائجسٹ پڑھنے والوں کے لیے نیا نہیں رہا۔ ان کے تراجم و تخلیقات اکثر قارئین سے داد ہنر پاتے رہے ہیں۔ یہ گوہر آب دار بھی یقیناً آپ کی آنکھوں کی چمک بڑھا دے گا۔

ماضی و حال کے درمیان معلق ایک شخص کی پر تجسس داستان

ذیشان سو رہا تھا۔ اس کا داہنا ہاتھ پیشانی پر تھا، مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں، جیسے وہ کسی کے وار کو روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کی سانسیں بے ترتیب اور اتھلی تھیں مگر پھر ان میں گہرائی آ گئی، اب وہ آہستہ آہستہ بیدار ہو رہا تھا۔

اس کی پلکیں لرزیں، اس نے ایک گہری سانس لی اور کروٹ بدلی۔ پپوٹوں کے پردے اٹھے اور وہ بیڈ کے سامنے والی دیوار کو تکنے لگا۔ اس نے پھر ایک گہری سانس لی اور میکانیکی انداز میں اپنا ہاتھ سامنے لا کر گھڑی میں وقت دیکھا، ٹھیک بارہ بجے تھے۔ اس نے منہ بنا کر گھڑی والے

ہاتھ کو جھٹکا دیا پھر گھڑی کو کان سے لگایا' آواز سے پتا چل رہا تھا کہ گھڑی چل رہی ہے۔

اچانک اسے جیسے شاک لگا' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور کلائی پر بندھی گھڑی کو گھورنے لگا۔ پریشانی اس بات کی نہیں تھی کہ بارہ بجے ہیں' نہ اس وقت اس بات کی کوئی اہمیت تھی کہ دن کے بارہ بجے ہیں یا رات کے۔ پریشانی تو اس بات کی تھی کہ جو گھڑی اس کی کلائی پر بندھی ہوئی تھی اس نے پہلے کبھی اس کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ گھڑی اس کی تھی ہی نہیں۔ اس کے پاس پندرہ سال پرانی اومیگا تھی جو اس کے والد نے اسے اٹھارویں سالگرہ پر تحفے میں دی تھی۔ جبکہ یہ نئی چمکتی دمکتی رولیکس تھی اس میں چمڑے کا پٹا تھا جبکہ اس کی اومیگا میں چین تھی۔

گھڑی کے ڈائل پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر کمرے پر نظر ڈالی تو اسے ایک اور جھٹکا لگا' کمرا اس کے لیے بالکل نامانوس تھا۔

اب وہ پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ اسے اپنے بدن پر نرم ریشمی سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے بدن پر نظر ڈالی' وہ سلک کا سلیپنگ سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ وہ بھی اس کا نہیں تھا۔ اس نے تو زندگی میں کبھی سلیپنگ سوٹ نہیں پہنا تھا۔ ہمیشہ کرتا پاجامہ پہن کر سوتا تھا۔

اس نے سوچا کہ شاید وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔ لیکن وہ جھٹکوں کا دن معلوم ہو رہا تھا۔ اسے فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ خواب نہیں۔ اسے باتھ روم جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اس جھنجھلاہٹ سے کمبل ایک طرف ہٹایا۔ وہ نیا' نرم ملائم اور خوب صورت کمبل بھی اس کے جھٹکوں میں ایک اضافہ تھا۔ وہ ہمیشہ ایک چادر یا پھر سردیوں میں لحاف اوڑھ کر سوتا تھا۔ سلیپر پہنتے ہوئے اس نے سوچا شاید میں اسپتال میں ہوں۔ لیکن آثار و قرائن کچھ اور ہی بتا رہے تھے۔ وہ تو کسی ہوٹل کا کمرا تھا۔ ایک ریک پر ایک قیمتی سوٹ کیس رکھا تھا۔ اس پر وائی ایس کے حروف چمک رہے تھے۔

رات وہ معمول کے مطابق اپنے گھر میں سویا تھا اور شاید اس نے زیادہ چڑھا لی تھی۔ ثمینہ کی موت کے بعد اسے مے نوشی اور پھر بلانوشی کی عادت ہو گئی تھی۔

اسے سر میں درد کا احساس ہوا شاید یہ زیادہ پینے کا نتیجہ ہے' اس نے سوچا اور باتھ روم کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ سامنے والی دیوار میں دروازہ تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا۔ اندر تاریکی تھی۔ دروازے کے ساتھ اندر والی دیوار ٹٹولتے ہوئے اس کا ہاتھ سوئچ بورڈ سے ٹکرایا اور اچانک ہی باتھ روم میں دودھیا روشنی پھیل گئی۔

وہ جدید طرز کا خوب صورت باتھ روم تھا۔ سفید ٹائلوں سے مزین!

چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے کے بعد اس نے ریک پر سے گلاس اٹھایا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ برسوں سے پیاسا ہو۔ تین گلاس پانی پینے کے بعد اس کے حواس قدرے بحال ہوئے۔

گلاس ریک پر رکھ کر وہ پلٹا۔ اسے اپنی بائیں آنکھ میں سوزش سی محسوس ہوئی۔ اس نے ہتھیلی سے آنکھ کو مسلا۔ پھر بیسن پر لگے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔

زندگی میں پہلی بار اسے دہشت سے اپنا بدن لرزتا محسوس ہوا' اسے لگا' اس کے حواس ہمیشہ کے لیے اس کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔

آئینہ جو کچھ دکھا رہا تھا' ناقابلِ یقین تھا۔ اس کا جی بری طرح متلانے لگا۔ اس نے کونے میں رکھے ڈسٹ بن میں قے کر دی۔

اسے یاد تھا کہ رات اس نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا مگر قے میں سوائے پانی کے کچھ نہیں تھا۔ اس نے آئینے میں اپنے عکس کو دوبارہ دیکھا اور پھر دیکھتا ہی گیا۔

وہ عکس اس کا اپنا تو نہیں تھا۔

اس کے حواس کچھ بحال ہوئے تو وہ بیڈ پر لیٹا تھا اور شدید نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ تکیے کو اس نے سختی سے اپنی مٹھی میں بھینچا ہوا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک ہی جملہ کسی بگولے کی طرح چکرا رہا تھا۔ میں ذیشان انور ہوں...... میں ذیشان انور ہوں...... میں ذیشان....

اس کی سانسیں ہموار ہونے لگیں۔ سرگوشی میں اپنی' بالکل اپنی آواز سن کر اسے کچھ اطمینان ہوا۔ وہ خود کلامی کے انداز میں کہتا رہا۔ میں ذیشان انور ہوں۔ میری عمر ٣٣ سال ہے۔ رات میں اپنے گھر میں...... اپنے کمرے میں سویا تھا۔ میں نے کل زیادہ پی تھی۔ مگر اتنی بھی نہیں کہ حواس گم ہو جائیں۔ مجھے اپنا بستر میں جانا یاد ہے۔ اس وقت رات کے بارہ بجے تھے۔

اس کی بائیں آنکھ میں پھر سوزش ہونے لگی۔ اگر یہ خواب نہیں تو پھر کیا ہے' وہ بڑبڑایا۔ اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔ کیا ہے یہ سب؟

وہ آہستہ آہستہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا جسم اب بھی لرز رہا تھا۔ وہ سنبھل سنبھل کر اٹھا اور لرزیدہ قدموں کے سہارے باتھ روم کی طرف بڑھا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ آئینے میں اجنبی عکس دیکھ کر اس کے اعصاب پھر جواب دے جائیں گے۔

مگر جائزہ لینا' حقائق کو علیحدہ علیحدہ دیکھنا ضروری تھا۔

آئینے میں نظر آنے والا عکس اس کے اپنے چہرے کے مقابلے میں زیادہ معمر تھا۔اس کی عمر کا اندازہ ۴۵ سال کیا جا سکتا تھا۔ذیشان کے اپنے چہرے پر مونچھیں تھیں جبکہ اجنبی کلین شیو تھا۔ذیشان کے گھنے سیاہ بال تھے جبکہ اجنبی کے چھدرے اور کنپٹیوں پر سے سفید تھے۔ذیشان کے چہرے پر کوئی نشان نہیں تھا جبکہ اجنبی کے داہنے رخسار پر زخم کا لمبا ابھرا ہوا نشان تھا۔نشان کنپٹی تک ابھرا ہوا تھا۔اس زخم کے سبب یا قدرتی طور پر بہر حال داہنی آنکھ نسبتاً چھوٹی ہو گئی تھی۔اجنبی کی ٹھوڑی پر چھوٹا سا پدم کا نشان بھی تھا۔

بات صرف اتنی سی ہوتی تو ذیشان خوف زدہ نہ ہوتا۔مسئلہ یہ تھا کہ وہ چہرہ اس کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ذیشان کو اپنے نقوش کی دلکشی پر ہمیشہ ناز رہا تھا جبکہ اجنبی عکس عقاب سے مشابہ تھا۔لمبی' نیچے کی طرف جھکی ناک' گول چہرہ اور بل دار ٹھوڑی۔

ذیشان نے منہ کھول کر اجنبی کی بتیسی چیک کی' اندر کے ایک دانت پر سونے کا خول چڑھا ہوا تھا۔اس نے جلدی سے منہ بند کیا اور دیوار کا سہارا لیا کیونکہ اس بار ٹانگوں پر لرزہ چڑھ گیا تھا۔اس نے آنکھیں موند لیں۔

چند لمحوں بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو خود کو مضبوطی سے دروازے کا ہینڈل پکڑے پایا۔اس کی نظر ہاتھوں پر پڑی' وہ بھی اس کے اپنے ہاتھوں سے مختلف تھے۔ان پر جھریاں پڑی تھیں۔ناخن چھوٹے تھے' جیسے دانتوں سے ناخن کترنے والوں کے ہوتے ہیں۔انگشت شہادت اور بڑی انگلی پر نکوٹین کی تہ چڑھی ہوئی تھی۔

جبکہ اس نے زندگی میں کبھی سگریٹ کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔وہ اندھوں کی طرح ڈگمگاتا ہوا باتھ روم سے نکلا اور بے دم سا صوفے پر جا گرا۔صوفے پر نیم دراز وہ غائب الذہنی کی سی کیفیت میں دیوار کو گھورتا رہا۔اس کے دماغ میں ایک ہی جملہ کلاک کے پنڈولم کی طرح ضرب لگا رہا تھا۔میں ذیشان انور ہوں......اس کی سانسیں پھر بے ترتیب ہونے لگی تھیں۔

اس نے بکھری سوچوں کو مربوط کرنے کی کوشش کی۔پہلے اس نے اٹھ کر کھڑکی کے پٹ کھولے۔باہر کا شور بھی اس کے لیے نامانوس ثابت ہوا۔اس نے پردے سرکا کر باہر سڑک پر جھانکا' نیچے دور تک سبز گھاس سلیقے سے پھیلی ہوئی تھی۔جا بجا رنگین چھتریاں نصب تھیں جن کے نیچے گول میزیں اور کرسیاں رکھی تھیں۔کہیں کہیں لوگ بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

پیچھے ایک معروف سڑک تھی جس پر زندگی رواں دواں تھی۔نیچے سے آنے والی آوازیں ذیشان کے لیے نئی تھیں۔وہ اس کے ملک کی زبان نہیں تھی۔اس نے سائن بورڈ پڑھنے

کی کوشش کی لیکن الفاظ اس کے لیے بے معنی تھے۔

اس کے سر میں درد کی تند لہر اٹھی۔وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔باہر کے مقابلے میں اندر تاریکی تھی۔وہ دھیرے دھیرے چلتا ڈریسنگ ٹیبل کی سمت آیا۔وہاں عام استعمال کی بہت سی چیزیں رکھی تھیں۔سنہرا سگریٹ کیس' اسی کے ساتھ کا لائٹر' چمڑے کا پرس' ایک نوٹ بک اور چند سکے۔

اس نے ایک سکہ اٹھا کر لیمپ کی روشنی میں اس کا معائنہ کیا۔سکے کے ایک جانب یونانی نقوش کا حامل ایک چہرہ ابھرا ہوا تھا۔اس نے سکہ پلٹ کر دیکھا' پیچھے ایک گھوڑے کی تصویر نقش تھی' اس کے ساتھ حروف بھی تھے۔آئی نو۔نارو.....

ناروے!

وہ اپنا دکھتا ہوا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر بیٹھ گیا۔معدے میں بھی گڑبڑ ہونے لگی۔

یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' وہ کراہا۔

کچھ دیر وہ یونہی بیٹھا رہا۔آخر کار اسے اپنی طبیعت بہتر محسوس ہونے لگی۔پھر اسے پرس کا خیال آیا۔اس نے تیزی سے اٹھ کر پرس کھولا اور اسے الٹ دیا۔اس میں چند کرنسی نوٹ اور ایک ڈرائیونگ لائسنس تھا جو کسی یعقوب سعید کے نام تھا۔لائسنس پر دستخط دیکھ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔نام اس کا نہیں تھا لیکن رائٹنگ اس کی اپنی تھی۔

ذیشان نے قریب پڑا پین اٹھایا۔وہ اپنی رائٹنگ چیک کرنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔میز پر اسے کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس پر وہ لکھ سکتا۔کاغذ کی تلاش میں ڈریسنگ ٹیبل کی دراز کھولی۔دراز میں خاکی لفافوں کے علاوہ ایک رائٹنگ پیڈ بھی تھا۔پیڈ پر بڑے بڑے حروف میں ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل اوسلو تحریر تھا۔

پیڈ پر اپنے دستخط کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔اس نے مضبوطی سے ہاتھ ٹھہرا کر اپنے دستخط کیے' دستخط دیکھ کر اس کا حوصلہ بڑھا۔اس نے نیچے یعقوب سعید کے دستخط کیے' پھر اس نے لائسنس کے اور اپنے کیے ہوئے دستخطوں کا موازنہ کیا۔اس کا یقین درست نکلا۔لائسنس پر دستخط اسی کی رائٹنگ میں تھے۔

وہی دستخط ٹریولرز چیک پر بھی تھے جو ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے برآمد ہوئے تھے۔اس نے چیکس کی مالیت جانچی' اگر وہ یعقوب سعید بن گیا تھا تو یہ بھی طے تھا کہ وہ ایک امیر و کبیر شخص ہے۔

دوسری طرف سر میں اٹھنے والی ٹیسیں شدت اختیار کر رہی تھیں۔

دراز میں یعقوب سعید کے جاننے والوں کے درجنوں وزیٹنگ کارڈز تھے۔ایک لفافے میں نارویجن کرنسی تھی جسے اس نے گننے کی زحمت نہیں کی۔تمام چیزوں کو وہیں بکھرا چھوڑ کر وہ صوفے پر جا بیٹھا۔

سر کی ٹیسوں نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔کوئی انجانی حس اسے خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔وہ دوبارہ کسی ماہر نفسیات کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا۔سب سے آسان بات یہ تھی کہ وہ اپنے ساتھ پیش آنے والے احمقانہ' نا قابل فہم اور نا قابل یقین واقعات کو ذہن سے جھٹکے اور پر سکون نیند سو جائے۔سو کر اٹھے تو کیا پتا' وہ اسلام آباد میں اپنے گھر میں موجود ہو۔

اور کیا پتا یہ خواب ہی ہو!

اس نے میز کی دراز ذرا سی کھولی' اپنے بائیں ہاتھ کی دو انگلیاں دراز میں ڈالیں اور داہنے ہاتھ کی مدد سے دراز پوری قوت سے بند کر دی۔تکلیف کی وجہ سے وہ سسک کر رہ گیا۔ انگلیوں پر چمکتی ہوئی خون کی بوندیں' انگلیوں میں اٹھتی ہوئی ٹیسیں اور آنکھوں کی نمی ......سب کچھ حقیقی تھا۔اب وہ اچھی طرح جان چکا تھا کہ یہ خواب نہیں ہے۔

تو پھر یہ کیا ہے؟' وہ معمول کے مطابق اپنے گھر میں اپنے بستر پر سویا تھا اور آنکھ ہزاروں میل دور ایک اجنبی ملک میں کھلی تھی جسے اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ستم یہ کہ اندر سے تو وہ ذیشان انور ہی تھا لیکن اس کا ظاہر اس کا اپنا نہیں' کسی یعقوب سعید کا تھا۔

معدے میں پھر چبھن سی ہوئی۔یہ آخر میں اتنی نقاہت اور تھکن کیوں محسوس کر رہا ہوں۔اوہ.....بھوک؟ حالانکہ میں نے رات معمول سے زیادہ کھانا کھایا تھا اور پھر تے میں بھی صرف پانی نکلا تھا۔

اس نے میز پر رکھا ہوا انٹر کام اٹھایا ''روم سروس پلیز۔'' بلند آواز میں بولنے سے اسے اپنی آواز اجنبی سے محسوس ہوئی۔

''میرے کمرے میں کھانے کو کچھ بھجوا دیں۔'' اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا' اس وقت دو بجے تھے۔

''سینڈوچ وغیرہ۔'' دوسری طرف سے شستہ انگلش میں کہا گیا۔

''ہاں''

''روم نمبر سر؟''

وہ گڑ بڑا گیا۔روم نمبر تو اسے معلوم ہی نہیں تھا۔اس نے دروازے کی طرف دیکھا لیکن دروازہ بند تھا۔روم نمبر باہر لکھا ہوگا۔ٹیبل پر اسے کمرے کی چابی پڑی نظر آئی' اس پر نمبر موجود تھا ''۳۶۰'' اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

''او کے سر۔''

ذیشان اس کے لہجے کی مستعدی سے بہت متاثر ہوا ''سنو' آج کا اخبار بھی بھجوا دینا۔ اور ہاں.....ویٹر سے کہنا تمام چیزیں میز پر چھوڑ دے' میں باتھ روم میں ہوں گا۔''

''او کے سر۔''

ذیشان نے انٹر کام رکھ دیا۔وہ فوری طور پر کسی کا بھی سامنا کرنے سے گریزاں تھا۔ اسے بے شمار سوالوں کے جواب درکار تھے مگر سب سے پہلے اسے خود کو اس صورت حال کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنا تھا۔

باتھ روم میں اس نے گرم پانی سے غسل کیا۔اپنے جسم پر جگہ جگہ پلاسٹر کے نشانات نظر آئے۔وہ یہ جاننے کے لیے بے تاب تھا کہ آخر اس کے ساتھ ہوا کیا ہے۔لیکن فی الحال اس کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ بدن پونچھ رہا تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔پھر برتنوں کی کھنکھناہٹ' دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز.....اور پھر خاموشی۔

کپڑے پہنتے ہوئے اس کی نظر اپنی پنڈلی پر پڑی' وہاں زخم کا دو انچ لمبا نشان تھا۔ اسے یاد تھا اس زخم کے متعلق۔جب وہ آٹھ سال کا تھا' زندگی میں پہلی بار سائیکل چلانے نکلا اور ....ایکسیڈنٹ کر بیٹھا تھا۔یہ زخم اسی ایڈونچر کی یادگار تھا۔

اس نے زوردار قہقہہ لگایا اور خود کو بہتر محسوس کرنے لگا۔یہ زخم اس کا اپنا تھا' ذیشان انور کے جسم پر لگا تھا۔فی الوقت یہ ذیشان انور کے وجود کا واحد مرئی ثبوت تھا۔اس کا منحوس' ملعون اور لعنتی یعقوب سعید سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

یہ ثابت ہو گیا تھا کہ یہ جسم ذیشان انور کا اپنا ہے' جس پر کسی سازش یا سازشیوں نے یعقوب سعید کا ملمع چڑھا دیا ہے۔

ذیشان نے بڑی خوش دلی سے کھانا کھایا۔پرانے زخم کی دریافت نے اسے کچھ دیر کے لیے ہی سہی' یعقوب سعید کی شخصیت سے نجات دلا دی تھی۔وہ پرانا زخم دیکھ کر اسے بے اندازہ خوشی ہوئی تھی۔

ذیشان شیو کے لیے الیکٹرک شیور استعمال کرتا تھا لیکن یہاں باتھ روم میں اسے سیفٹی ریزر ملا چنانچہ اسی سے شیو بنانا پڑا۔ شیو کے دوران اس نے اپنے بلکہ یعقوب سعید کے چہرے پر دو چرکے لگائے۔

کافی بنانے کے بعد اس نے اخبار کھول لیا۔ اخبار کی تاریخ دیکھ کر اسے ایک اور جھٹکا لگا۔ کافی کا مگ ہونٹوں تک پہنچنے سے پہلے ہی معلق ہو گیا۔ ۹ جولائی! وہ سن ہو کر رہ گیا۔ اسے جو آخری بات یاد تھی وہ بستر پر سونے کے لیے لیٹنا تھا۔ اور وہ یکم جولائی کی بات تھی۔ بارہ بجے کے بعد سونے کی صورت میں ۲ جولائی کہہ لیجیے۔

یہ درمیان میں ایک ہفتہ کہاں گیا؟ پورا ایک ہفتہ؟ کیوں؟ میرے ساتھ یہ کھیل کیوں کھیلا گیا؟ کس مقصد کے تحت؟ یہ چکر کیا ہے؟'

شیو بناتے وقت اس نے اجنبی چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ زخم کا نشان حقیقی لگتا تھا مگر اس نے چھوا تو جلد ہی محسوس ہوئی۔ عام طور پر اتنے گہرے زخم مندمل ہوں تو نشان ابھر آتے ہیں۔ مگر یہاں یہ معاملہ نہیں تھا۔ اچھی طرح دبانے پر بھی جلد ابھرنے کا کوئی احساس نہیں جاگا۔ اس نے جاسوسی ناولوں کے مطابق یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ میک اَپ کا ہی کمال ہے۔ پدم کے بارے میں بھی اس کی یہی رائے تھی۔

اس کے رخساروں' ٹھوڑی اور ناک پر بھی کام کیا گیا تھا۔ چہرہ جسم کے مقابلے میں پھولا پھولا سا تھا۔

اس بدلے ہوئے روپ میں ذیشان کی شخصیت صرف آنکھوں اور پنڈلی کے زخم سے پہچانی جا سکتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ وہ پہلے کی طرح ڈارک براؤن تھیں لیکن ان کا تاثر نجانے کیسے بدل گیا تھا۔ بائیں آنکھ میں مستقل سوزش ہو رہی تھی' تکلیف تو زیادہ نہیں تھی لیکن وہ احساس پریشان کن تھا۔

اس نے ذہن سے تمام خیالات جھٹکے اور کافی کی پیالی اٹھالی۔ کافی پینے کے دوران وہ خبریں پڑھتا رہا۔ خبریں وہی تھیں' وہی ہنگامے ہڑتالیں' سیاسی ابتری' قوموں کے درمیان سنگین کشیدگی' قتل' اغوا اور آبروریزی کی وارداتیں۔ دنیا پہلے ہی جیسی تھی۔

اس نے اخبار ایک طرف ڈالا اور کافی کی پیالی پر نظریں جما کر اپنے اور اپنی عجیب صورت حال کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔

کسی شخص کو اس کے بستر سے اغوا کر کے' اس کی شخصیت چرا کر' اس پر کوئی اجنبی شخصیت

تھوپ کر اسے ہزاروں میل دور ایک اجنبی ملک میں' ایک پرتعیش ہوٹل میں لا پھینکنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟

اس کا ذہن اس سوال کا جواب دینے سے قاصر تھا۔

لیکن پیٹ بھرنے کے بعد اب اسے صورت حال پہلے جیسی مخدوش معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے سوچنے سمجھنے کی قوت جیسے بحال ہو گئی تھی۔ اب اسے لوگوں سے ملنے میں بھی عار نہیں تھا۔ اس نے یعقوب سعید کی شخصیت کو کسی حد تک قبول کر لیا تھا۔

اس نے کپڑوں کی الماری کھولی' ایک دراز میں روزمرہ کے استعمال کی چھوٹی چھوٹی چیزیں پڑی تھیں۔ ایک بڑا سفری پرس بھی تھا۔ اس نے پرس کھول کر اس کی چیزیں بھی میز پر پلٹ دیں۔

پہلی چیز جس نے اس کی توجہ کھینچی' وہ پاکستانی پاسپورٹ تھا۔ اس نے پاسپورٹ کھول کر جلدی جلدی دیکھا' تمام اندراجات اس کی اپنی رائٹنگ میں تھے۔ نیچے اس کی رائٹنگ میں یعقوب سعید کے دستخط تھے۔ اندرونی صفحے پر یعقوب سعید کی...... یا موجودہ ذیشان انور کی تصویر تھی۔ اندراجات کے مطابق وہ سرکاری ملازم تھا۔

اگلے صفحات پر کچھ معلومات بھی موجود تھیں۔ پاسپورٹ میں صرف ایک ملک کی انٹری تھی' سویڈن کی۔ وہ سویڈن کے آرلینڈا نامی شہر سے آیا تھا۔ تاریخ وہ ٹھیک طور سے نہیں پڑھ سکا کیونکہ اسی جگہ ٹکٹ چسپاں کیا گیا تھا۔ پاسپورٹ کے آخری صفحے سے پتا چلتا تھا کہ یعقوب سعید کو ٹریول الاؤنس کے طور پر ڈیڑھ ہزار پاؤنڈ کے مساوی رقم دی گئی تھی۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی کیونکہ ٹورسٹ ٹریول الاؤنس کافی کم ہوتا تھا۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا تھا کہ یعقوب سعید سرکاری ملازم نہیں بلکہ بزنس مین ہے۔

دراز میں امریکن ایکسپریس کے کریڈٹ کارڈز کی موجودگی ثابت کرتی تھی کہ یعقوب سعید کہیں بھی آزادطور پر ہزاروں کی خریداری کر سکتا تھا۔

ذیشان نے کریڈٹ کارڈ چھوٹے پرس میں منتقل کر لیے' ڈرائیونگ لائسنس بھی اس نے پرس میں رکھ لیا تھا۔ ان چیزوں کی کسی بھی وقت ضرورت پڑ سکتی تھی۔

وارڈ روب میں بے اندازہ کپڑے تھے اور یعقوب سعید کو خوش لباس اور خوش ذوق ثابت کرتے تھے۔ ایک طرف ماربل کا چھوٹا سا صندوقچہ تھا جس میں طلائی بٹن' ان گنت ٹائی پنیں اور دو بھاری طلائی انگوٹھیاں تھیں' یعنی ہزاروں مالیت کا سونا تھا۔ اس کی کلائی پر بندھی گھڑی

امریکن ڈالرز کے حساب سے کم از کم پانچ سو کی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ یعقوب سعید بہت دولت مند ہے۔ سرکاری ملازم اتنے دولت مند نہیں ہوتے' یہ الگ بات تھی کہ وہ رشوت لیتا ہو۔

ذیشان نے اپنے لیے بہترین سوٹ منتخب کیا۔ لگتا تھا' سوٹ اسی کے لیے سلوایا گیا ہے۔ اس نے قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خود کو دیکھا' اس کو اپنا آپ اتنا اچھا لگا کہ کچھ دیر کے لیے وہ صورت حال کی پیچیدگی اور سنگینی کو بھی بھول بیٹھا۔ کسی حد تک تو وہ خود کو یعقوب سعید ہی سمجھنے لگا۔

ضروری چیزیں اس نے جیب میں ڈالیں اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اسے احساس تھا کہ ایک اجنبی ملک میں نامعلوم صورت حال کی طرف یہ اس کا پہلا قدم ہے۔ میں کہاں جا رہا ہوں؟ سڑکوں پر کس طرح پھروں گا؟ ان سوالات کا گلا لفٹ کے دروازے نے گھونٹ دیا جو ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا تھا۔

وہ لابی سے گزرتے ہوئے نارمل رہنے کی جدوجہد کر رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے اسے پکارا ''مسٹر یاکب...... مسٹر یاکب پلیز۔''

ایک تو اجنبی نام اور وہ بھی بگڑا ہوا۔ پہلے تو اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ اسے پکارا جا رہا ہے مگر پھر اس نئی صورت حال کی وجہ سے چوکس ذہن نے اسے رکنے اور پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

ڈیسک پورٹر مسکراتے ہوئے اسے بلا رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر خودکار انداز میں جوابی مسکراہٹ ابھری لیکن فوراً ہی اس نے بے حد روکھے لہجے میں کہا ''فرمائیے؟''

''سر پلیز' اس پر دستخط کر دیں' یہ لنچ کا بل ہے۔ برا نہیں مانیے گا جناب' یہ محض خانہ پری کے لیے ہے۔''

ذیشان نے کمرے کی چابی ڈیسک پر رکھ کر پین اٹھایا اور مضبوطی سے ہاتھ جما کر یعقوب سعید کے دستخط کر دیئے۔ پورٹر نے چابی ڈیسک سے اٹھا کر کی بورڈ پر لٹکا دی۔

ذیشان واپس پلٹنے ہی والا تھا کہ پورٹر نے کہا ''نائٹ ڈیوٹی پورٹر نے آپ کی گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر دی تھی۔ یہ کار کی چابی ہے سر۔''

ذیشان نے پورٹر سے چابی لے لی۔ چابی کے ساتھ ٹیگ تھا جس پر کار کا رجسٹریشن نمبر موجود تھا ''شکریہ'' اس نے کھنکارتے ہوئے کہا۔

''سر' لگتا ہے رات آپ کو ٹھنڈ لگ گئی ہے۔'' پورٹر نے کہا۔ ذیشان نے موقع سے فائدہ اٹھایا ''تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟''

''آپ کی آواز کچھ مختلف لگ رہی ہے۔''

''ہاں۔ کچھ نزلہ زکام کا اثر ہے۔''

''رات ہوا تھی بھی کچھ زیادہ۔'' پورٹر نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

ذیشان نے ایک بار پھر موقعے سے فائدہ اٹھایا ''کچھ اندازہ ہے' رات میں کس وقت واپس آیا تھا؟'' اس نے پوچھا۔

''صبح ہی کہیے جناب۔ تین بجے تھے۔'' پورٹر نے مسکراتے ہوئے کہا ''اسی لیے تو مجھے آپ کے اتنی دیر تک سونے پر حیرت نہیں ہوئی۔''

ہاں۔ حیرت تو مجھے ہوئی تھی' ذیشان نے دل میں سوچا۔ پورٹر سے گفتگو کے بعد وہ خاصا پراعتماد ہو چکا تھا ''ایک بات بتاؤ' میں یہاں کب آیا تھا۔ مجھے یاد نہیں آ رہا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

پورٹر رجسٹر چیک کرنے لگا۔ ذیشان کو یہ فکر تھی کہ وہ کار کیسے تلاش کرے گا۔ جانے پورٹر نے کہاں کھڑی کی ہو۔

پورٹر نے رجسٹر سے سر اٹھاتے ہوئے کہا ''سر! آپ یہاں ۱۸ جون کو تشریف لائے تھے...تین ہفتے پہلے۔''

ذیشان کی آنکھوں کے آگے جگنو اڑنے لگے ''شکریہ'' اس نے میکانیکی لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔

آگے دیوار پر ایک تیر کا نشان تھا اور ریسٹورنٹ لکھا تھا۔ ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر سکون سے سوچنے کا تصور اسے اچھا لگا' وہ ریسٹورنٹ کی طرف بڑھ گیا۔

ریسٹورنٹ میں وہ ایک دور اُفتادہ' پُرسکون گوشے میں جا بیٹھا اور کافی طلب کی' چند لمحوں میں کافی آ گئی۔

۱۸ جون' یہ تاریخ اس کے ذہن میں شور مچا رہی تھی۔ جبکہ اس کی زندگی سے صرف ایک ہفتہ گم ہوا تھا۔ سوال یہ تھا کہ تین ہفتے پہلے وہ اوسلو کے اس ہوٹل میں بکنگ کیسے کرا سکتا تھا؟ یہ کیسا شیطانی چکر ہے؟ یہ تو ممکن نہیں کہ وہ ایک ہی وقت میں دو مختلف مقامات پر موجود ہو۔ اس نے یادوں کو مربوط کرنے کی کوشش کی۔ تین ہفتے...... بائیس دن کم تو نہیں ہوتے۔ اس نے ذہن پر زور ڈالا۔ ۱۸ جون کو میں کہاں تھا؟ کن لوگوں سے ملا تھا؟ لیکن ذہن مرتکز ہی نہیں ہو پا رہا تھا۔

بے بسی کے تحت ذہن پر وحشت چھانے لگی۔ پھر اچانک جیسے روشنی سی ہوئی۔ یاد آنے لگا' وہ اسلام آباد میں تھا۔ شام کو گولف کھیلا' رات کو راولپنڈی میں فلم دیکھی' پھر رات کا کھانا ہوٹل

میں کھایا۔ رات بارہ بجے کے قریب گھر پہنچا۔

میں .....ذیشان انور جس وقت راولپنڈی میں کھانا کھا رہا تھا' اسی وقت یعقوب سعید اوسلو میں کھانا کھا رہا تھا۔ بات کچھ سمجھ میں آتی ہے؟' اس نے خود سے پوچھا۔ ذہن نے نفی میں جواب دیا۔

اس نے بچی کھچی کافی حلق میں انڈیل لی۔ دو باتیں اس کے حق میں تھیں ورنہ وہ خود کو نفسیاتی مریض مان لیتا۔ ایک ذیشان انور کے لڑکپن کے زخم کا نشان اور دوسری اس کی آواز۔ پورٹر نے اس بات کی تصدیق کر دی تھی کہ اس کی صورت یعقوب سعید کی سہی' آواز اس کی اپنی ہے..... ذیشان انور کی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اندر طوفان سا اٹھ رہا تھا۔ وہ اپنی زندگی کا ایک ہفتہ گم کر بیٹھا تھا۔ اور پورا امکان یہ تھا کہ اس گمشدہ ہفتے ہی پلاسٹک سرجری کے ذریعے اس پر یعقوب سعید کی ظاہری شخصیت کا خول چڑھا دیا گیا تھا۔

اس نے سوچا۔ اوسلو میں پاکستانی سفارت خانے جا کر انہیں سب کچھ تفصیل سے بتا دے۔ اس نے تصور کیا۔

''فرمایئے یعقوب سعید صاحب' ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟''

''بات یہ ہے کہ جناب کہ میں یعقوب سعید نہیں' ذیشان انور ہوں۔ میرا خیال ہے' مجھے اسلام آباد سے اغوا کیا گیا۔ میرے چہرے پر پلاسٹک سرجری کا جادو کیا گیا اور خوش حالی دے کر مجھے اوسلو کے ایک مہنگے ہوٹل میں چھوڑ دیا گیا۔ ایک اور بات۔ میری زندگی کا پچھلا ایک ہفتہ میری یادداشت سے غائب ہے۔ آپ میری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟''

''کیوں نہیں یعقوب صاحب' میں آپ کو اس شہر کے سب سے بڑے ماہر نفسیات کا پتا دے سکتا ہوں۔''

تصور ٹوٹ گیا۔ ذیشان کے منہ سے بے اختیار نکلا ''میرے خدا! کون یقین کرے گا مجھ پر؟''

''آپ نے مجھ سے کچھ کہا سر؟'' ویٹر نے قریب آ کر پوچھا۔

''ہاں۔ بل لے آؤ۔''

ادائیگی کر کے وہ باہر آ گیا۔ تیر کے نشان سے اسے پتا چلا کہ گیراج بیسمنٹ میں ہے۔ گیراج میں آ گیا۔ چابی سے منسلک ٹیگ پر لکھے گاڑی کے رجسٹریشن نمبر کی وجہ سے اسے گاڑی

تلاش کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ وہ چمکتی دمکتی نئی سیاہ مرسڈیز تھی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ پہلی چیز جو اسے نظر آئی وہ ڈرائیونگ سیٹ پر پڑی ربڑ کی نرم گڑیا تھا۔ اس نے گڑیا کو اٹھایا تو ایک پرچا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس نے پرچا کھول کر پڑھا۔

''دس جولائی کی صبح تمہاری ڈرامین ڈول' اسپائرل ٹو پین میں منتظر رہے گی۔''

وہ منہ بنا کر رہ گیا اگلے روز دس جولائی تھی لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اسپائرل ٹو پین کیا بلا ہے اور ڈرامین ڈول کون ہے۔

اس نے ربڑ کی گڑیا اٹھا کر جیب میں ٹھونس لی' اس کی جیب پھول گئی لیکن وہ اور کرتا بھی کیا' کاغذ کا ٹکڑا اس نے جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا۔

گاڑی کے اندر موجود کاغذات سے اس کی معلومات میں مزید کچھ اضافہ ہوا۔ یہ گاڑی اس نے پانچ دن پہلے کرائے پر لی تھی۔

اس نے گاڑی باہر نکالی اور سڑک کے کنارے کھڑی کر کے اس سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں الٹا ڈرائیونگ سسٹم ہونے کی وجہ سے اسے الجھن ہو رہی تھی۔

سڑک کے کنارے بک اسٹال دیکھ کر اسے بہت اہم چیز یاد آئی۔ اس نے بک اسٹال سے اوسلو کا نقشہ خریدا۔ ادائیگی کرتے ہوئے اسے خیال آیا کہ پہلی فرصت میں کیش گن لینا چاہئے۔

پُرسکون علاقے میں ایک بار دیکھ کر اس نے گاڑی روک لی' وہاں بیٹھ کر وہ نقشے کا جائزہ لے سکتا تھا۔ گاڑی پارک کر کے اس نے سر گھما کے اِدھر اُدھر دیکھا' کہیں نہ کہیں سڑک کا نام تو ضرور ہو گا۔ جلد ہی اسے نظر بھی آ گیا۔ روئلڈ ایمنڈسنس گاٹا! نام اس کے لیے نامانوس تھا لیکن نارویجن زبان بھی تو مانوس نہیں تھی۔

''یعقوب''

وہ بار کے دروازے کی طرف بڑھ گیا لیکن اپنے بازو پر کسی کی گرفت محسوس کر کے اسے ٹھہرنا پڑا ''یعقوب سعید'' نسوانی آواز تھی اور لہجے میں ناراضی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا' وہ پاکستانی ہی لگتی تھی' اپنے اخروٹی رنگت کے بالوں اور سبز آنکھوں کے باوجود۔ رنگ بہت گورا تھا جو اس وقت غصے سے تمتما رہا تھا ''یعقوب! مجھے یہ پسند نہیں کہ کوئی مجھے اس طرح بے وقوف بنائے۔ کہاں تھے تم آج صبح؟'' وہ غرائی۔ اس نے پینٹ کے ساتھ سندھی کشیدہ کاری والا کافی نیچا جمپر پہنا ہوا تھا۔ اُردو بہت صاف بول رہی تھی۔

ذیشان کو یاد تھا کہ پورٹر کے بیان کے مطابق وہ صبح تین بجے ہوٹل واپس آیا تھا۔ پھر

اسے آواز کے فرق کا خیال بھی آ گیا۔ ''میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی' میں بہت دیر سے سو کر اٹھا۔'' اس نے اپنے لہجے میں معذرت سمونے کی کوشش کی۔

''اوہ.....تو تمہیں نہیں معلوم کہ اس سلسلے میں گراہم بیل کی ایک مفید ایجاد بہت کام آتی ہے۔ ٹیلی فون نام ہے اس کا۔'' عورت نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''میں کہہ رہا ہوں نا' کہ دیر تک سوتا رہا ورنہ تمہیں ضرور کرتا۔''

عورت کچھ نرم پڑ گئی ''تمہاری آواز سے لگتا ہے' گلے میں تکلیف ہے۔'' وہ بولی '' خیر.....ایک شرط پر میں تمہیں معاف کر سکتی ہوں۔ مجھے ایک جام پلا دُ اپنی طرف سے۔''

''اندر.....؟''

''ہاں۔ اندر ہی مناسب رہے گا۔'' عورت نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

ذیشان اس کے ساتھ خود کو قیدی محسوس کر رہا تھا۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ رسک کے باوجود یعقوب سعید کے متعلق معلومات کے حصول کا یہ اب تک کا بہترین موقع ہے۔ اسے وطن میں اس طرح کے تجربات ہو چکے تھے۔ اکثر ایسا ہوا کہ وہ سڑک پر چلا جا رہا ہے۔ اچانک کسی نے سلام کیا اور روک کر اس سے بڑی گرم جوشی سے حال احوال پوچھنا شروع کر دیا۔ جبکہ اسے یہ بھی یاد نہیں آ رہا ہے کہ مخاطب کا نام کیا ہے۔ اس کے باوجود جواباً اسی گرم جوشی کا مظاہرہ کرتا۔ چنانچہ ملاقاتی رخصت ہوتے وقت خوش اور مطمئن ہوتا' جبکہ ذیشان کو آخر تک اس کا نام یاد نہ آتا۔

اب سوچ رہا تھا کہ آج یہ ہنر کام آئے۔

بیٹھنے کے بعد اس نے ویٹر کو اشارہ کیا۔

''آج میں نے جیک کڈر کو دیکھا تھا۔'' عورت منہ بنا کر بولی۔ ''اچھا۔ کیا حال ہے اس کا؟'' ذیشان نے نارمل انداز میں پوچھا۔

وہ ہنس دی ''تم جانتے ہی ہو' ہمیشہ جیسا۔''

''ہاں۔ وہ کہاں بدلتا ہے۔'' ذیشان نے محتاط انداز میں کہا۔

عورت نے ذیشان کے ہاتھ میں موجود میپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا ''یہ کیا ہے یعقوب؟''

''نقشہ ہے۔'' اس نے مختصراً کہا۔ جانتا تھا کہ اس کی عافیت کم سے کم بولنے ہی میں ہے۔

''نقشہ؟ کہاں کا نقشہ؟''

''اسی شہر کا۔''

''اوسلو کا؟ عورت کے لہجے میں حیرت تھی ''تمہیں اس کی کیا ضرورت پڑ گئی؟ تم تو یہاں کے چپے چپے سے واقف ہو۔''

''یہ میرے دوست نے منگوائے ہیں۔'' ذیشان نے وضاحت گھڑی اور دل میں سوچا۔ یہ کام کی بات معلوم ہوئی۔ یعقوب سعید اس شہر سے خوب واقف ہے جبکہ مجھے جغرافیے میں دلچسپی نہ ہوتی تو میں نے اس شہر کا نام بھی نہ سنا ہوتا۔ لیکن یہ کام کی بات بہت بڑی دشواری بھی تھی۔

''اوہ....'' عورت نے بے دلی سے کہا۔ نقشے میں اس کی دلچسپی یک لخت ختم ہو گئی

''ایک سگریٹ تو دینا۔'' اس نے کہا۔

ذیشان نے بے اختیار جیبیں ٹٹولیں پھر اسے یاد آیا کہ سگریٹ کیس اور لائٹر اس نے کمرے میں دیکھا تو تھا لیکن لے کر اس لیے نہیں آیا کہ وہ سگریٹ پیتا ہی نہیں ہے۔

''سوری'' وہ منمنایا۔ ''سگریٹ تو میرے پاس ہے ہی نہیں۔''

''دیکھو یعقوب'' اب یہ نہ کہنا کہ گریٹ پروفیسر یعقوب سعید نے سگریٹ نوشی چھوڑ دی ہے۔'' وہ بولی ''مجھے اسموکنگ کے نقصانات معلوم ہیں۔''

اسے اپنے زبردستی کے بہروپ کے بارے میں ایک بات اور معلوم ہوئی۔ ''پروفیسر! میں دراصل سنجیدگی سے سگریٹ نوشی چھوڑنے پر غور کر رہا ہوں۔'' اس نے میز پر ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔ ''ذرا میرے ناخن دیکھو' اس سے میں پھیپھڑوں کے متعلق اندازہ لگا سکتا ہوں۔''

عورت نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے کہا ''یہ تو ایسا ہے جیسے کسی قومی یادگار کو ختم کر دیا جائے۔ سگریٹ کے بغیر پروفیسر یعقوب سعید بغیر ایفل ٹاور کا پیرس اور بغیر یادگار پاکستان کا لاہور ہی معلوم ہوں گے۔''

اتنی دیر میں ویٹریس آرڈر لینے آ گئی۔ ذیشان نے اپنی ساتھی سے پوچھا ''کیا منگواؤں تمہارے لیے؟''

''وہی جو ہمیشہ منگواتے ہو۔'' اس نے بیگ کی زپ کھول کر کچھ ڈھونڈتے ہوئے کہا۔

ذیشان نے منہ پر رومال رکھ کر کھانسنا شروع کر دیا اور اس وقت تک کھانستا رہا جب تک اسکی ساتھی نے آرڈر نہیں دے دیا۔ ویٹریس کے جانے کے بعد اس نے رومال منہ سے ہٹا کر ''سوری'' کہا۔

''یعقوب' تمہاری طبیعت واقعی بہت خراب ہے۔ اتنی کھانسی اچھی نہیں۔ میرا خیال

ہے‘تم نے سگریٹ چھوڑنے کا فیصلہ درست کیا ہے۔تمہیں مزید آرام کی بھی ضرورت ہے۔اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟‘‘

’’میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔‘‘

’’واقعی؟‘‘

’’ہاں۔سو فیصد‘‘

’’بڈھے پروفیسروں کی طرح ہوتے جا رہے ہو۔‘‘ وہ شرارت سے مسکرائی’’ہر چیز پر سو فیصد یقین؟‘‘

’’اب مجھے پروفیسر مت کہنا۔‘‘ ذیشان نے کہا۔وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یعقوب واقعی پروفیسر تھا یا اس کی دوست بھلکڑ ہونے یا زیادہ علمیت بگھارنے کی وجہ سے مذاق میں اسے پروفیسر کہہ رہی تھی۔بہر حال اس نے اس انداز میں بات کی تھی کہ حقیقت اس پر کھل جائے’’مجھے خود کو پروفیسر کہلوانا اچھا نہیں لگتا۔‘‘اس نے مزید کہا۔

’’تم پاکستانی جو نہیں ہو۔تمہیں خود کو ایسا ہی سمجھنا چاہیے۔‘‘عورت کے لہجے میں خفیف سا طنز تھا۔

’’کیا مطلب ہے تمہارا؟‘‘

’’دیکھو نا‘‘’’تمہاری پیدائش پاکستان کی تو ہے نہیں‘جہاں کسی کو مذاق میں بھی پروفیسر کہہ دو تو وہ پھول جاتا ہے۔تم تو یورپ کے ایک پسماندہ علاقے میں پیدا ہوئے تھے۔‘‘لیکن اتنا کہتے کہتے عورت کے چہرے پر ندامت کا تاثر ابھر آیا’’سوری.....میرا مطلب تمہیں تکلیف پہنچانا نہیں تھا لیکن تمہارا رویہ آج کچھ بدلا بدلا ہے۔‘‘

’’سوری تو مجھے کہنا چاہیے۔دراصل میرے سر میں درد ہے۔‘‘

عورت نے اپنا بیگ کھولتے ہوئے کہا’’میرے پاس اسپرین ہے۔لے لو۔‘‘

’’میرا خیال ہے‘خالی پیٹ اسپرین سے الٹا نقصان پہنچ جائے گا۔‘‘

ویٹریس آرڈر کے مطابق مشروبات سرو کر رہی تھی۔

عورت نے بیگ بند کر دیا’’جیسے تمہاری مرضی۔‘‘

ویٹریس نے دو بوتلیں‘دو گلاس اور سگریٹ کا پیکٹ میز پر رکھا اور تیزی سے کچھ کہا۔ذیشان کی سمجھ میں ایک لفظ بھی نہ آیا۔اس نے پرس سے سو کرونز کا ایک نوٹ نکالا۔الجھن یہ تھی کہ جو کچھ اس نے منگوایا ہے‘اس کی قیمت اس نوٹ سے زیادہ تو نہیں ہوگی۔وہ اس ملک کی کرنسی کی ویلیو

تک سے ناواقف تھا۔

اس نے گہری سانس لیتے ہوئے نوٹ ویٹریس کی طرف بڑھایا۔ویٹریس نے اسے چینج واپس کی جو اس نے میز پر ہی رہنے دی۔اب وہ چور نظروں سے ریز گاری گننے اور کرونز کی ویلیو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

’’یعقوب.....میرے سگریٹ کے پیسے کیوں ادا کیے تم نے؟‘‘

وہ مسکرا دیا’’تم میری مہمان ہو۔‘‘

’’جب تم نے ایک نقصان دہ چیز خود چھوڑ دی تو دوسروں کو وہی چیز خرید کر کیسے دے سکتے ہو۔‘‘وہ ہنسی’’یہ تو غیر اخلاقی بات ہے۔‘‘

’’میں اخلاقیات کا پروفیسر نہیں ہوں۔‘‘ذیشان نے ڈرتے ڈرتے کہا کیونکہ یہ بھی ممکن تھا کہ یہی سچ ثابت ہوتا۔

’’ہاں۔وہ تو تم نہیں ہو۔‘‘

ذیشان نے چینج اٹھا کر حساب لگایا۔دو بوتلوں اور سگریٹ کے پیکٹ کی قیمت اس کے اندازے سے کم تھی۔دوسرے لفظوں میں سو کرونز کی ویلیو زیادہ تھی۔

اچانک عورت نے پوچھا’’تم تو اس علاقے سے خوب واقف ہو‘یہ بتاؤ اس علاقے میں امریکن چرچ کہاں ہے۔‘‘

وہ گڑبڑا گیا۔اب کیا کہے’’تم چرچ کے چکر میں کیوں پڑ رہی ہو؟‘‘

’’خیر چھوڑو۔‘‘

بات ٹل گئی لیکن اس کا ذہن خدشات سے بھر گیا۔وہ سوچ رہا تھا‘جس نے مجھ یعقوب سعید بنایا‘زندگی کی ہر سہولت‘بے اندازہ دولت دی‘ایک بہت اچھے ہوٹل میں لا کر چھوڑا‘وہ جو کوئی بھی ہو‘مجھ سے بے خبر تو نہیں ہوگا‘کوئی نہ کوئی میری نگرانی ضرور کر رہا ہوگا‘دیکھ رہا ہوگا کہ ذیشان انور‘یعقوب سعید کا کردار کیسے ادا کر رہا ہے۔کچھ عجب نہیں کہ یہ عورت ہی میری نگراں ہو۔

وہ سگریٹ کا پیکٹ کھول رہی تھی۔اس نے ایک سگریٹ ذیشان کی طرف بھی بڑھائی’’سگریٹ چھوڑنا اتنا آسان تو نہیں ہوتا۔‘‘وہ بولی۔

’’آسان ہو یا مشکل‘میں فیصلہ کر چکا ہوں۔‘‘

’’اس کے لیے بہت مضبوط قوتِ ارادی کی ضرورت ہوتی ہے۔تم اس معاملے میں قابلِ تعریف ہو۔‘‘

اب ذیشان تنہائی چاہتا تھا۔ اسے بہت کچھ سوچنا تھا' ہر پہلو پر غور کرنا تھا چنانچہ اس نے رومال منہ پر رکھ کر کھانسنا شروع کر دیا۔ خاصی دیر کھانسنے کے بعد اس نے کہا ''سوری! مجھے تمہارے مشورے پر عمل کر لینا چاہیے۔ تم مائنڈ تو نہیں کرو گی؟ میں آرام کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔''

''نہیں۔ میں مائنڈ نہیں کروں گی۔'' عورت کے لہجے میں ہمدردی تھی ''کسی ڈاکٹر کو دکھا دو۔''

''ڈاکٹر کی ضرورت نہیں' کل تک میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ اپنا علاج مجھے معلوم ہے۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا' اخروٹی بالوں والی بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم زحمت نہ کرو' ہوٹل قریب ہی ہے' میں خود چلا جاؤں گا۔'' اس نے پیچھا چھڑانے کے لیے کہا۔

اس نے رومال اور پرس جیب میں ٹھونسا' نقشہ تہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ اخروٹی بالوں والی اس کے پیروں کی طرف متوجہ تھی۔ ''یعقوب' کچھ گرا ہے۔'' وہ بولی اور جھک کر نیچے سے گری ہوئی گڑیا اٹھالی ''ارے اسپائرلن ڈول!''

''کیا؟'' ذیشان نے بے دھیانی سے کہا۔ گڑیا' نقشہ جیب میں رکھتے ہوئے گری تھی۔

''پچھلے ہفتے ہم اسپائرلن گئے تھے تب تم نے ان گڑیوں کا مذاق اڑایا تھا۔ تم نے کہا تھا' یہ سیاحوں کو ٹھگنے کا اچھا طریقہ ہے۔ یاد ہے کہ نہیں؟'' اخروٹی بالوں والی نے گڑیا کو لہراتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں یاد ہے۔ لیکن سر درد نے حواس چھین رکھے ہیں میرے۔''

وہ ہنس دی ''مجھے امید نہیں تھی کہ کسی چیز کی اتنی مخالفت کے بعد تم خود اسے خریدنے کی حماقت کرو گے۔ ویسے میرے سامنے تو نہیں خریدی تھی تم نے' یہیں سے لی ہے کیا؟''

ذیشان نے سچ بولنے کا فیصلہ کیا ''یہ تو مجھے کرائے کی کار میں پڑی ملی ہے۔'' اس نے کہا۔

''تو رکھو گے اسے اپنے پاس؟''

''مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے۔'' اس نے گڑیا اس کے ہاتھ سے لے لی ''درد بڑھ رہا ہے' اب میں چلتا ہوں۔''

''ہاں آرام کرو۔ اور جیسے ہی طبیعت بحال ہو مجھے ضرور فون کر دینا۔''

یہ وعدہ بڑا مخدوش تھا اور وہ کر نہیں سکتا تھا۔ کیسے کہتا کہ اس کا فون نمبر تو کجا' اس کا نام بھی اسے معلوم نہیں' جانے میری آنکھ کب کھلے۔'' اس نے کہا ''تم کل خود ہی فون کر لینا مجھے۔''

''چلو یہی سہی۔ میں کل دوپہر تمہیں فون کر لوں گی۔''

''وعدہ۔'' ذیشان نے اصرار کیا۔ اب وہ اپنے سر الزام نہیں لینا چاہتا تھا۔

''وعدہ۔''

وہ فوراً باہر نکل آیا۔

ہوٹل تک پہنچتے پہنچتے وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اس نے ایک مشکل صورت حال کو بہت خوش اسلوبی سے بھگتایا تھا۔

ڈیسک کلرک اسے دیکھ کر مسکرایا ''آپ کے کمرے کی چابی سر۔'' اس نے چابی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ذیشان نے گڑیا نکالی ''یہ کیا شے ہے بھئی؟''

کلرک کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی ''یہ اسپائرلن ڈول ہے جناب۔''

''اس کے متعلق اور بتاؤ مجھے۔''

''اس کا تعلق ڈرامین اسپائرلن سے ہے۔ اگر آپ کو اس میں دلچسپی ہے تو میں آپ کو اس کا پمفلٹ دے سکتا ہوں۔''

''ضرور۔''

کلرک فائلوں کے انبار میں سے ایک پمفلٹ نکال لایا ''اس میں آپ کی دلچسپی بتاتی ہے کہ آپ انجینئر ہوں گے۔''

ذیشان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ یعقوب سعید کا پروفیشن کیا ہے۔ اس نے عام سے انداز میں کہا ''یہ نجی دلچسپی کا معاملہ ہے۔'' اور چابی گڑیا اور پمفلٹ لے کر لفٹ کی طرف چل دیا۔

یہ چیزیں میز پر ڈال کر وہ فون کی طرف بڑھا ''مجھے پاکستان کے لیے کال بک کروانی ہے۔'' اس نے ریسیور اٹھا کر آپریٹر سے کہا۔

''وہاں کا نمبر بتائیے سر۔'' آپریٹر نے کہا۔

''میرے پاس نمبر تو نہیں البتہ ایڈریس ہے۔'' ذیشان نے پرس سے یعقوب کا پتا نکالتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے' پتا ہی دے دیجیے'' ذیشان نے پتا لکھوا دیا۔

"نام کیا ہے جناب؟"

ذیشان یعقوب کا نام لینے ہی والا تھا کہ اسے خیال آ گیا۔ کتنی احمقانہ بات ہے کہ ایک شخص کو اپنا فون نمبر ہی یاد نہ ہو' "مجھے نام بھی معلوم نہیں۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"میں کوشش کرتا ہوں جناب۔ آپ کو کچھ دیر انتظار کرنا ہو گا۔"

"کوئی بات نہیں میں پورے دن اپنے کمرے میں ہوں گا۔"

ریسیور رکھ کر اس نے پمفلٹ اٹھایا اور اسپائرلن کے متعلق پڑھنے لگا۔ پمفلٹ کیا' وہ اچھا خاصا کتابچہ تھا۔ پہلے صفحے پر نمایاں حروف میں ڈرامین لکھا تھا اور اسپائرلن گڑیوں کی رنگین تصاویر تھیں۔ پمفلٹ چار مختلف زبانوں میں تھا جن میں سے وہ صرف انگلش پڑھ سکتا تھا۔

اسپائرلن میں اسے بڑی کشش محسوس ہوئی۔ ڈرامین ایک پہاڑ تھا۔ پہاڑ کے اندر سڑک تھی جو پہاڑ کے دامن سے پہاڑ کی اندرونی دیواروں پر گھومتی ہوئی پہاڑ کی چوٹی تک جاتی تھی۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک ریسٹورنٹ تھا جو چوبیس گھنٹے کھلا رہتا تھا۔ ذیشان کو اس سفر کا تصور موت کے کنویں میں موٹر سائیکل چلانے جیسا لگا۔ اس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔

پہاڑ کے اندر' پہاڑ کے پیٹ میں بنے اس راستے کو اسپائرل کہا جاتا تھا' جس کا مطلب تھا "پر پیچ" وہ ایک طرح کی سرنگ تھی۔ مسلسل سرنگ۔ اندر روشنیاں نہ ہوں یا لائٹ آف ہو جائے تو آدمی خود کو کس طرح اندھا محسوس کرتا ہو گا؟ ذیشان کے جسم میں خوف آمیز سنسنی دوڑ گئی۔

وہ جگہ سیاحوں کے لیے بے حد پرکشش تھی۔ پہاڑ اوسلو سے ۴۵ کلومیٹر دور تھا۔ ذیشان نے سوچا صبح نکلوں گا اور دوپہر تک واپس آ جاؤں گا۔ اخروٹی بالوں والی نے دوپہر کو ہی فون کرنے کو کہا تھا۔

اس نے یعقوب کی چیزیں کھنگالنا شروع کر دیں۔ وہ اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتا تھا۔ وہ تو اپنے وجود کے اندر بھی پردیسی ہی ہو گیا تھا۔ جیسے ناروے اس کے لیے پردیس تھا' ویسے ہی اپنی شخصیت بھی پردیسی ہو گئی تھی۔ اور اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا ہے۔ بتانے والا کوئی نہیں تھا' جو کچھ کرنا تھا خود ہی کرنا تھا۔

اس نے ہر چیز ٹٹول لی مگر اسے کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ رات کا کھانا بھی اس نے کمرے میں منگوایا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اخروٹی بالوں والی کی طرح کوئی اور بھی اس سے ٹکرائے۔ نیچے ریسٹورنٹ میں جانا اس لئے مخدوش تھا کہ کہیں یعقوب سعید کا کوئی جاننے والا گلے نہ پڑ جائے۔

وہ کھانا کھا رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ لائن ڈسٹرب تھی۔ آواز بہت دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی' "ہیلو..... میں ڈاکٹر یعقوب کی رہائش گاہ سے بول رہا ہوں۔" کوئی کہہ رہا تھا۔

"مجھے ڈاکٹر یعقوب سے بات کرنی ہے۔" ذیشان نے بے حد اعتماد سے کہا۔

"وہ تو موجود نہیں ہیں جناب۔"

"کہاں بات ہو سکے گی ان سے؟"

"وہ تو ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ کہاں' یہ مجھے علم نہیں۔"

"پھر بھی' کچھ تو معلوم ہو گا تمہیں؟"

چند لمحے خاموشی رہی پھر جواب ملا "اسکنڈے نیویا۔"

لیکن وہ یہاں نہیں پہنچا' ذیشان نے دل میں سوچا۔ پھر پوچھا۔ "آپ کون صاحب ہیں؟"

میں سلیمان ہوں جناب' ڈاکٹر یعقوب کا سیکرٹری۔ ڈاکٹر صاحب کے لیے کوئی پیغام ہو تو نوٹ کرا دیں جناب۔"

"میری آواز پہچانتے ہو سلیمان؟"

پھر چند لمحے خاموشی رہی "لائن صاف نہیں ہے جناب۔ ویسے بھی فون پر کسی کی آواز پہچاننا خاصا مشکل کام ہے سر۔"

"خیر..... جیسے ہی ڈاکٹر سے رابطہ ہو' انہیں بتا دینا کہ ذیشان انور کا فون آیا تھا۔ میں خود بھی جلد از جلد ان سے رابطے کی کوشش کروں گا۔ ٹھیک ہے؟"

"جی سر۔ میں کہہ دوں گا۔"

"ویسے کب تک آ جائیں گے وہ؟"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا جناب۔"

"ٹھیک ہے' تم میرا پیغام انہیں دے دینا۔" ذیشان نے ریسیور رکھ دیا۔ مایوسی اس کے چہرے سے صاف عیاں تھی۔

☆☆☆☆

رات وہ ٹھیک سے سو نہیں سکا۔ ہر بار وہ کوئی عجیب و غریب خواب دیکھتا اور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتا۔ صبح ہوتے ہوتے اسے گہری نیند آئی۔ اٹھا تو سر بھاری ہو رہا تھا' طبیعت میں کسل مندی تھی۔

وہ کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔ موسم بدل چکا تھا۔ آسمان سرمئی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

سڑکیں دھل کر صاف ہوگئی تھیں۔ کہیں کہیں پانی کھڑا نظر آرہا تھا۔ کھڑکی کھلی تو ٹھنڈی ہوا کمرے میں اتر آئی۔ ذیشان نے گہری سانس لے کر تازہ ہوا پھیپھڑوں میں بھرلی۔

ناشتے کا آرڈر دے کر وہ باتھ روم میں گھس گیا۔ نہانے کے بعد کسل مندی ختم ہوگئی۔

وہ باہر آیا تو ناشتا میز پر موجود تھا۔ کپڑے تبدیل کرکے اس نے آئینے میں خود کو دیکھا' بات ناقابل یقین سہی مگر سچی تھی۔ وہ اپنی اصل صورت بھولتا جارہا تھا۔

ناشتے نے اسے چاق وچوبند کردیا۔ ناشتے میں بیشتر چیزیں اس کے لیے اجنبی تھیں۔

اس نے صرف انڈے' ٹوسٹ اور کافی سے استفادہ کیا۔

ناشتے کے بعد وہ پھر کھڑکی میں آیا۔ ٹھنڈ بڑھ گئی تھی۔ اس نے وارڈ روب سے لیدر جیکٹ اور گرم پینٹ نکالی۔ ایک بیگ میں نقشہ اور ڈرامین اسپائرلن کا پمفلٹ لیا کیونکہ اس میں اسپائرل راستے کی تفصیل بھی تھی۔ ٹھیک نو بجے وہ گیراج میں پہنچا۔

راستہ نامانوس تھا اور کار بڑی بھی تھی اور طاقت ور بھی۔ اس کے حساب سے ٹریفک بھی غلط سائیڈ میں چل رہا تھا۔ وہ لیفٹ ہینڈ ڈرائیو کا عادی تھا جبکہ یہاں رائٹ ہینڈ ڈرائیو سسٹم تھا۔ تین بار وہ غلط مڑا اور ایک بار تو غلط سمت میں خاصا آگے چلا گیا۔

ان الجھنوں میں اسے پتا ہی نہیں چل سکا کہ ایک کار اس کا تعاقب کررہی ہے۔ وہ پریشان تھا۔ اس اجنبی شہر میں کسی بھی وقت کوئی مسئلہ کھڑا ہوسکتا تھا۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ وہ جس روپ میں تھا اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔

تعاقب کرنے والا خود اس کی غلطیوں سے پریشان تھا۔ وہ بڑبڑا رہا تھا۔ ذیشان کبھی کہیں مڑ جاتا اور کبھی کہیں اور وہ بھی غیر متوقع طور پر۔ اس شخص کا نام احمد تھا۔ وہ بڑی روانی سے اردو میں گالیاں بک رہا تھا۔ پھر بوندا باندی بارش میں تبدیل ہوگئی تو وہ بےزار ہوکر چپ ہوگیا۔

آخر کار ذیشان اوسلو شہر کے وسط میں پہنچ گیا۔ ایک موڑ کاٹتے ہی وہ ہائی وے پر آگیا۔

لمبی سیدھی سڑک کا دوسرا کنارہ نظر ہی نہیں آرہا تھا۔ داہنے ہاتھ پر دریا بہہ رہا تھا۔ بارش اچانک ہی رک گئی تھی' جیسے ہائی وے پر اس کا داخلہ ممنوع ہو۔ تاہم بادل اب بھی چھائے ہوئے تھے۔ موسم خوش گوار ہوگیا تھا اور اب ذیشان سفر سے لطف اندوز ہورہا تھا۔

پھر اسے ڈرامین نظر آیا۔ نقشے کے مطابق اسے بائیں سمت جاکر مزید ایک فرلانگ چلنا تھا۔ یہیں ان سے چوک ہوگئی۔ وہ کچھ پہلے ہی مڑ گیا۔ بہرحال ایک بار پھر اس نے اصلاح کرلی۔

گاڑی اب پہاڑ کے پیٹ میں داخل ہوگئی تھی۔ شروع میں سڑک ہموار تھی' بائیں

سمت مڑتے ہی چڑھائی کا سفر شروع ہوگیا۔ سڑک سرنگ کی صورت میں اوپر چڑھ رہی تھی۔ اندر گہری تاریکی تھی۔ اس نے دونوں ہیڈ لائٹس اور ٹیل لائٹس روشن کردیں۔ یہ اس کے لئے ایک نیا تجربہ تھا۔

پہلے لیول پر اس کے کاغذات چیک کئے گئے۔ تیسرے لیول پر اسے ایک کار اوپر سے آتی دکھائی دی' وہ نیچے جارہی تھی۔ لمحہ بھر کو اس گاڑی کی ہیڈ لائٹس نے اس کی آنکھیں چندھیا دیں مگر اس کے بعد اسے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ وہ بڑی احتیاط سے گاڑی کو سرنگ کی اندرونی دیوار سے قریب تر رکھ کر ڈرائیو کرتا رہا۔

چھٹے لیول سے گزرنے کے بعد سرنگ اچانک ختم ہوگئی اور ہموار سڑک سامنے آگئی۔ داہنی سمت بہت بڑا پارکنگ ایریا تھا۔ بائیں جانب ریسٹورنٹ کی عمارت تھی۔ وہ خاصی پرانی طرز کی عمارت تھی۔ اس نے ریسٹورنٹ سے قریب ترین مقام پر کار پارک کی۔

پارکنگ ایریا بھی خالی تھا اور ریسٹورنٹ بھی۔ ذیشان نے شیشے کے دروازے سے اندر جھانکا' دو عورتیں میزوں کی صفائی میں مصروف تھیں۔ گویا اسپائرلن میں ابھی دن کا آغاز نہیں ہوا تھا۔

ریسٹورنٹ کے دروازے کے اوپر لائف سائز کی اسپائرل گڑیا آویزاں تھی۔

ذیشان کچھ دور ایک مسطح ٹیلے کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں ایک ٹیلی اسکوپ تھی۔ وہ کچھ نیچے آیا' یہاں سے ڈرامین کی وادی کا نظارہ کرسکتا تھا۔ سورج بادلوں کو ایک طرف ہٹاتا آسمان پر نمودار ہورہا تھا۔ بہت نیچے دریا چاندی کے دھاگے کی طرح نظر آرہا تھا۔ ہوا میں نمی اور خوش گواریت رچی ہوئی تھی۔

اس کے اندر طمانیت اتر گئی۔ بہت خوب صورت' بہت حسین' اس نے وادی کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا' لیکن میں یہاں کر کیا رہا ہوں؟ کس جستجو میں آیا ہوں یہاں؟ ڈرامین ڈولی کہاں ہو تم؟

پھر اس نے سوچا' ممکن ہے اس کا جواب ریسٹورنٹ میں ملے۔ وادی کا نظارہ وہ کرچکا تھا چنانچہ ریسٹورنٹ کی طرف چل دیا۔ اندر صفائی کا کام مکمل ہوچکا تھا۔ وہ ریسٹورنٹ میں بیٹھ گیا اور پرامید نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ عجیب طرح کا ریسٹورنٹ تھا لگتا تھا' تعمیر کے دوران کام کرنے والے ڈبل مائنڈ ہوگئے تھے۔

اس نے ویٹریس سے کافی طلب کی۔ ویٹریس کافی لے آئی لیکن نہ اس نے ذیشان میں کسی دلچسپی کا مظاہرہ کیا نہ ہی کوئی خفیہ اشارہ کیا۔

اس نے گھونٹ گھونٹ پی کر کافی ختم کر دی اور کچھ نہیں ہوا۔ وہ مایوس ہو کر اٹھا اور بل ادا کر کے باہر نکل آیا۔

پمفلٹ کے مطابق وہ علاقہ سیاحوں کا مرکز بنا رہتا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر واقع یہ حصہ ڈرامین کا دل تھا۔ گرمیوں میں یہاں ہائکنگ کرنے والے آتے اور سردیوں میں اس کی اِنگ کے شوقین۔ اس کے پاس ابھی کافی وقت تھا اس نے سوچا' کم از کم یہ علاقہ تو ٹھیک طرح سے دیکھ لیا جائے۔

وہ ریسٹورنٹ سے نکلا۔ پارکنگ ایریا میں ایک کار کھڑی تھی۔ کار میں موجود شخص کے پاس اخبار تھا۔ اس نے متجسس نگاہوں سے ذیشان کو دیکھا۔ ذیشان نے کوٹ کے کالر اوپر کر لئے' اس طرح اس کا چہرہ اچھا خاصا چھپ گیا۔ ہوا خاصی سرد تھی۔

ذیشان ٹیلے سے اترنے لگا۔ وہ جنگلاتی علاقہ تھا۔ جابجا اونچے درختوں کے جھنڈ تھے۔ وہ ان درختوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ نباتات سے اسے کبھی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ کار پارکنگ سے وہ جس پگڈنڈی پر چلا تھا اس کی حالت بتاتی تھی کہ وہ مسلسل استعمال میں رہتی ہے۔

آگے جا کر پگڈنڈی تنگ ہو گئی۔ درخت پگڈنڈی سے قریب تر ہوتے گئے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا' ریسٹورنٹ اب نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

آگے پگڈنڈی پر ایک دوراہا آیا۔ اس نے ذہنی طور پر جیسے ٹاس کیا اور دوراہے کی داہنی سمت والی شاخ پر چل دیا۔ کوئی دس منٹ چلنے کے بعد وہ اچانک رکا' یہ میں کیا کر رہا ہوں؟ اس نے سوچا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ اس کی کار میں کسی نے اسپائرل ڈول ڈال دی تھی اور اس کے نتیجے میں وہ یہاں اس اجنبی مقام پر مارا مارا پھر رہا تھا۔ یہ حماقت نہیں تو کیا ہے۔؟

مگر پھر اسے گڑیا سے منسلک رقعہ یاد آ گیا۔

وہ واپس چل دیا۔ دوراہے پر پہنچ کر اس بار وہ بائیں شاخ پر چل پڑا۔ ہوا میں تازگی تھی۔ بارش نے فضا کو دھو ڈالا تھا۔ پتوں پر بارش کے قطرے ٹکے ہوئے تھے۔ سورج کی کرنوں کے گزرنے سے ان پتوں میں سے قوس قزح کے رنگ منعکس ہو رہے تھے۔ ایک درخت کے نیچے سے گزرتے ہوئے اچانک ہوا نے اس درخت کے پتوں کو جھنجوڑا۔ پتوں پر ٹھہرے ہوئے قطرے ذیشان پر برس پڑے۔ اس کی روح تک سرشار ہو گئی۔

دور دور درختوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

پگڈنڈی پر ایک اور دوراہا آ گیا تھا' وہ رک گیا کہ اب کیا کرے۔ پھر عقب کی سمت

سے ایک آواز سی سنائی دی' جیسے کسی کے جوتوں کے نیچے آ کر کوئی خشک ٹہنی ٹوٹی ہو' اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا مگر کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ پلٹا مگر اسی لمحے اسے اپنے داہنی جانب سے آواز سنائی دی۔ اسے کوئی چیز تیزی سے درختوں کی طرف لپکتی' گم ہوتی دکھائی دی۔

پھر عقب سے اسے اپنی طرف لپکتے ہوئے قدموں کی واضح آواز سنائی دی۔ وہ تیزی سے پلٹا۔ اس وقت تک حملہ آور اس کے بہت قریب پہنچ چکا تھا۔ حملہ آور کا قد کم از کم چھ فٹ اور کندھے بے حد چوڑے تھے۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا اور اس کے عزائم جارحانہ تھے۔

ذیشان کی عمر ۳۳ سال تھی اور وہ کبھی بہت زیادہ لڑنے بھڑنے والا بھی تھا' البتہ زمانہء طالب علمی میں اسے باکسنگ کا شوق تھا۔ اس نے کراٹے اسکول میں بھی داخلہ لیا تھا لیکن تربیت مکمل نہیں کی تھی تاہم اس کے مزاج میں تندی اور جارحیت تھی۔ لیکن پچھلے دو دن اس نے جس فرسٹریشن میں گزارے تھے وہ ایسے مزاج کے لوگوں کے لیے تباہ کن ہوتے ہیں۔ جارح مزاج کا آدمی کچھ کر نہ سکے' بے بس ہو جائے تو تقریباً مر جاتا ہے۔ وہ دو دن اس نے دھند میں گزارے تھے جس کے پار کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

لیکن اب اس کے سامنے ایک ہدف موجود تھا۔ اس کی دو دن سے کچلی ہوئی جارحیت ابھر آئی۔ جبلت بیدار ہو گئی۔ وہ اپنا غصہ کسی پر اتار سکتا تھا۔

حملہ آور کا ہاتھ بلند ہو چکا تھا۔ ذیشان کے وجود میں تند غصے کی لہر اٹھی۔ پیچھے ہٹنے کے بجائے اس نے جھکائی دی اور پوری قوت سے حملہ آور کے گلے پر ابھرے ہوئے کنٹھے پر گھونسا رسید کیا۔ حملہ آور کے لیے یہ غیر متوقع تھا۔ اس کی سانس اکھڑی' وہ دہرا ہو کر گرا اور حلق سے تکلیف بھری آوازیں نکالنے لگا۔

ذیشان نے ایک لحہ بھی ضائع نہیں کیا اور پلٹ کر بھاگا۔ اسے جلد از جلد پارکنگ ایریا تک پہنچنا تھا۔ اسے احساس تھا کہ بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں صرف اس کی نہیں ہیں لیکن اس نے پلٹ کر اس احساس کی تصدیق نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ رکے گا تو پھنس جائے گا۔ چنانچہ وہ بھاگتا رہا۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ بائیں جانب ایک شخص درختوں کے درمیان بھاگ رہا ہے تاکہ شارٹ کٹ کے ذریعے اسے اوپر پہنچنے سے پہلے گھیرا جا سکے۔

خطرناک بات یہ تھی کہ وہ دشمن اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا معلوم ہو رہا تھا۔

ذیشان نے رفتار بڑھائی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بائیں جانب سے شارٹ کٹ لگانے والا پگڈنڈی پر پہنچا تو اس سے پندرہ گز آگے تھا۔ پھر عقب سے سنائی دینے والی آہٹیں بتا

رہی تھیں کہ پہلا حملہ آور سنبھلنے کے بعد اس کے پیچھے آ رہا ہے۔اب وہ رکتا تو بری طرح پھنس جاتا چنانچہ وہ اپنی رفتار کم کئے بغیر پگڈنڈی پر آگے کی طرف بھاگتا رہا۔

آگے موجود شخص نے دیکھا کہ ذیشان رکنے کے بجائے بڑھتا آ رہا ہے تو اس کے چہرے پر حیرت کا سایہ لہرایا۔اس کا ہاتھ اپنی کمر کی طرف گیا اور اگلے ہی لمحے وہ لڑاکوں کے سے انداز میں جھک گیا۔دھوپ میں ذیشان کو اس کے داہنے ہاتھ میں چاقو چمکتا نظر آیا۔

ذیشان پوری رفتار سے اس کی طرف بھاگتا رہا۔اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اس کے بائیں ہاتھ کے قریب سے جھپٹ کر نکل بھاگنے کا ارادہ رکھتا ہے۔مگر آخری لمحے میں اس نے بہت قریب پہنچ کر اچانک رخ بدلا اور اس کے چاقو والے ہاتھ کی طرف لپکا۔

وہ شخص دھوکا کھا گیا۔ذیشان اس کے داہنے ہاتھ کے قریب سے تقریباً بے داغ نکل چکا تھا کہ اس نے سنبھل کر چاقو والا ہاتھ گھمایا۔ذیشان کو اپنی پسلیوں کے قریب کھولتے ہوئے درد کا احساس ہوا۔تاہم وہ رفتار کم کئے بغیر آگے نکلتا گیا۔وہ دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ کسی درخت کی ابھری ہوئی جڑ سے ٹھوکر کھا کر گر نہ جائے۔اس احساس نے کہ ایک چاقو بردار شخص اس کے پیچھے لگا ہوا ہے،اس کی ٹانگوں میں جیسے پر لگا دیئے تھے۔

اچانک اسے احساس ہوا کہ حملہ آور تین تھے۔پیچھے آنے والا وہ نہیں تھا جسے اس کے گھونسے نے گرا دیا تھا۔اسے تو شاید سنبھل کر اٹھنے میں مزید دو منٹ لگتے۔یعنی اب چاقو والا اور دوسرا شخص اس کے پیچھے آ رہے تھے۔وہ ان کی چیخنے کی آواز سن رہا تھا مگر اب سامنے اسے ریسٹورنٹ کی عمارت کی چھت نظر آنے لگی تھی۔وہ چڑھائی پر بھاگتا رہا۔

اب اس کی سانس پھولنے لگی تھی۔وہ جانتا تھا کہ اب اس رفتار سے نہیں بھاگ سکے گا۔کار پارکنگ میں قدم رکھتے ہی وہ اپنی کار کی طرف لپکا۔اس کے قدموں نے ہموار زمین کو بڑی شکر گزاری سے قبول کیا۔

اسے ایک کار کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔اس نے کن انکھیوں سے بائیں سمت دیکھنے کا خطرہ مول لیا۔ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے والا اس کی طرف آ رہا تھا۔اس نے جلدی سے کار کی چابی نکال کر لگائی۔خوش قسمتی سے چابی فوراً ہی لگ گئی۔وہ جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا،ایک ہاتھ سے اس نے دروازہ بند کیا اور دوسرے اگنیشن میں چابی لگائی۔باہر موجود شخص کھڑکی پر گھونسے برسا رہا تھا۔پھر اس نے دروازے کے ہینڈل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ذیشان نے جلدی سے لاک دبا دیا۔

اس دوران کار کی چابی نیچے گر گئی تھی۔وہ اسے ٹٹولتا رہا۔اس کے پھیپھڑے الگ دکھ رہے تھے۔سانس ٹوٹ ٹوٹ کر آ رہی تھی۔پہلو میں ہونے والی تکلیف بڑھ گئی تھی۔لیکن اسے یہ اطمینان تھا کہ وہ محفوظ ہے۔بند کار میں کوئی نہیں گھس سکتا تھا مگر چابی کا جلد مل جانا ہی بہتر تھا،وہ چابی ٹٹولتا رہا۔آخر کار اس کا ہاتھ چابی سے ٹکرایا۔اس نے چابی اٹھا کر اگنیشن میں لگائی۔

اچانک اس کا اطمینان اور حوصلہ جواب دے گیا کیونکہ دروازے پر زور لگانے والے نے پیچھے ہٹ کر اپنی جیب سے پستول نکال لیا تھا۔ذیشان نے جلدی سے کلچ دبا کر گاڑی کو فرسٹ گیئر میں ڈالا ٹائر بری طرح چیخے اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔اسٹیئرنگ وھیل پر اس کا ہاتھ بھی نہیں پہنچا تھا۔گاڑی شرابیوں کی طرح ڈولتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔اسی چیز نے اسے فائرنگ کے باوجود بچا لیا۔اگلے ہی لمحے گاڑی سرنگ میں داخل ہو گئی۔

سرنگ میں داخل ہونے سے پہلے ذیشان نے بیک ویو مرر میں حملہ آوروں کو گاڑی میں بیٹھتے دیکھا،پھر منظر اوجھل ہو گیا کیونکہ اس کی گاڑی سرنگ میں داخل ہو چکی تھی۔

دس سیکنڈ بعد پہلا موڑ آیا۔ذیشان کو احساس تھا کہ اس کی کار کی رفتار تباہ کن حد تک زیادہ ہے۔خطرہ یہ تھا کہ نیچے سے اوپر کی طرف آنے والی کسی گاڑی سے تصادم سے بچنا ناممکن تھا۔

ذیشان نے ایکسیلریٹر پر سے پاؤں ہٹائے بغیر پہاڑ کی اندرونی دیوار کا جائزہ لیا۔اسے یقین تھا کہ کار ایک بار دیوار سے ٹکرا گئی تو اسے مکمل تباہی سے بچانا ممکن نہیں۔سڑک پر ہر میل کے بعد ایک خوف ناک موڑ آتا تھا اور اوپر آنے والے ٹریفک پر اس کا کوئی زور نہیں تھا۔

صورت حال بہت مایوس کن اور خوف ناک تھی۔

ذیشان نے ایکسیلریٹر پر دباؤ کم کر کے بیک ویو مرر میں عقب کا جائزہ لینے کا خطرہ مول لیا۔پیچھے آنے والی گاڑی کا ڈرائیور اس کے آگے ہونے کا فائدہ اٹھا رہا تھا۔وہ سڑک کے بیچوں بیچ پوری رفتار سے دوڑا کر درمیانی فاصلہ تیزی سے سمیٹ رہا تھا۔

ذیشان نے رفتار پھر بڑھا دی۔

آگے ایک دیوار پر اسے پانچ کا ہندسہ چمکتا نظر آیا۔یعنی نیچے پہنچنے کے لیے ابھی چار سرکٹ اور باقی تھے۔کار کی رفتار زیادہ ہونے کی وجہ سے کار قابو سے باہر ہوئی جا رہی تھی۔اسٹیئرنگ میں لگتا تھا،خود مختاری کی خو پیدا ہو رہی ہے۔وہ وھیل پر قابو رکھنے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔

عقب سے آواز سنائی دی۔اس کی کار کو ٹکر لگی تھی۔ایک اور ٹکر لگی اور کار کی ایک دھاتی چادر سڑک پر گر گئی۔کار لہرائی اور اس نے سڑک پر پوری چوڑائی کا سفر طے کر ڈالا۔کار کا عقبی

حصہ مخالف دیوار سے ٹکرایا مگر اس وقت ذیشان کو کار کی عافیت کی فکر نہیں تھی۔

اسی لمحے نیچے سے اوپر کی طرف آتی ہوئی ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس چمکیں۔ اس نے دیوانہ وار اسٹیئرنگ وھیل گھمایا' گاڑی پھر اپنی سائیڈ پر آ گئی۔ اوپر آتی ہوئی ٹورسٹ بس سے کار کا سامنے والا حصہ معمولی سا ٹکرایا۔ ایک لمحے کو ذیشان کو بس کے ڈرائیور کا کھلا ہوا منہ اور پھٹی پھٹی ہوئی آنکھیں نظر آئیں' پھر سامنے صرف سڑک اور سائیڈوں میں پہاڑ کی دیواریں رہ گئیں

اس کی کار کا اگلا بمپر اچھل کر سرنگ کی دیوار سے ٹکرایا۔ چنگاریاں سی اڑیں۔ کوئی ڈیڑھ سو گز تک کار ایک دیوار سے دوسری دیوار تک لہراتی رہی تب کہیں جا کر وہ اسے کنٹرول کرنے میں کامیاب ہوا۔

اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ بس نیچے سے آنے والی جلوس کی رہنما بس نہیں تھی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے چمکتا ہوا ۲ کا ہندسہ گزر گیا عقب نما آئینہ بتا رہا تھا کہ تعاقب کرنے والے بھی بس سے بچ نکلے ہیں۔ البتہ اس کی وجہ سے ان کی رفتار کم ہوئی تھی اور درمیانی فاصلہ کچھ بڑھ گیا تھا۔ مگر اب وہ پھر اسے کم کر رہے تھے۔

پہلے لیول کے قریب نظر آنے والی روشنی نے اسے بتا دیا کہ کوئی اور گاڑی آ رہی ہے۔ اس کے عضلات تن گئے مگر وہ موڑ سے بخوبی گزر چکا تھا۔ اب سامنے سیدھی سڑک تھی۔ پھر اسے اندازہ ہوا کہ وہ روشنی کسی کار کی ہیڈ لائٹس کی نہیں' دھوپ کی تھی۔ سڑک باہر نکلنے ہی والی تھی۔

اس نے ایکسلریٹر پر مزید دباؤ بڑھایا۔ اس کی کار سرنگ سے یوں نکلی جیسے بندوق کی نال سے گولی نکلتی ہے۔ ٹول ٹیکس وصول کرنے والے نے اسے روکنے کیلئے دونوں ہاتھ اٹھائے مگر کار کی رفتار دیکھ کر اچھلا اور دیوار سے چپک گیا۔

باہر دھوپ کی تیزی نے ذیشان کی آنکھیں چندھیا دیں۔ گاڑی ڈرامین کی مرکزی سڑک پر پوری رفتار سے اڑ رہی تھی

کچھ دور جا کر اس نے بریک لگائے اور اسٹیئرنگ وھیل کو سائیڈ میں گھمایا۔ ٹائر چیخے' سڑک پر ربڑ رگڑنے سے واضح سیاہ نشان بن گیا۔ پھر وہ عملاً بریک پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ آگے سگنل لال تھا اور پیدل چلنے والے سڑک پار کر رہے تھے۔

گاڑی اس طرح رکی کہ اس کا عقبی حصہ اٹھ گیا تھا اور سامنے والا حصہ ڈوبتے ہوئے سورج کی طرح نظر آ رہا تھا۔ گاڑی نے رکتے رکتے اس پولیس مین کی ران کو رگڑ ڈالا تھا جو سڑک

کے بیچ میں دوسری طرف منہ کئے کھڑا ٹریفک کنٹرول کر رہا تھا۔

پولیس والے نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ ذیشان نے دوبارہ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔ متعاقب گاڑی رک کر پلٹی تھی اور اب پوری رفتار سے مخالف سمت میں جا رہی تھی۔

پولیس والا کھڑکی پر دستک دے رہا تھا۔ ذیشان نے شیشہ اتار کر سر باہر نکالا۔ پولیس والے نے کسی اجنبی زبان میں پوری تقریر کر ڈالی۔

''میں تمہاری زبان نہیں بول سکتا۔ تمہیں انگلش آتی ہے؟'' ذیشان نے پوچھا۔ وہ بہت بے بسی محسوس کر رہا تھا۔

''تمہیں پتا ہے' تم کیا کر رہے تھے؟'' پولیس والے نے انگلش میں پوچھا لہجہ بے حد سخت تھا۔

ذیشان نے عقب کی سمت اشارہ کیا ''اس کے ذمے دار وہ احمق ہیں۔ میری تو اپنی زندگی خطرے میں پڑ گئی تھی۔

پولیس والے نے چاروں طرف گھوم کر کار کا جائزہ لیا۔ وہ کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا۔ پھر اس نے پچھلی نشست والی کھڑکی پر دستک دی۔ ذیشان نے دروازہ کھولا تو وہ اندر آ بیٹھا ''گاڑی چلاؤ میں راستہ بتاؤں گا وہ بولا۔

ذیشان نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

کچھ دیر کی ڈرائیو کے بعد ایک عمارت نظر آئی جس کی پیشانی پر ''پولس'' لکھا تھا۔

احاطے میں گاڑی رکوا کر پولیس والے نے ذیشان کو اترنے کا اشارہ کیا۔ اس نے ذیشان سے کار کی چابی لی اور بولا ''اندر چلو''

وہ فرنیچر سے محروم ایک کمرے میں بیٹھا رہا۔ ایک پولیس مین نے اس کی کہانی سنی اور اس پر غور و فکر کرتا رہا۔ ذیشان نے بھی صرف تازہ ترین واقعہ بیان کیا تھا' پوری حقیقت بیان کرتا تو طرح طرح کی پیچیدگیاں سر اٹھاتیں۔ ایسے سوالات اٹھتے جن کے جواب فی الوقت اس کے پاس نہیں تھے۔

ایک گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی۔ نوجوان پولیس مین نے ریسیور اٹھایا۔ وہ کچھ دیر سنتا رہا پھر ذیشان سے مخاطب ہوا ''آؤ میرے ساتھ۔''

اس بار اسے ایک سنیئر پولیس مین کے پاس لے جایا گیا۔ اس کے ہاتھ میں پین تھا

اور سامنے کاغذ" آؤ" اس نے ذیشان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا" تمہارا نام؟"

ذیشان حیران کن تھا۔ وہاں سب لوگ اختصار کے ہنر میں طاق معلوم ہوتے تھے۔ تمام سوالات یک لفظی زیادہ سے زیادہ دو لفظی تھے۔

"یعقوب سعید" ذیشان نے جواب دیا

"قومیت؟"

"پاکستانی۔"

آفیسر نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا" پاسپورٹ پلیز۔"

ذیشان نے پاسپورٹ نکال کر آفیسر کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیا۔ آفیسر نے پاسپورٹ کا جائزہ لیا' پھر اسے میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

"تم ڈرامین کی سڑک پر ۱۸۰ کلو میٹر فی گھنٹے کی رفتار سے ڈرائیو کر رہے تھے۔" اس کی آنکھوں میں سختی جھلکنے لگی" اسپائرلن سے نکلتے ہوئے تمہاری کم از کم یہی رفتار تھی۔ یہ سنگین ترین خلاف ورزی ہے ٹریفک کی۔ اسپائرلن سے ملبہ اٹھانا آسان کام نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں کوئی وضاحت؟"

ذیشان کی غلط فہمی دور ہوگئی تھی۔ پولیس والوں کی انگریزی کی استعداد کم نہیں تھی لیکن وہ بلا ضرورت قابلیت نہیں جھاڑتے تھے۔ اس نے اپنا بیان دہرا دیا جواب اسے ازبر ہو چکا تھا۔

پولیس آفیسر کی نگاہوں میں بدستور سختی تھی۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ خاموشی طول پکڑتی محسوس ہوئی تو ذیشان کھنکارا" میں پاکستانی ہو سفارت خانے سے رابطہ کرنا چاہتا ہوں۔"

آفیسر کی نگاہوں میں سختی کچھ کم ہوگئی" کار کی حالت تمہارے بیان کی تائید کرتی ہے پھر ایک اور کار ملی ہے جسے کوئی سڑک پر چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ تفتیش پر کار چوری کی ثابت ہوئی۔ تم اپنے بیان میں کوئی تبدیلی کرنا چاہتے ہو؟"

ذیشان نے نفی میں سر ہلایا۔

آفیسر اٹھ کھڑا ہوا" انتظار کرو" یہ کہہ کر وہ باہر چلا گیا۔ کوئی ایک گھنٹے کے بعد وہ واپس آیا" تمہارے وطن کے سفارت خانے سے ایک آدمی آرہا ہے۔ اس وقت تک اپنا بیان لکھوا دو۔" وہ بولا۔

"اور میرا پاسپورٹ؟"

"وہ سفارت خانے کے کسی ذمے دار آدمی کے حوالے کر دیا جائے گا۔ تمہاری گاڑی

کچھ دن یہیں رہے گی۔ اس پر کچھ تفتیشی ٹیسٹ کیے جائیں گے۔ ویسے بھی فی الحال وہ چلانے کے کام کی تو رہی نہیں ہے۔"

ذیشان نے سر کو تفہیمی جنبش دی" سفارت خانے سے آدمی کب تک آجائے گا۔"

"یہ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اس وقت تک تم یہاں انتظار کرو۔"

ذیشان کو وہاں آئے دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ ایک پولیس مین ایک ٹرے پر کافی اور کھانے کی کچھ چیزیں لے آیا۔ ذیشان کا بھوک سے برا حال ہو رہا تھا۔ اس نے ہر نعمت سے استفادہ کیا۔

پھر ڈاکٹر آیا اور اس کی مرہم پٹی کر کے چلا گیا۔ اب ذیشان کی پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ درخت کی ایک شاخ کا کمال تھا۔

ذیشان نے ڈاکٹر کو پسلی کے زخم کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا البتہ ڈاکٹر کے جاتے ہی اس نے خود زخم کا معائنہ کیا۔ کوٹ' جیکٹ اور سویٹر کو کاٹتا ہوا چاقو اس کی پسلی پر محض خراش ڈال سکا تھا۔ سویٹر خون میں تربتر ہو رہا تھا۔

باہر سے آتے ہوئے بھاری قدموں کی دھمک سنائی دی۔ پھر ایک شخص اندر آیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے ذیشان کی طرف ہاتھ بڑھایا" ڈاکٹر یعقوب' میں فرید ہوں اور آپ کو اس پریشانی سے نجات دلانے آیا ہوں۔"

فرید کے پیچھے ایک پولیس آفیسر بھی تھا۔ آفیسر نے ذیشان کے تحریری بیان کی ایک کاپی فرید کو دی فرید نے اس پر دستخط کیے اور آفیسر سے بولا" میرا خیال ہے آپ کی ضابطے کی کاروائی مکمل ہوگئی ہے۔"

"فی الحال تو یہی سمجھیں۔" آفیسر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔" لیکن بعد میں بھی ان کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ مجھے امید ہے طلب کرنے پر یہ آجائیں گے۔"

"اس طرف سے آپ مطمئن رہیں۔" فرید نے کہا۔ پھر وہ ذیشان کی طرف مڑا" چلیں' میں آپ کو ہوٹل پہنچا دوں' بہت تھک گئے ہوں گے آپ۔"

فرید کے پاس گاڑی تھی۔ وہ خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ ذیشان کو الجھن تھی کہ فرید اسے کیسے پہچانتا ہے۔ اس نے اسے ڈاکٹر یعقوب کہہ کر مخاطب کیا تھا جبکہ پاسپورٹ پر یہ اندراج نہیں تھا۔ یہ سوچ کر اسے پاسپورٹ کا خیال آگیا" اب آپ میرا پاسپورٹ مجھے دے دیں"

"ہم ہوٹل نہیں جا رہے ہیں۔" فرید نے سرد لہجے میں کہا" ہم سفارت خانے جا رہے

ہیں، ہوٹل کا تو میں نے آفیسر کو مطمئن کرنے کے لیے کہا تھا۔ قیصر صاحب آج ہی یہاں پہنچے ہیں، وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔'' وہ معنی خیز انداز میں ہنسا ''سنا تم نے' وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔''

ذیشان کو احساس ہوا کہ وہ گہرے پانیوں میں اترنے والا ہے۔ ''قیصر'' اس نے عام سے لہجے میں کہا۔ اسے توقع تھی کہ مزید گفتگو جاری رکھے گا' یوں اسے قیصر کے متعلق معلومات حاصل ہو جائیں گی۔

لیکن فرید نے بات نہیں بڑھائی۔ البتہ چند لمحے بعد اس نے پرخیال لہجے میں کہا ''تم نے پورا بیان نہیں دیا تھا' ہے نا؟'' وہ ذیشان کو بغور دیکھتا رہا پھر بولا ''اسپائرلن میں ایک عینی گواہ کا کہنا ہے کہ تم سے الجھنے والوں میں سے ایک کے ہاتھ میں پستول بھی تھا۔

خیر.... تم نے اچھا کیا جو اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ موجودہ صورت حال میں الجھنوں سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ قیصر صاحب تو اس پر بھی خفا ہوں گے۔''

ذیشان کے پلے کچھ بھی نہیں پڑا۔ اس نے دل ہی دل میں اپنی کم سخنی پر شکر ادا کیا اور دکھتی ہوئی پسلی پر ہاتھ رکھ کر بولا' میں بہت تھک گیا ہوں۔'' اب وہ جلد از جلد اس چکر سے نکلنا چاہتا تھا۔

''ہاں یقیناً۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔'' فرید نے کہا۔

☆☆☆☆

سفارت خانے میں فرید اسے ایک کمرے میں بٹھا کر چلا گیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ واپس آیا'' آیئے میرے ساتھ۔''

ذیشان اس کے پیچھے چل دیا۔ ایک کمرے کے سامنے فرید رکا' اس نے بڑی آہستگی سے دروازہ کھولا'' چلئے آ' قیصر صاحب سے تو تم واقف ہو۔''

اندر میز کے عقب میں جو شخص بیٹھا تھا وہ جثے کے اعتبار سے چوکور تھا۔ سر کے تمام بال سفید تھے اس کے کندھے غیر معمولی طور پر چوڑے تھے' ہاتھ بھی جسم کی مناسبت سے زیادہ لمبے تھے۔

'' آؤ ڈاکٹر۔'' اس نے کہا۔ پھر فرید سے بولا ''تم جا سکتے ہو۔''

فرید کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے چلا گیا۔

''بیٹھو'' قیصر نے کہا۔ اس کے لہجے میں تحکم نہیں تھا۔ ذیشان اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

قیصر چند لمحے اسے بغور دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''ڈاکٹر تمہیں ہدایت دی گئی تھی کہ ہوٹل سے زیادہ دور نہ

جانا۔ کہیں جانا ہو تو ہمیں بتانا تاکہ ہم انتظامات کر لیں۔'' اس کا لہجہ کچھ تلخ ہو گیا'' تم نے ایسا کیوں کیا؟ مجھے لندن سے صرف تمہارے لیے یہاں آنا پڑا ہے۔ یہاں سے اطلاع بھیجی گئی تھی کہ تم غائب ہو۔ اب پتا چلا کہ تم پہاڑ پر تفریح کر رہے تھے۔ آخر کیوں؟''

ذیشان خاموش رہا۔ اتنی تاریک صورت حال میں وہ قدم بڑھا ہی نہیں سکتا تھا۔

چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد قیصر دوبارہ گویا ہوا'' تم نے پولیس کو سب کچھ نہیں بتایا' بہت اچھا کیا۔ اب مجھے سب کچھ سنا ڈالو۔''

''میں جنگل والے حصے میں گھوم رہا تھا کہ ایک شخص نے مجھ پر حملہ کر دیا.....''

''حلیہ؟''

وہ خاصا لمبا چوڑا تھا۔ عمر زیادہ نہیں تھی۔ بال سیاہ تھے' ناک پچکی ہوئی۔ میرے ایک گھونسے نے اسے بیکار کر دیا تھا۔''

''کیا... کیا؟'' قیصر کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں۔ میں نے اس کے ڈنڈے کے وار سے خود کو بچاتے ہوئے اس کے حلق کے کنٹھے پر گھونسا رسید کر دیا تھا۔ اس کے بعد وہ اٹھ نہیں سکا آخر تک۔''

''تم نے.....تم نے اس لمبے چوڑے آدمی کو مارا؟'' قیصر کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

''ہاں۔ کالج کے زمانے میں مجھے باکسنگ کا شوق رہا ہے۔''

قیصر انگلیوں سے میز پر طبلہ بجانے لگا'' خیر...... پھر کیا ہوا؟''

''میں سرپٹ بھاگا۔ اچانک پتا چلا کہ وہ تین تھے۔ ایک کو تو میں نے بیکار کر دیا تھا' دوسرا پیچھے سے آ رہا تھا اور تیسرا سامنے سے بلاک کر رہا تھا۔ جب میں سامنے والے کی پروا کیے بغیر بھاگتا رہا تو سامنے والے نے چاقو نکال لیا۔ میں اسے جھکائی دے کر اپنی کار کی طرف لپکا اور کار لے کر تیزی سے وہاں سے نکلا.......''

''کیا.....کیا کہہ رہے ہو؟ یہ سب کچھ واقعی کیا تم نے!''

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

''خیر.....پھر کیا ہوا؟ قیصر نے بدمزگی سے پوچھا۔

''میں اسپائرلن سے بچ کر نکل آیا مگر ڈارمین کی سڑک پر کوشش کے باوجود ٹریفک پولیس مین کو خراش سے نہ بچا سکا

پولیس مین نے میرا بیان لیا اور......''

"میں پوچھتا ہوں کہ تمہیں تعاقب کا علم ہو گیا تھا سو اسپائرلن جانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟"

"مجھے تو تعاقب کا علم ہی نہیں تھا۔" ذیشان کے لہجے میں حیرت در آئی۔

"غلط کہہ رہے ہو تم۔ تم نے دو بار میرے آدمی کو ڈاج دیا۔"

"ڈاج دیا! ارے میں تو بس دو مرتبہ بھٹکا تھا' اتنی سی بات ہے۔"

"تم اور بھٹکے تھے!" قیصر کا لہجہ یک لخت سخت ہو گیا "تم تو اس شہر کے چپے چپے سے واقف ہو۔ اپنے اسلام آباد سے زیادہ تم اوسلو کو جانتے ہو۔ پچھلے ہفتہ اسپائرلن جاتے ہوئے تو تم نہیں بھٹکے تھے۔"

ذیشان کو احساس ہو گیا کہ اب بات بن نہیں سکتی۔ اس نے گہری سانس لے کر کہا "میں اس لیے بھٹکا کہ میں ڈاکٹر یعقوب سعید نہیں ہوں۔"

قیصر کا چہرہ سپید پڑ گیا "یہ... یہ کیا کہہ رہے ہو تم!"

ذیشان نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

قیصر کے چہرے کے تاثرات لمحہ بہ لمحہ بدل رہے تھے۔ بے یقینی' حیرت' پریشانی' تشویش لیکن اس نے ذیشان کو ایک بار بھی نہیں ٹوکا۔ بڑے تحمل سے ایک ایک لفظ سنتا رہا' آخر میں اُس نے ریسیور اٹھایا اور کہا "احمد کو فوراً میرے پاس بھیجو۔"

پھر وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے اس نے ذیشان کا کندھا تھپکتے ہوئے کہا "مجھے امید ہے تم اس مختصر سے انتظار کو مائنڈ نہیں کرو گے؟"

چند لمحے بعد وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ راہداری میں فرید آتا نظر آیا لیکن وہ اس کی طرف بڑھتا گیا۔ فرید اس کے تاثرات دیکھ کر ٹھٹک گیا "کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟" اس نے قیصر سے پوچھا۔

"ہوا یہ ہے کہ وہ ہمیں بھی بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔" قیصر نے تقریباً دہاڑ کر کہا "فرضی کہانیاں سنا رہا ہے گھڑ کر۔"

"مثلاً؟"

قیصر نے جو کچھ ذیشان سے سنا تھا۔ دہرا دیا۔ پھر وہ بولا یقیناً اسپائرلن میں کوئی گڑبڑ ہوئی ہے اور اسی لئے اس کا ارادہ بدل گیا ہے۔ لیکن اصل بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ تم فنگر پرنٹ کے ماہرین کا بندوبست کرو۔"

فرید اسے بدحواس دیکھ کر اپنی مسکراہٹ دبانے کی کوشش کرنے لگا "کیا یہ بہت فرسودہ طریقہ نہیں ہے؟"

"ہے۔" قیصر چلایا "لیکن پرانا اور آزمودہ بھی ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ سچ کہہ رہا ہو۔" فرید نے محتاط لہجے میں کہا۔

"ہرگز نہیں۔ وہ یعقوب ہی ہے۔"

"میں تو الجھن میں ہوں۔ پولیس اسٹیشن میں وہ نارویجن کا ایک لفظ بھی نہیں بولا حالانکہ اسے یہ زبان آتی ہے۔"

"بے وقوف مت بنو' وہ یہ زبان بول سکتا ہے۔ وہ فن لینڈ میں پیدا ہوا' سترہ سال کی عمر تک وہاں رہا پھر اوسلو آ گیا۔ اس کے بعد برطانیہ میں رہا' پھر پاکستان آیا۔ اس کی ایک اقامت گاہ برطانیہ میں بھی ہے۔ وہ نارویجن بول سکتا ہے' نہ بولنا چاہے تو اور بات ہے۔ دوسرے باکسنگ اور دنگے فساد کا وہ کبھی ماہر نہیں رہا۔"

"تب یعقوب نہیں ہو سکتا۔ اسپائرلن میں مار پیٹ ہوئی ہے۔"

"وہ اس کی گھڑی ہوئی کہانی ہے۔" قیصر جھنجھلا گیا۔

"اگر وہ یعقوب نہیں ہے تو فنگر پرنٹ ٹیسٹ کبھی نہیں دے گا۔"

"دے گا کیسے نہیں۔" قیصر آگ بگولہ ہو گیا "وہ احساس برتری کا شکار ہے۔ ضروری نہ ہوتا تو میں اس کے ساتھ ایک منٹ کام کرنا پسند نہ کرتا۔ بہرحال اسے حکم ماننا پڑے گا۔"

"آئیں میرے ساتھ۔"

قیصر' فرید کے ساتھ اس کے کمرے میں چلا آیا۔ وہاں پاکستانی ٹیلی فون ڈائریکٹری موجود تھی۔ وہ اس کی ورق گردانی کرتا رہا "وہ غلط نہیں کہہ رہا ہے۔" پھر اس نے قیصر کو اس کا پتا پڑھ کر سنایا۔

ایک لمحے کو قیصر کے چہرے پر تناؤ نظر آیا۔ پھر وہ بولا "ممکن ہے یہ اس کا کوئی شناسا ہو۔ آخر اسے کوئی نہ کوئی نام تو بتانا ہی تھا۔"

"ممکن تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے وہ سچ بول رہا ہو۔"

قیصر نے میز پر ہاتھ پر مارتے ہوئے کہا "نہیں یہ ممکن نہیں۔" پھر وہ چونکا "ہاں...... شیلا یزدانی تو اس کے قریب رہی ہے۔ اس نے کوئی رپورٹ نہیں دی؟"

"دی تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ کل وہ ملا تھا۔ پرسوں اس نے ڈنر کا وعدہ کیا تھا لیکن نہیں

پہنچا۔شیلا انتظار کرتی رہی کل ڈاکٹر نے عذر پیش کیا کہ وہ بیمار تھا اور دیر تک سوتا رہا' ہوٹل کے ڈیسک کلرک نے اس کی تصدیق کی ہے۔''

''شیلا نے اس میں کوئی تبدیلی محسوس کی؟'' معمولی یا غیر معمولی۔''

''ہاں۔اس نے تمباکو نوشی چھوڑ دی ہے اور اسے نزلے زکام کی شکایت بھی تھی۔''

''لیکن اس نے شیلا کو پہچان لیا؟''

''ہاں' اچھی خاصی گفتگو بھی کی۔''

''وہ کسی بھی موضوع پر گھنٹوں بول سکتا ہے۔نہیں فرید' وہ یعقوب ہی ہے۔وہ اچھا اداکار ہے یا تو وہ اس آپریشن سے دستبردار ہونا چاہتا ہے یا پھر ہم سے اپنی برتری تسلیم کرانا چاہتا ہے۔''

''تو اب اس صورت میں آپریشن کا کیا ہوگا؟'' فرید نے پوچھا۔

''اس کے راہ راست پر آنے تک اسے ملتوی سمجھو۔'' قیصر کے لہجے میں قطعیت تھی

''اس کی شمولیت کے بغیر آپریشن ناممکن نہیں تو بہت زیادہ دشوار بہر حال ہے۔میں لندن تار دے دوں گا۔اور تم میرے ساتھ آؤ' میں کسی گواہ کی موجودگی میں اس سے بات کروں گا۔میں نہیں چاہتا کہ لندن اور اسلام آباد میں مذاق کا نشانہ بنوں۔''

وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔یعقوب اسی کرسی پر بیٹھا تھا۔اس کے سامنے احمد بیٹھا تھا۔لیکن وہ دونوں ایک دوسرے سے بے تعلق نظر آرہے تھے۔

قیصر نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا'' ڈاکٹر یعقوب! میں معذرت خواہ.....''

''میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میرا نام ذیشان انور ہے۔'' اس کا لہجہ سرد تھا۔

قیصر نے نرم لہجے میں کہا'' اگر آپ کو واقعی وہ واقعات پیش آئے ہیں تو آپ کو ڈاکٹر سے ملنا چاہیے۔''

''ہاں۔اب تو میرے زخم کی تکلیف بھی بڑھ گئی ہے۔''

''زخم' کون سا زخم؟''

ذیشان نے سوئیٹر اٹھا کر زخم دکھایا'' یہ میں بال بال بچا ہوں۔''

فرید اور قیصر بیک وقت جھک گئے۔بائیں جانب پسلی کے قریب خاصا گہرا زخم تھا۔کم از کم سولہ ٹانکے آتے۔

دونوں کے سر بھی ایک ساتھ اٹھے دونوں کی نگاہوں میں حیرت اور خوف کا تاثر تھا۔

اس کی سنائی کہانی اب دیومالائی نہیں لگ رہی تھی۔

☆☆☆☆

قیصر' فرید کے کمرے میں مضطربانہ ٹہل رہا تھا'' مجھے یقین ہی نہیں آرہا' کیسی ان ہونی بات ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔پھر وہ فرید کی طرف مڑا'' فرض کرو تم حسب معمول اوسلو میں اپنے کمرے میں سوتے ہو مگر اگلی صبح تمہاری آنکھ نیویارک کے کسی ہوٹل میں کھلتی ہے اور تمہارا چہرہ تمہارے لیے اجنبی ہے۔کیا ردعمل ہوگا تمہارا؟''

''میں فوراً ہی پاگل ہو جاؤں گا۔'' فرید نے بڑی سادگی سے کہا۔

''لیکن ذیشان پاگل نہیں ہوا'' قیصر نے پرخیال لہجے میں کہا۔'' اس نے ہر مرحلے پر بڑے سکون کا مظاہرہ کیا۔اس کے اعصاب قابل تعریف ہیں۔''

''بشرطیکہ وہ ذیشان ہو۔'' فرید نے تبصرہ کیا'' ممکن ہے وہ یعقوب ہی ہو۔''

قیصر غصے سے پھٹ پڑا'' خدا کے لیے فرید! اب جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ ذیشان ہے تو تم یہ شوشہ چھوڑ رہے ہو۔'' وہ کرسی پر ڈھے گیا۔

''چلو اچھا ہوا۔آپریشن سے جان چھوٹی میری۔'' فرید نے سرد لہجے میں کہا۔

''یہ تو ہے۔لیکن اگر یہ شخص ذیشان ہے تو ہزاروں ایسے سوالات سر اٹھاتے ہیں جن کے جواب ڈھونڈنا بے حد ضروری ہے' سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ اب ہم اس کا کیا کریں؟''

''یہ سفارت خانہ ہے' ہم اسے زیادہ دیر یہاں نہیں رکھ سکتے۔''

''ہاں۔اسے یہاں تین گھنٹے تو ہو گئے۔اور وہ یہاں ٹریفک کی سنگین خلاف ورزی میں ملوث ہے۔کیا خیال ہے' ہوٹل بھیج دیں اسے۔''

''یہ تو ویسے بھی ضروری ہے۔'' فرید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یاد نہیں' شیلا سے اس کی ملاقات طے ہے۔''

''تو اسے شیلا کی حقیقت کا علم نہیں؟''

''نہیں۔''

''شیلا سے کہو اس کے قریب رہے اور اسے ہوٹل سے دور نہ جانے دے۔اور ہاں' شیلا کی حقیقت ابھی اس پر کھلنی نہیں چاہیے۔'' قیصر نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھایا'' اور فوراً کسی ڈاکٹر کو طلب کرو' اس کے علاوہ نیورولوجسٹ' نفسیات داں اور پلاسٹک سرجری کے کسی ماہر کا بندوبست بھی کرو۔ہم زیادہ انتظار نہیں کر سکتے۔میں چاہتا ہوں جو کچھ ہے وہ سامنے آجائے۔''

"ٹھیک ہے۔ہم فی الحال اسی مفروضے پر کام کریں گے کہ یہ شخص ذیشان انور ہے' جسے یعقوب سعید کا چہرہ بنایا گیا ہے۔ہم جانتے ہیں کہ کل صبح اسے یعقوب کی جگہ دی گئی۔سوال یہ ہے کہ اسے ہوٹل کس طرح پہنچایا گیا ہوگا؟"

"اسٹریچر پر ڈال کر' بے ہوشی کی حالت میں۔" قیصر نے کہا" یہ جس کا بھی کام ہے' پہلے اس نے اسی فلور پر' جہاں یعقوب کا کمرا ہے ایک مریض کے لیے کمرا بک کرایا ہوگا۔اسٹریچر وغیرہ کبھی لابی کے راستے لائے' لے جائے نہیں جاتے۔اس لیے کسی کو پتا نہیں چلا ہوگا۔اوپر انہوں نے یعقوب کو بے ہوش کر کے نقلی یعقوب کو اس کی جگہ دے دی ہوگی اور یعقوب کو باہر نکال لائے ہوں گے۔"

"تو یہ تو کئی آدمیوں کا کام ہوگا۔" فرید نے پر خیال لہجے میں کہا۔" میں ہوٹل کے رجسٹر سے کل ہوٹل میں کمرا بک کرانے والوں کی لسٹ بنالیتا ہوں۔"

"نہیں۔کم از کم ایک ہفتے تک کی لسٹ بناؤ۔" قیصر بولا" یہ کام جس کا بھی ہے اس نے ڈاکٹر یعقوب پر مسلسل نظر رکھی ہوگی۔"

"کام لمبا ہو جائے گا۔فرید کا منہ بن گیا۔

"ہو جانے دو۔اور یہ کام راز داری سے ہونا چاہئے۔" قیصر نے کہا۔" اسلام آباد سے ذیشان انور کے متعلق معلومات بھی حاصل کرنا ہوں گی۔آخر کار یہ بجلی ذیشان انور پر ہی کیوں گری۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی ڈاکٹر یعقوب کے لیے متبادل یہاں اوسلو میں بھی تلاش کیا جا سکتا تھا' اسلام آباد سے ایک آدمی کو لانے کی زحمت کیوں کی گئی۔پھر یہ بھی ہے کہ ذیشان غیر معمولی آدمی ثابت ہو رہا ہے۔وہ اس صورت حال میں بھی پر سکون ہے' اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو پاگل ہو جاتا۔اس نے نہ صرف اتنا بڑا جھٹکا برداشت کیا بلکہ شیلا یزدانی کو چکر دینے میں کامیاب ہوا اور ڈاکٹر یعقوب کے گھر فون بھی کر لیا۔اب سوچو' اس نے ڈاکٹر کے گھر ہی کیوں فون کیا' اسے اپنے گھر فون کرنے کا خیال کیوں نہیں آیا؟"

"اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یعقوب ہی ہے۔ممکن ہے وہ کسی وہم میں مبتلا ہو گیا ہو۔یا یادداشت کھو گئی ہو اس کی۔"

"نہیں۔مجھے یقین ہے کہ وہ ذیشان ہے۔" قیصر نے سر ہلاتے ہوئے کہا" اور اگر وہ

ڈاکٹر یعقوب ہے تو اس کا فیصلہ ڈاکٹرز ہی کریں گے۔تم فوراً لندن سے اپنے ڈاکٹروں کو بلواؤ۔"

☆☆☆☆

ذیشان کافی پی رہا تھا۔پھر اس نے شیلا کو مسکرا کر دیکھا' اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی۔دراصل اسے اچانک ہی خیال آیا تھا کہ کہیں یہ عورت ڈاکٹر یعقوب کی محبوبہ تو نہیں۔اس خیال نے اسے پریشان بھی کر دیا۔اب وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

اسے سفارت خانے کی کار میں ہوٹل پہنچایا گیا تھا۔فرید نے اسے بہت محتاط رہنے کی ہدایت کی تھی۔اس نے کہا تھا کہ تم اس وقت خطرات میں گھرے ہوئے ہو۔جلد ہی ہم معلوم کر لیں گے کہ تمہارے ساتھ کیا گزری ہے۔مگر اس وقت تک تمہیں ہوٹل تک محدود رہنا ہوگا۔فرید نے اس کے پسلیوں والے زخم کی ڈریسنگ بھی کر دی تھی۔

"یہ تو ٹھیک ہے۔لیکن میں کسی ڈاکٹر کو دکھانا چاہتا ہوں"

"کل تک انتظار کر لو' ڈاکٹر کا بندوبست ہو جائے گا"

"مگر مجھے ایک عورت سے رات کے کھانے پر ملنا ہے' اس کا کیا کروں؟"

"تم اس سے نارمل انداز میں ملنا" فرید نے مشورہ دیا۔

"کمال کرتے ہیں آپ! مجھے اس کا نام تک معلوم نہیں' میں اس سے نارمل انداز میں کیسے مل سکتا ہوں!"

فرید نے اس کے کندھے تھپتھپائے" گھبراؤ مت سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"چلو میں تم لوگوں کی بات مان کر ڈاکٹر یعقوب بنا رہتا ہوں۔مگر مجھے اس کے متعلق کچھ بتاؤ تو۔"

"یہ کام بھی کل ہی ہوگا۔" فرید کی نگاہوں میں اس کے لیے ہمدردی تھی۔" اس طرف سے مطمئن رہو۔ہم تم سے کوئی غلط کام نہیں لے رہے ہیں۔اب تم ہوٹل جاؤ اور جب تک میں فون نہ کروں' ہوٹل سے نہ نکلنا۔ہاں' رات کا کھانا تم اس عورت کے ساتھ کھا سکتے ہو۔"

"تمہارا تعلق انٹیلی جنس سے تو نہیں؟ یہ کوئی جاسوسی کا چکر تو نہیں؟" ذیشان نے آخری کوشش کی تھی۔

"بس اب کل پوچھنا۔"

اور ذیشان کو ہوٹل پہنچنے میں دس منٹ ہی ہوئے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی وہ ریسیور اٹھانے سے گریز کرتا رہا مگر مسلسل گھنٹیوں کے بعد اٹھانا ہی پڑا۔

''ہیلو' میں شیلا بول رہی ہوں۔''

''کون؟''

''ارے شیلا یزدانی اور کون۔ یاد ہے' آج ہم ساتھ ڈنر کریں گے۔ طبیعت کیسی ہے تمہاری؟''

''اب بہتر ہے۔'' اس کا نام معلوم ہو جانے پر وہ پراعتماد ہو گیا۔

''شکر ہے'' وہ بولی۔ ''ڈنر کا پروگرام تو ملتوی نہیں ہوا؟''

''نہیں۔ کیوں پوچھ رہی ہو؟''

تمہاری طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے۔ میرا خیال ہے' کھانا ہوٹل میں ہی کھالیں۔ تمہیں سردی بھی تو بہت لگ رہی ہے آج کل۔''

ذیشان نے گہری سانس لی۔ اس نے خود ہی مشکل آسان کر دی تھی۔ اس کا اعتماد اور بڑھنے لگا۔ ''ہاں۔ یہ بہتر رہے گا۔''

''بس تو ساڑھے سات بجے بار میں ملنا۔''

''ٹھیک ہے۔''

رابطہ منقطع ہونے پر اس نے آہستگی سے ریسیور رکھ دیا۔ فرید کی بات درست ثابت ہوئی تھی۔ اسے زیادہ دشواری کا سامنا کرنا نہیں پڑ رہا تھا۔ بلکہ لڑکی نے خود سہولت پیدا کر دی۔ اس نے خود ہی اپنا نام بتایا اور خود ہی ہوٹل میں ڈنر کرنے کی تجویز پیش کر دی۔

وہ آرام سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اچانک درد کی ایک لہر اٹھی اور اس کی سانس رک سی گئی۔ تھوڑی دیر میں درد تھم گیا۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ ساڑھے پانچ بجے تھے۔ اس کے پاس دو گھنٹے تھے۔

وہ سوچنے لگا کہ اب تک کیا ہوا ہے۔ وہ کسی ڈاکٹر یعقوب کے بھیس میں کسی چکر میں پھنس گیا تھا۔ چکر کا مرکز پاکستانی سفارت خانہ تھا۔ قیصر نے اسپائرلن میں اس کی کارکردگی کو سراہا تھا۔ اس نے اپنی بے یقینی بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور جب ذیشان نے بتایا تھا کہ اسپائرلن وہ اس لیے گیا تھا کہ شاید وہاں اسے اپنے متعلق کچھ معلوم ہو سکے گا تو قیصر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری تھی۔

انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ قیصر' فرید کا باس ہے۔ مگر وہ ان دونوں کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ محض اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ سفارت خانے کے کسی خاص شعبے سے تعلق رکھتے ہیں۔

قیصر نے اسے آئندہ اسپائرلن جانے سے منع کر دیا تھا۔ اس نے تسلیم کر لیا تھا کہ اسپائرلن میں جو کچھ ہوا' اس میں اس کا ردعمل درست تھا۔

ذیشان' ڈاکٹر یعقوب کے بارے میں سوچنے لگا۔ ایک ایسا شخص جو ڈاکٹر اور پروفیسر کہلاتا ہے۔ پاسپورٹ پر اس کے نام کے آگے سرکاری ملازم لکھا ہے۔ اور اس کے روپ میں ذیشان کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی! اب وہ سوچ رہا تھا' آخر اس کی اہمیت کیا ہے..... اور کتنی ہے؟

اس کے سر میں درد ہونے لگا۔ جہنم میں جائے یہ سب' اس نے سوچا۔ میرے لیے تو اسلام آباد ہی میں عافیت ہے۔ اپنے لوگوں میں...... اپنے گھر میں......'

اس کے آگے اس کا ذہن خالی تھا۔ تصور پر بھی جیسے پردہ پڑ گیا تھا۔ ''خدایا! میری مدد فرما' وہ چیخا۔ اسے اپنے بارے میں' اپنے کام کے' دوستوں کے بارے میں کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ اس کا نام ذیشان انور ہے اور وہ اسلام آباد میں رہتا ہے۔ یہ انکشاف کہ اپنے بارے میں اس سے زیادہ اسے کچھ معلوم نہیں' پاگل کر دینے کی حد تک پریشان کن تھا۔ اس کے حلق میں کڑواہٹ سی گھل گئی۔ وہ اٹھ کر باتھ روم میں گیا۔ کمزوری سے اس کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔ ذہن میں ایک ہی جملہ گردش کر رہا تھا۔ ''میں ذیشان انور ہوں'' اس کے آگے مہیب تاریکی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

وہ واپس آ کر بیڈ پر لیٹ گیا' چھت پر نظریں جمائے۔ ''یاد کرو' اس نے خود کو حکم دیا۔ ''یاد کرو گے تو یاد آئے گا۔''

لیکن اسے کچھ یاد نہیں آیا۔

''اپنی ٹانگ کے زخم کے بارے میں سوچو۔''

تصویر میں اسے ایک بچہ بائیسکل پر بیٹھا نظر آیا۔ اسے اپنی ماں یاد آئی۔ شاباش! اس نے فاتحانہ انداز میں خود کو بڑھاوا دیا۔ پھر اسے اپنی بیوی ثمینہ یاد آئی۔ مجھے اس سے بہت محبت تھی۔

لیکن وہ مر چکی ہے۔ کتنا عرصہ ہوا اسے مجھ سے بچھڑے ہوئے؟ تین سال! پھر اسے یاد آیا کہ ثمینہ کی موت کے بعد بس وہ تھا اور بلانوشی۔ بلانوشی' جو سب کچھ کھا گئی۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنی یادوں کو ترتیب دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں ابھر آئی تھیں۔ اس نے مٹھیاں سختی سے بھینچی ہوئی تھیں۔ ناخن ہتھیلیوں میں گھسے جا رہے تھے۔

چند اور منظر اس کی نگاہوں کے سامنے لہرائے...... خاموش فلم جیسے۔ وہ ۱۷ جون کو

لاہور سے واپس آیا تھا۔ مگر وہ وہاں کیوں گیا تھا؟ ذہن نے جواب دیا۔ کام کے سلسلے میں۔ کیسا کام؟ اس بار کوئی جواب نہیں تھا۔ مناظر خود بخود اس کی نگاہوں کے سامنے بدل رہے تھے۔

۱۸ جون کو اس نے گولف کھیلا تھا۔ کس کے ساتھ؟ ہوگا کوئی۔ پھر اس نے فلم دیکھی... تنہا! رات کا کھانا ہوٹل میں کھایا۔ تنہا! وہ سب دھندلائی سی یادیں تھیں۔ گولف کہاں کھیلا؟ کوئی جواب نہیں کون سی فلم، کس سینما میں دیکھی؟ کوئی جواب نہیں۔ کھانا کس ہوٹل میں کھایا؟ کوئی جواب نہیں۔

اچانک اس کے ذہن میں ہلچل سی مچی۔ ایک بے حد طاقت ور..... خیال ابھرا۔ وہ حلق کے بل چلایا۔ ''لیکن میں نے تو کبھی گولف نہیں کھیلا۔''

اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں جیسے کسی نے سوئچ دبا کر لائٹ آف کر دی۔ وہ گہری نیند کی پناہوں میں چلا گیا۔

☆☆☆☆

وہ سوا آٹھ بجے بار میں پہنچا تو شیلا یزدانی بیٹھی نظر آئی۔ حالانکہ اس کا خیال تھا کہ وہ ناراض ہو کر چلی گئی ہوگی۔

وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ ''سوری۔ آئی ایم لیٹ۔''

وہ مسکرائی، پھر نرم لہجے میں بولی۔ ''میں تو سمجھی تھی، شاید آج پھر مجھے ناکام جانا پڑے گا۔''

وہ بیٹھ گیا۔ ''دراصل مجھے نیند آ گئی تھی۔''

''تمہارا رنگ زرد ہو رہا ہے۔ طبیعت ٹھیک ہے؟''

''ٹھیک ہے۔'' ذیشان بڑبڑایا۔ سونے سے پہلے کی مٹی مٹی یادیں اسے بے چین کر رہی تھیں۔ اچانک اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ اس خوفناک یاد سے اس پر لرزہ چڑھنے لگا۔

''کیا بات ہے؟ سردی لگ رہی ہے؟'' شیلا نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''نہیں، کچھ نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔'' ذیشان نے ویٹر کو اشارہ کیا۔

''ڈرنک کو چھوڑو، کھانا کھالو۔ آج دن میں کچھ کھایا تھا؟ شیلا نے پوچھا۔

''بس..... تھوڑا سا۔''

''تم مرد لوگ بہت بے پروا ہوتے ہو۔ بس کھانا منگواؤ۔''

آڈر دینے کے بعد ذیشان نے شیلا سے پوچھا۔ ''تمہیں ملے ہوئے کتنا عرصہ ہوا

ہے؟'' اس کا انداز عام سا تھا۔

وہ مسکرائی۔ ''دن گن رہے ہو۔ صرف تین ہفتے ہوئے ہیں۔''

ذیشان نے سوچا، گویا یہ تعلقات اوسلو ہی میں قائم ہوئے ہیں۔ ''اور مجھے یہ برسوں کی شناسائی لگتی ہے۔'' اس نے بات بنائی۔

''بس چل پڑا تمہارا سائنسی دماغ۔'' وہ اٹھلائی۔

ایک اور امکان سامنے آیا۔ ڈاکٹر یعقوب سعید سائنس داں بھی ہو سکتا تھا۔

شیلا کی نظریں دروازے کی طرف تھیں۔ اچانک اس کے چہرے پر ناگواری نظر آئی۔ ''لو..... وہ جیک کڈر اور اس کی بیوی آ رہے ہیں۔'' اس نے ذیشان کی توجہ دروازے کی طرف دلائی

ذیشان نے پلٹ کر دیکھنے میں دانستہ چند لمحوں کی تاخیر کی۔ پھر مڑ کر پوچھا۔ ''کہاں ہے جیک کڈر؟''

''وہ آ رہے ہیں نا۔ تم ادھر مت دیکھو۔ ورنہ وہ آ کر کمبل ہو جائے گا۔''

ذیشان نے طویل القامت اور قوی الجثہ جیک کڈر کو غور سے دیکھا۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ باڈی گارڈز کے سے انداز میں چل رہا تھا۔ یہ نام بھی شیلا نے خود ہی بتا کر اسے الجھن سے بچالیا تھا۔ اور اب وہ اپنی الجھن کا تذکرہ کر رہی تھی۔ ذیشان نے جلدی سے منہ پھیر لیا۔ وہ خود کو کسی الجھن میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

''میں خود بھی کسی الجھن میں نہیں پڑنا چاہتا۔'' اس نے کہا ''طبیعت ویسے ہی ٹھیک نہیں ہے۔''

شیلا ہنس دی۔ ''تم فکر مت کرو۔ میں کسی ترکیب سے اسے یہاں آنے سے روک دوں گی۔ اور اگر اس نے اپنا مخصوص نعرہ لگایا تو میں چیخ پڑوں گی.....''

''کون سا نعرہ؟''

''ارے وہی۔ کڈر بائی نیم اینڈ کڈر بائی نیچر۔ ہزاروں بار سنا ہے تم نے۔ اور یہ نعرہ اس وقت لگاتا ہے، جب کوئی خطرناک مذاق کرنے والا ہو۔''

اب ذیشان کو بھی کچھ نہ کچھ کہنا تھا۔'' کچھ بھی ہو، جیک محفلوں کی رونق بڑھا دیتا ہے۔''

''یہاں میں تم سے اختلاف کروں گی۔'' شیلا بولی۔ ''لوسی بے چاری نجانے کیسے گزارا کرتی ہے اس بکو آدمی کے ساتھ۔''

ایک اور آسانی! جیک کڈر کی بیوی کا نام لوسی تھا۔شیلا شاید پراز معلومات گفتگو کرنے کی عادی تھی‘اسی لیے آسانیاں پیدا کرتی جارہی تھی۔

ذیشان نے ہنستے ہوئے کہا۔''تمہاری تو اس سے لگتی ہے‘‘

''چلو.....اب نکلو یہاں سے۔‘‘

وہ بل ادا کر چکے تھے۔اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھے۔مگر جیک کڈر انہیں دیکھ چکا تھا۔''ارے لوسی......یہ دیکھو‘شیلا اور یاکب۔‘‘اس نے نعرہ لگایا۔

''ہیلو جیک!‘‘ذیشان نے کہا۔تفریح ہو رہی ہے؟‘‘

''ہم یہیں آسٹڈ آرٹ سینٹر سے آرہے ہیں۔‘‘لوسی نے بتایا۔

''واہ۔ماڈرن آرٹ بھی کیا زبردست......‘‘

شیلا نے اس کی بات کاٹ دی۔''یعقوب کی طبیعت ٹھیک نہیں۔اسے آرام کی ضرورت ہے۔‘‘یہ گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔

''آج کل فلو کا چکر چل رہا ہے۔احتیاط کرو‘‘لوسی نے مشورہ دیا۔

''اسی لیے آج میں جلدی سو جانا چاہتا ہوں‘‘ذیشان نے کہا۔

اچانک ایک ویٹر شیلا کے پاس کی طرف آیا''میڈم.....آپ کی کال ہے۔‘‘

''شکریہ‘‘شیلا نے ویٹر سے کہا اور ذیشان کو معذرت طلب نگاہوں سے دیکھا''مائنڈ نہ کرنا۔میں ابھی آئی‘‘

ذیشان نے سر ہلا دیا۔

شیلا اپنا ہینڈ بیگ میز پر چھوڑ گئی تھی۔ذیشان نے چند لمحے اسے بڑے غور سے دیکھا۔اس کی پیشانی پر نمایاں لکیریں اندرونی کشمکش کی غماز تھیں۔آخر کار تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے بیگ اٹھالیا۔بیگ خاصا وزنی تھا۔اس نے بیگ میز کے نیچے گھٹنوں پر رکھا اور زپ کھولی......

شیلا واپس آئی تو ہینڈ بیگ کرسی پر رکھا تھا۔اس نے بیگ سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا''تم تمباکو نوشی چھوڑنے کے فیصلے پر ابھی تک ڈٹے ہوئے ہو پروفیسر؟‘‘اس نے ذیشان سے پوچھا۔

ذیشان نے اثبات میں سر ہلایا''اس کے نقصانات سے تو میں کبھی انکار نہیں کرسکتا۔‘‘

وہ دونوں ریسٹورنٹ سے نکل آئے۔لابی سے شیلا رخصت ہوگئی اور ذیشان اپنے کمرے میں آگیا۔وہ دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ شیلا اس کے کمرے میں نہیں آئی۔وہ

مزید اور کڑی آزمائشوں میں سے بچنا چاہتا تھا۔فی الوقت سب سے اہم کام سوچنا تھا۔

شیلا یزدانی کے بیگ میں ریوالور کا کیا کام!

☆☆☆☆

اگلا دن بے زار کن ثابت ہوا۔وہ پورا دن اپنے کمرے میں فرید کی کال کا انتظار کرتا رہا۔ناشتے کے ساتھ اس نے اخبار منگوا لیا تھا۔لیکن دنیا میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔وہی پرانی خبریں تھیں۔انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر انسان کا گلا کاٹ رہا تھا۔

دوپہر کو خادمہ کمرا صاف کرنے آئی تو وہ کمرے سے نکلا اور لابی میں آیا۔اس کی نظر جیک کڈر پر پڑی‘جو کسی بات پر پورٹر سے الجھ رہا تھا۔

ذیشان نے جلدی سے منہ پھیرا اور نارویجن زیورات کے شوکیس کی طرف متوجہ ہو گیا۔جیک کڈر کی تیز آواز اس تک پہنچ رہی تھی‘وہ سیاحتی بس کے کسی سلسلے میں پورٹر سے بحث کر رہا تھا۔

آخر کار آوازیں معدوم ہوگئیں۔شاید جیک کڈر باہر چلا گیا تھا۔

ذیشان کو ہوٹل میں متصل ایک بک اسٹال نظر آیا۔اس نے وہاں سے چند میگزین اور دو ناول خریدے اور اپنے کمرے میں آگیا۔

وقت گزاری کے لیے وہ مطالعہ کرتا رہا۔پھر بور ہو کر اس نے رسالے ایک طرف پٹخ دیے۔وہ اپنے بارے میں سوچنا چاہتا تھا۔اس نے ایک بار پھر اپنی یادوں کو مجتمع کرنے کی کوشش کی لیکن ذرا ہی دیر میں اس کا سر دکھنے لگا۔اس نے ایک ناول اٹھالیا۔اس کا سر اب بھی دکھ رہا تھا۔

رات کے دس بج گئے اور فون نہیں آیا۔اس نے خود سفارت خانے فون کر کے فرید کے بارے میں معلوم کرنے کا سوچا لیکن کوئی چیز اسے روکتی رہی۔مایوس ہو کر وہ لیٹ گیا۔

وہ گہری نیند میں تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔وہ چونک کر اٹھا۔دستک مسلسل ہوتی رہی۔اس نے لائٹ آن کی اور سلیپر گھسیٹتا دروازے تک پہنچا۔

فرید نے اندر آتے ہی دروازہ بند کر دیا''جلدی سے تیار ہو جاؤ۔تمہیں ڈاکٹر کے پاس چلنا ہے۔‘‘

''یہ کون سا وقت؟‘‘ذیشان کا منہ بن گیا۔

''وقت کی کوئی قید نہیں۔‘‘فرید نے بے حد سکون سے کہا۔

ذیشان نے کپڑے اٹھاتے ہوئے کہا''ایک دلچسپ چیز ہے تمہارے لیے۔شیلا

یزدانی کے بیگ میں......''

''کون شیلا یزدانی؟'' فرید نے کان کھجاتے ہوئے پوچھا۔

''وہی عورت' جس سے مجھے ملنا تھا۔ وہ اپنے بیگ میں ریوالور رکھتی ہے۔''

فرید سناٹے میں آ گیا' ''واقعی؟ تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''میں نے موقع پا کر اس کے بیگ کی تلاشی لی تھی۔''

''بہت خوب! تمہاری اس کارکردگی کے متعلق سن کر قیصر صاحب بھی خوش ہو جائیں گے۔ بس اب چل دو''

ذیشان نے کپڑے بدلے۔ وہ دونوں ہوٹل سے نکل آئے۔ باہر فرید کی گاڑی موجود تھی۔

فرید نے گاڑی داہنی سمت موڑی۔ ذیشان جانتا تھا کہ وہ غلط موڑ ہے ''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''زیادہ دور نہیں۔ تم مطمئن رہو' پانچ منٹ میں پہنچ جائیں گے۔''

دو منٹ بعد راستے ذیشان کی سمجھ سے باہر ہو گئے۔ گاڑی اجنبی اور سنسان سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ فرید یا تعاقب سے بچنے کے لیے ایسا کر رہا تھا۔ یا پھر اسے کنفیوز کرنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک بلڈنگ کے احاطے میں داخل ہوئی۔ وہ جدید طرز کا اپارٹمنٹ ہاؤس تھا۔ فرید نے گاڑی پارک کی اور اسے لے کر لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

ان کی منزل پندرھویں منزل کا ایک اپارٹمنٹ تھا۔ فرید نے جیب سے چابی نکال کر دروازہ کھولا اور ذیشان کو اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

اندر ایک ہال تھا' جس میں کئی کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ فرید نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔

''یہ ہیں مسٹر لغاری۔ یہ تمہارا علاج کریں گے'' فرید نے کہا۔ لغاری ادھیڑ عمر اور مائل بہ فربہی تھا۔ قد متوسط تھا اور چہرہ متورم نظر آ رہا تھا۔ اس نے خوش دلی سے کہا ''مجھے اپنا زخم دکھاؤ۔''

ذیشان نے عقب میں دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ فرید جا چکا تھا۔ وہ لغاری کی طرف بڑھا ''مجھے ڈریسنگ کی نہیں' ڈاکٹر کی ضرورت ہے'' اس نے کہا۔

''میں ڈاکٹر بھی ہوں۔ سرجن بھی ہوں'' لغاری نے کہا ''کوٹ اتار دیجیے۔ مجھے

آپ کا زخم دیکھنا ہے۔''

ذیشان نے جھجکتے ہوئے کوٹ کے بٹن کھولے۔

''آپ یہاں لیٹ جائیں'' ڈاکٹر نے کاؤچ کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اس نے سیاہ رنگ کا بیگ کھولا۔ بیگ سے تو وہ ڈاکٹر ہی معلوم ہوتا تھا مگر ذیشان ان چند دنوں میں ہر چیز پر شک کرنے کا عادی ہو گیا تھا۔ جسے خود پر یقین نہ رہے' وہ کسی اور پر کیا یقین کرے گا۔ بہر حال وہ کاؤچ پر لیٹ گیا۔ ڈاکٹر نے بیگ سے دو چھوٹی سیزرز' ٹارچ اور کچھ دوسری چیزیں نکالیں۔

کچھ دیر اس نے زخم کا معائنہ کیا ''زخم کافی بگڑ گیا ہے'' اس نے صفائی کرتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے ایک سرنج میں ایک محلول بھرا۔ ''جب تک اس کا اثر ظاہر ہو' آپ بیٹھ سکتے ہیں'' اس نے انجکشن لگاتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے ٹارچ سے ذیشان کی آنکھیں چیک کیں۔ بائیں آنکھ پر اس کی توجہ کچھ زیادہ ہی رہی۔ اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ ذیشان کے سر کی طرف بڑھا ''آپ کو معلوم ہے' نامکمل معلومات کو کیا کہتے ہیں؟'' اس کی انگلیاں ذیشان کے سر کو ٹٹول رہی تھیں۔

''یہ......تم کس طرح کے ڈاکٹر ہو؟'' ذیشان کے لہجے میں شک تھا۔

''بالوں کی طرف سے کوئی پریشانی۔ خشکی وغیرہ؟'' ڈاکٹر نے ذیشان کی بات سنی ان سنی کر کے پوچھا۔

''نہیں۔''

''ٹھیک ہے'' اس نے ذیشان کے زخم کو چھوا ''درد ہے؟''

''نہیں۔''

ٹھیک ہے۔ اب میں ٹانکے لگا رہا ہوں۔ تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا'' ڈاکٹر نے دستانے پہنے اور پلاسٹک کے ایک بیگ سے بہت نفیس دھاگہ نکالا ''تم چاہو تو منہ پھیر لو۔''

ٹانکے لگنے کا عمل پندرہ منٹوں پر محیط تھا۔ ذیشان کو ڈاکٹر کی انگلیوں کی حرکت کے سوا کچھ محسوس نہیں ہوا۔ آخر کار ڈاکٹر نے کہا ''اٹھ جایئے۔ میں اپنا کام کر چکا ہوں۔''

ذیشان نے بے یقینی سے زخم کو دیکھا۔ زخم کا منہ بند کر کے نہایت صفائی سے ٹانکے لگائے گئے تھے۔

''میں اپنے کام میں ماہر سمجھا جاتا ہوں'' ڈاکٹر نے بے نیازی سے کہا۔ ''جب ٹانکے سوکھ جائیں گے تو یہاں صرف ایک لکیر رہ جائے گی۔ ایک دو سال بعد وہ بھی غائب ہو جائے گی۔''

''تم کون ہو؟'' ذیشان نے پوچھا۔ یہ ڈاکٹروں والا اسٹائل تو نہیں ہے۔''

لغاری نے اپنی چیزیں سمیٹ کر بیگ میں رکھیں' بیگ کی زپ بند کی اور اٹھ کر کھڑا ہوا ''ابھی ایک اور ڈاکٹر کو تمہارا معائنہ کرنا ہے'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکلا۔ باہر نکل کر اس نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

ذیشان اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے ہینڈل گھمایا لیکن دروازہ لاک تھا۔ مجبوراً وہ واپس آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ وہاں اس کاؤچ کے علاوہ' جس پر وہ بیٹھا تھا' ایک میز اور دو کرسیاں تھیں۔ دیوار پر ایک بک کیس آویزاں تھا۔ وہ بک کیس کے قریب جا کر کتابوں کا جائزہ لیا۔

☆☆☆☆

لغاری راہداری سے گزرتا ہوا ایک کمرے کے سامنے رک گیا۔ ہلکا سا دباؤ ڈالنے پر دروازہ کھل گیا۔

قیصر نے پر امید نگاہوں سے لغاری کو دیکھا۔ سائیکاٹرسٹ نیازی ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھا تھا۔ وہاں فرید کے علاوہ ایک اور شخص بھی تھا' جسے لغاری نہیں جانتا تھا۔

قیصر نے اس کی سوالیہ نگاہوں کو محسوس کرتے ہوئے کہا ''یہ احمد ہے۔ میرے سٹاف میں شامل ہے'' وہ اپنے انداز کی بے تابی چھپا نہیں پا رہا تھا۔

لغاری نے بیگ میز پر رکھا اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا ''وہ یعقوب سعید نہیں ہے'' کچھ توقف کے بعد اس نے کہا ''ہرگز نہیں۔''

قیصر نے گہری سانس لی ''تمہیں یقین ہے؟''

''بالکل'' لغاری نے مستحکم لہجے میں کہا۔

''ہوں'' قیصر منمنایا۔ پھر وہ نیازی کی طرف متوجہ ہوا ''اب تمہاری باری ہے۔ زیادہ سے زیادہ معلومات اگلوانے کی کوشش کرو۔''

نیازی سر ہلاتا ہوا کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے جانے کے بعد قیصر نے لغاری سے کہا ''تم تصور کر سکتے ہو کہ یہ چہرہ صرف ایک ہفتے میں تیار کیا گیا ہے۔ اسلام آباد سے ذیشان کے متعلق معلومات موصول ہو گئی ہیں'' اس نے سامنے رکھے کاغذات کا پلندہ ادھر ادھر کیا ''ذیشان کی تصویریں بھی آئی ہیں۔ یہ دیکھو۔ ہے اس میں اور یعقوب میں کوئی مشابہت؟''

لغاری نے تصویروں کو بغور دیکھا ''واقعی...... قد کاٹھ کے سوا کوئی مشابہت نہیں۔''

''یہ کام ایک ہفتے میں ہو سکتا ہے؟'' قیصر نے پوچھا۔

''اس کے پورے جسم پر سوائے آنکھ کے کہیں کوئی ایسا نشان نہیں' جس سے پلاسٹک سرجری کا پتا چلتا ہو۔ بائیں آنکھ کے قریب ایک ہلکا سا کٹ ہے..... ایک ٹانکے کے برابر۔ اس کے اچھا ہونے میں ایک ہفتہ لگا ہو گا۔ اس کے علاوہ کوئی نشان نہیں۔''

''یہ کیسے ممکن ہے!'' قیصر نے بے یقینی سے کہا ''اتنی بڑی تبدیلی اور صرف ایک نشان۔''

''ہاں۔ اور اس کا مقصد بھی بائیں آنکھ کو نسبتاً چھوٹا کرنا ہے۔ تمہارے پاس یعقوب سعید کی کوئی تصویر ہے؟''

قیصر نے کاغذات ٹٹولنے کے بعد ایک تصویر اسکی طرف بڑھا دی۔

''یہ دیکھو'' لغاری نے تصویر اپنی ہتھیلی پر رکھ کر دکھائی ''اس کی ایک آنکھ دوسری کے مقابلے میں قدرے جھکی ہوئی اور چھوٹی ہے۔''

''سوال یہ ہے کہ یہ فرق اور پدم کا وہ نشان بغیر سرجری کے ذیشان کے چہرے پر کیسے آ گیا؟''

''اس فیلڈ میں بڑے بڑے ماہر موجود ہیں۔ کام بڑی ہوشیاری سے کیا گیا ہے۔''

قیصر نے دونوں تصویریں سامنے رکھ لیں ''دونوں تصویروں کو دیکھو۔ ذیشان دبلا پتلا ہے۔ جب کہ یعقوب صحت مند ہے۔ پھر ان کے نقوش بھی نہیں ملتے۔''

''یہ کام سلیکون کے انجکشن کے ذریعے کیا گیا ہے'' لغاری نے کہا۔ اس کے لہجے میں ناپسندیدگی تھی ''میں نے اس کا چہرہ تھپتھپا کر دیکھا۔ وہ بہت پھولا ہوا اور کچھ گرم محسوس ہوا۔ یہ سلیکون کی علامت ہے۔''

''لعنت ہو'' قیصر غرایا۔

''تم کہہ رہے تھے کہ ذیشان کی زندگی کا ایک ہفتہ اندھیرے میں ہے۔''

''ہاں۔ وہ کہتا ہے' اسے اس ایک ہفتے کے بارے میں کچھ یاد نہیں۔ کیوں....... تمہارے لیے اس کی کوئی اہمیت ہے؟

''میں اندازہ لگا سکتا ہوں۔ وہ ایک ہفتہ اس نے مسکن دواؤں کے زیر اثر گزارا ہو گا۔ مجھے اس کے بازو پر ڈریسنگ کے نشانات نظر آئے تھے۔ وہاں سے اسے زندہ رکھنے کے لیے طاقت ور دوائیں دی جاتی ہوں گی'' لغاری نے کہا اور پھر سامنے رکھی ہوئی دونوں تصویروں کی طرف متوجہ ہو گیا ''ان کے سروں کی ساخت ایک جیسی ہے۔ اگرچہ ان کے درمیان کوئی مشابہت نہیں لیکن یعقوب سعید کی کوئی بیس سال پرانی تصویر سامنے ہو تو شاید مشابہت بھی نظر آ جائے گی۔

اور ایک فرق دونوں میں نظر آتا ہے۔ یعقوب کے چہرے پر امارت ہے......''

''تو خبیث ہے، ہی بہت امیر وکبیر'' قیصر نے تپ کے کہا۔

''ہاں۔ یعقوب کے چہرے پر امارت ہے۔ ذیشان کے چہرے پر محرومیاں۔''

''ذیشان کو ۲۴ جون کو ملازمت سے نکال دیا گیا تھا'' قیصر نے کہا ''حد سے زیادہ مے نوشی نے اس کی کارکردگی بلکہ اہلیت تک کو متاثر کیا تھا۔''

لغاری نے ہمدردانہ انداز میں سر ہلایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ''بہرحال' آج تو میرا کام ختم۔ کل میں دیکھوں گا کہ اسے دوبارہ ذیشان بنانے کے لیے کیا کیا جائے۔ بہرحال یہ آسان کام نہیں ہوگا۔ سلیکون کے اثرات دور کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اب بتاؤ میرے لئے کوئی کام تو نہیں؟''

''نہیں مسٹر لغاری۔''

''تو میں چلتا ہوں۔ آج بہت مصروف دن گزرا ہے میں نے۔''

''اپنے کمرے کا معلوم ہے نا؟'' قیصر نے پوچھا۔

لغاری نے اثبات میں سر ہلایا اور کمرے سے نکل گیا۔

قیصر اور فرید چند لمحے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر قیصر بولا ''اب دیکھو۔ نیازی کیا خبر لاتا ہے۔ میرا خیال ہے اسے' دیر ہی لگے گی۔ کافی بنوائی جائے۔ رات بھی خاصی بیت چکی ہے۔''

قیصر کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ نیازی دو گھنٹے بعد واپس آیا۔ وہ بہت پریشان لگ رہا تھا ''میرا خیال ہے' اس وقت اسے تنہا نہیں چھوڑنا چاہئے'' اس نے آتے ہی کہا۔

''احمد فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''اگر وہ باتیں کرنا چاہے تو اسے بولنے دینا'' نیازی نے ہدایت دی ''لیکن کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے وہ الجھ جائے۔''

احمد نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور کمرے سے نکل گیا۔ قیصر نے ڈاکٹر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا' پھر پوچھا ''کافی؟''

نیازی نے اثبات میں سر ہلایا ''ذیشان کی ذہنی حالت بہت ابتر ہے۔'' اس نے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

قیصر نے کافی کا مگ اس کے سامنے رکھ دیا ''تفصیل سے بتاؤ۔''

''بہت زیادہ ڈسٹرب ہے وہ۔''

''اس کا دماغ؟''

''اس کے دماغ پر نہایت بے رحمی سے کام کیا گیا ہے۔ گمشدہ ایک ہفتے کا اسے ایک لمحہ بھی یاد نہیں۔ سوائے اس کے کہ خود ہی اس کے ذہن میں کوئی بات آجائے۔ بہت سی باتیں' جن کا اس کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں' اس کے ذہن میں ٹھونس دی گئی ہیں۔ جو کچھ بھی ہوا ہے' وہ ایک ہفتے کے دوران ہی ہوا ہے۔''

''لغاری کا کہنا ہے کہ وہ پورا ہفتہ اس نے بے ہوشی میں گزارا ہے۔''

''بہت ممکن ہے۔ اسے دواؤں کے زیر اثر رکھا گیا ہوگا۔ اور اس ایک ہفتے میں اس کے ذہن کو الٹ پلٹ دیا گیا ہے.....''

''تمہارا مطلب ہے برین واشنگ؟'' فرید نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ہاں۔ لیکن جس نے بھی یہ کام کیا' یا تو وہ خود منتشر تھا یا پھر عجلت پر مجبور تھا۔ بہترین صورت حال تو یہ ہوتی کہ وہ خود کو یعقوب سعید ہی سمجھتا۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ ایک ہفتے میں اتنا کچھ کیا ہی نہیں جا سکتا۔''

''یعنی یہ بھی ممکن تھا؟'' فرید نے حیرت سے پوچھا۔

''بالکل ہو سکتا تھا۔ لیکن اس کے لیے زیادہ وقت درکار ہوتا۔ وہ ذیشان کی شخصیت کی تبدیلی کو دوسرے مرحلے تک نہیں پہنچا سکے۔ اس سے پہلے ہی انہیں کسی وجہ سے ذیشان کو یعقوب کی حیثیت میں ہوٹل منتقل کرنا پڑ گیا۔ وہ اتنا ہی کر سکتے تھے کہ عمل تنویم کی مدد سے اس کے ماضی کی یادوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیں اور اس کے ذہن میں اپنی ضرورت کے مطابق کچھ فرضی باتیں ٹھونس دیں۔ وہ فرضی باتیں مکمل ہوتیں تو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ لیکن یوں وہ بے چارہ نہ ادھر کا رہا نہ ادھر کا۔ میرا خیال ہے' ذیشان پہلے ہی سے منتشر ذہن کا آدمی رہا ہوگا۔ ایسے لوگ بہت اچھے معمول ہوتے ہیں اور آسانی سے قابو میں آجاتے ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے' وہ پاگل رہا ہوگا؟'' ''اگر تم پاگل ہو تو وہ بھی پاگل رہا ہوگا'' اس نے چڑ کر کہا ''میرا خیال ہے' اسے کوئی ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا ہوگا' جس نے اسے ذہنی طور پر غیر متوازن کر دیا ہوگا۔''

''یقیناً ایسا ہی ہوگا'' قیصر نے کاغذات کا پلندہ اٹھاتے ہوئے کہا ''یہ اس کے حالات زندگی کی رپورٹ ہے۔ مجھے ابھی اسے پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔ تاہم فون پر جو کچھ بتایا گیا ہے' اس کے مطابق وہ مے نوشی میں حد سے گزرنے کی وجہ سے اپنی ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔''

نیازی نے کاغذات اٹھا کر انہیں پڑھنا شروع کر دیا" یہ رپورٹ پہلے مل جاتی تو بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جاتے۔"

" ذیشان ایک فلم میکر تھا۔ ٹی وی پر پروڈیوسر بھی تھا اور محکمۂ اطلاعات کے لیے دستاویزی فلمیں بھی بناتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا ایک بڑی ایڈورٹائزنگ فرم سے بھی تعلق تھا۔ وہ کمرشلز بناتا رہا تھا ان کے لیے۔ پھر اس کی کارکردگی تباہ ہونے لگی۔ بار بار تنبیہ کے باوجود وہ مے نوشی سے باز نہیں آیا چنانچہ ٹی وی والوں نے اسے نکال دیا" قیصر نے بتایا۔

" لیکن ذہنی انتشار کی یہ وجہ نہیں ہو سکتی" نیازی نے کہا" بلانوشی کا بھی تو کوئی سبب ہوگا۔ اور وہی سبب ذہنی انتشار کا بھی ہوگا" اس نے ایک ورق پلٹا" اس میں لکھا ہے کہ اس کی بیوی کا تین سال پہلے انتقال ہوا۔ تمہیں اس سلسلے میں کچھ معلوم ہے؟"

" نہیں۔ لیکن میں معلوم کروا سکتا ہوں" قیصر نے کہا۔

" بہر حال' میرا خیال ہے' اس نے بیوی کی موت کے بعد بلانوشی شروع کی ہوگی۔"

" ممکن ہے۔ لیکن فی الحال اس کی اہمیت نہیں ہے" قیصر نے بے پروائی سے کہا " ہماری دلچسپی کا مرکز کچھ اور ہے۔"

" ہوتا رہے" نیازی کے لہجے میں کاٹ تھی" مگر میں ڈاکٹر ہوں اور وہ میرا مریض ہے۔"

قیصر کچھ محتاط ہو گیا" یہ بات میں سمجھتا ہوں ڈاکٹر" اس نے ہموار لہجے میں کہا" تمہیں معمولی اور غیر معمولی' ہر طرح کی معلومات فراہم کر دی جائیں گی۔ مگر فی الحال ہمارے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے ساتھ یہ سب کیا ہوا' اور کیسے ہوا۔"

نیازی چڑ گیا" تو سن لیں۔ وہ اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ سوائے اس کے کہ وہ ذیشان انور فرام اسلام آباد ہے۔ انکے لیے اسے وہ معلومات فیڈ کرنا ضروری تھا' جن کی بحثیت یعقوب سعید زیادہ اہمیت تھی۔ اور میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ اسے یعقوب سعید بنانے کی کیا وجہ ہے؟"

" مجھے کچھ اندازہ ہے" قیصر نے کہا" آپ بات آگے بڑھائیں ڈاکٹر۔"

" انہوں نے اس کے ذہن میں کچھ غلط معلومات ٹھونسی ہیں۔ مثلاً اپنی یادداشت کی آخری شام اس نے گولف کھیلا۔ جب کہ وہ جانتا ہے کہ اسے گولف کھیلنا نہیں آتا۔ یہ کشمکش کا سامان ہے۔ انہوں نے صرف اس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے ذہن میں چند رکاوٹیں بھی کھڑی کر دی ہیں۔ چنانچہ وہ جب بھی ماضی یاد کرنے کی کوشش کرتا ہے' اس کا واسطہ یادداشت کے سادہ صفحوں سے پڑتا ہے۔ اسے دھند دکھائی دیتی ہے۔ اس کی ذہنی کیفیت بگڑنے لگتی ہے۔ اس کی

بچت صرف اس میں ہے کہ اسے نیند آ جائے۔ یہ ہسٹیریا کی علامت ہے۔ مجھ سے باتوں کے دوران اس پر دو بار نیند کا دورہ پڑا ہے۔ میں نے دونوں بار اسے آدھے گھنٹے تک سونے دیا۔ اٹھنے کے بعد اس کا ذہن صاف ہو جاتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ نیند اسے کیوں اور کیا سوچتے ہوئے آئی۔ یہ تو یہی علامت ہے۔"

" مجھے تو یہ معاملہ ٹیڑھا لگتا ہے۔" قیصر نے آہ بھر کے کہا" آپ کا کہنا ہے کہ وہ منتشر خیالات کا آدمی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت غیر معمولی صورت حال سے دوچار ہونے کے باوجود اس نے نہ صرف خود پر قابو رکھا بلکہ میرے ایک آدمی کی آنکھوں میں اس صفائی سے دھول جھونکی کہ وہ حقیقت سمجھ ہی نہیں سکا۔ وہ یعقوب سعید کے جاننے والوں سے بڑے اطمینان سے ملتا رہا۔"

" عام حالات میں وہ نارمل بلکہ ذہین آدمی ہے" ڈاکٹر نیازی مسکرایا" بس اسے خود اپنے بارے میں سوچنے کے قابل نہیں چھوڑا گیا ہے' ایسا ہوتا ہے۔ بعض لوگ عام حالات میں چھوئی موئی کی طرح ہوتے ہیں۔ لیکن ان پر کوئی مشکل آن پڑے تو ان کی خفیہ و خفتہ صلاحیتیں سامنے آتی ہیں۔ ایسے لوگ دوسروں کی بہ نسبت مشکل حالات سے زیادہ بہتر طور پر نمٹتے ہیں۔"

" اس کی صلاحیتیں کچھ زیادہ ہی ابھر آئی ہیں" فرید بولا" میں نے آپ کو بتایا نہیں شاید کہ اس نے شیلا یزدانی کو بھی شکست دے دی۔"

" کیا مطلب؟" قیصر نے چونک کر پوچھا۔

" اس نے شیلا کے بیگ کی تلاشی لی اور ریوالور دریافت کر لیا۔ مجھے آج ہی بتائی تھی اس نے یہ بات۔"

قیصر کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔ وہ اٹھ کھڑا ہو گیا" بہت بہت شکریہ ڈاکٹر۔"

ڈاکٹر اٹھ کھڑا ہوا" میں اسے کل دوبارہ دیکھوں گا۔ یہ بتاؤ اس کی دیکھ بھال کون کر رہا ہے؟"

" ہم اس کام میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔ بے فکر رہو۔"

" پھر بھی میں تمہیں خبردار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر اس کا مناسب علاج اور دیکھ بھال نہ ہوئی تو وہ پاگل بھی ہو سکتا ہے۔"

اس کے جانے کے بعد قیصر کرسی پر ڈھے گیا۔ اس کی نظریں چھت پر لگی ہوئی تھیں " اس کا مطلب ہے' سب کچھ ختم" وہ بڑبڑایا" نہ یعقوب ملے گا' نہ آپریشن مکمل ہوگا۔"

فرید نے کوئی تبصرہ نہیں کیا' خاصی دیر خاموشی رہی۔ پھر فرید نے پوچھا ''کیا سوچ رہے ہو؟''

''میں سوچ رہا ہوں...... یعقوب نہ سہی' اس کا نعم البدل تو ہے ہمارے پاس۔''

''یعنی تم اس بے چارے کو لٹکانا چاہتے ہو۔ تم نے ڈاکٹر کی بات توجہ سے نہیں سنی' سنی ہوتی تو تمہیں احساس ہوتا کہ جو کچھ تم سوچ رہے ہو' اخلاقی طور پر درست نہیں ہے۔''

''مجھے اخلاقیات پر لیکچر نہ دو'' قیصر نے سخت لہجے میں کہا ''مجھے اپنا کام کرنا ہے فرض نبھانا ہے کہ دیانت کا تقاضہ یہی ہے۔ دوسری طرف ہم اس کے لیے سب کچھ کر تو رہے ہیں۔ لغاری اسے اس کا اصل چہرہ اور نیازی اسے اس کی اصل شخصیت دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن اب میں سوچ رہا ہوں کہ اگر ہم نے نیازی کو موقع دیا تو یہ ذیشان بن کر اسلام آباد چلا جائے گا اور ہمارا آپریشن دھرا رہ جائے گا۔ نہیں فرید...... میں یہ نہیں ہونے دوں گا۔ تم اسے ہوٹل چھوڑ آؤ'' قیصر کے لہجے میں قطعیت تھی۔

''خدا کے لیے قیصر...... سوچو تو کیا کہہ رہے ہو'' فرید نے احتجاج کیا۔

''میں جو کہہ رہا ہوں' اس پر عمل کرو۔ اسے ہوٹل پہنچا آؤ۔ اسکے کمرے کے باہر ایک گارڈ متعین کر دو۔ ایک شخص کو سڑک سے اس کی کھڑکی کی نگرانی پر مامور کرو۔ ہوٹل میں سادہ لباس والے پھیلا دو۔ اس پر حملہ ذیشان کی حیثیت میں ہوا ہو یا یعقوب کی حیثیت میں...... ہمیں اس کی روک تھام کرنا ہوگی۔ بس اب جاؤ۔ یہ میرا حکم ہے۔''

☆☆☆

فرید نے ذیشان کو پارکنگ میں اتار دیا ''اب تم جا کر آرام کرو۔ میں تمہارے ساتھ نہیں چلوں گا۔ بہت ضروری کام ہے مجھے۔ پھر آؤں گا تمہیں لینے'' اس نے ذیشان سے کہا۔

''آج یہ سب کچھ کس لئے ہوا؟''

''قیصر صاحب کل سب کچھ بتا دیں گے'' فرید نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں بھی تھک گیا ہوں'' ذیشان نے فرید سے ہاتھ ملایا اور لابی کی طرف بڑھ گیا۔

لابی میں خاصا ہجوم تھا۔ رات کا آخری پہر تھا مگر زندگی جاگ رہی تھی۔ وہ تیزی سے ڈیسک کی طرف بڑھا۔ ڈیسک پورٹر مصروف تھا۔ آخر کار کچھ دیر بعد وہ ذیشان کی طرف متوجہ ہوا۔

''چابی پلیز'' ذیشان نے کہا۔

پورٹر نے بورڈ سے چابی اتار کر اس کی طرف بڑھا دی۔

قریب ہی کچھ لوگ کھڑے تھے' جو ابھی ابھی ہوٹل میں آئے تھے۔ اس کا سامان بھی اوپر نہیں گیا تھا۔ ان میں ایک لڑکی بھی تھی۔ ذیشان نہیں دیکھ سکا کہ اسے دیکھ کر لڑکی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی ہیں۔ لیکن لڑکی کے پکارنے اسے چونکا دیا۔ ''ڈیڈی!''

ذیشان نے سر اٹھا کر دیکھا۔ خوف سے اس کی سانسیں رکنے لگیں۔ لڑکی نے ڈیڈی کہہ کر اسے ہی مخاطب کیا تھا اور اب متوقع نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

لڑکی آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گئی۔ اس نے ذیشان کے رخسار پر پیار کیا۔ اگرچہ اس کے انداز میں کھنچاؤ تھا۔ اس کی وجہ شاید ذیشان کا ردعمل تھا۔

''مجھے امید تھی کہ آپ اس شہر میں ہوں گے'' لڑکی کہہ رہی تھی ''لیکن میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ آپ کا قیام اسی ہوٹل میں ہوگا۔ لیکن آپ کہاں سے آرہے ہیں اتنا بے وقت؟''

لڑکی کی عمر بیس سال رہی ہوگی۔ اس کی آنکھیں بے حد روشن اور چہرہ دمکتا ہوا تھا۔ وہ بہت حسین تو نہیں تھی لیکن خوب صورت تھی اور اس میں عجیب سی دل موہ لینے والی کشش تھی۔ چہرے پر میک اپ بالکل نہیں تھا۔ وہ مشرق اور مغرب کا خوب صورت امتزاج نظر آرہی تھی۔

ذیشان کے حلق میں کانٹے پڑنے لگے ''میں ایک دوست سے ملنے گیا تھا۔ باتوں میں وقت کا پتا ہی نہیں چلا'' اس نے کہا۔

''چلیں' میرا مسئلہ تو حل ہوگیا۔'' لڑکی بولی ''مجھے کمرا ملنے میں کچھ وقت لگے گا۔ میں آپ کے کمرے میں نہا دھو کر تازہ دم ہو سکتی ہوں۔ آپ کا کمرہ بھی دیکھ لوں گی۔''

ذیشان کا حلق خشک ہوگیا۔ آخر کار اسے کھنکارنا پڑا۔ لڑکی اب بھی اسے دیکھے جا رہی تھی

''تو تم یہیں ٹھہری ہو؟ اسی ہوٹل میں؟'' وہ ہنسی ''میں تو ابھی یہاں پہنچی ہوں۔ اس ہوٹل میں میرا کمرہ بک ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں ایک فون کر کے آتا ہوں'' ذیشان نے کہا اور لڑکی کی طرف دیکھے بغیر پبلک بوتھ کی طرف بڑھ گیا۔

پبلک بوتھ میں اس نے نمبر ملایا۔ ساتویں گھنٹی پر کسی نے ریسیور اٹھایا ''یس پلیز۔''

ذیشان نے دھیمی آواز میں کہا ''مجھے قیصر صاحب سے بات کرنی ہے۔''

''سوری۔ وہ تو سو رہے ہیں۔'' دوسری طرف سے جواب ملا۔

''میں ذیشان بول رہا ہوں۔ انہیں جگا دو فوراً۔''

دوسری طرف بڑی مستعدی سے کہا گیا ''بہت بہتر جناب۔ آپ ہولڈ کریں۔ میں انہیں جگاتا ہوں۔''

کوئی ایک منٹ بعد ریسیور پر قیصر کی آواز ابھری ''ہیلو ذیشان؟''

''ایک مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے۔ یعقوب کی......''

قیصر نے اس کی بات کاٹ دی ''یہ فون نمبر تمہیں کہاں سے ملا؟''

''خدا کے لیے۔ یہ بات اتنی اہم نہیں......''

''اہم ہے'' قیصر نے پھر اس کی بات کاٹ دی ''پہلے مجھے بتاؤ' یہ فون نمبر کہاں سے ملا تمہیں؟''

''جس کمرے میں ڈاکٹر نے میرا معائنہ کیا تھا' وہاں کتابوں کے درمیان ٹیلی فون رکھا ہے۔ میں نے اس کا نمبر دیکھا اور یاد کر لیا تھا۔''

''مسئلہ یہ ہے کہ یعقوب سعید کی بیٹی نازل ہو گئی ہے۔ اور وہ یہاں موجود ہے'' ذیشان نے کہا۔

''کیا؟ کیا کہہ رہے ہو؟'' قیصر اتنے زور سے چیخا کہ ذیشان کا ریسیور والا ہاتھ جھنجھنا گیا۔

''اب بتاؤ میں کیا کروں۔'' ذیشان تقریباً رو دیا ''مجھے تو اس کا نام تک معلوم نہیں۔''

''ایک منٹ ہولڈ کرو'' قیصر کی آواز سے گھبراہٹ ہویدا تھی۔ دوسری طرف قیصر کسی سے بات کر رہا تھا۔ پھر اس کی آواز دوبارہ ابھری ''اس کا نام ماریہ ہے۔''

''اور کچھ؟''

''میں کیا بتا سکتا ہوں؟'' قیصر نے بھنا کر کہا ''میں نے تو کبھی اس کا تذکرہ بھی نہیں سنا تھا۔''

''تو پھر مجھ سے کیا امید رکھتے ہو'' ذیشان بھی آپے سے باہر ہو گیا ''اس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم بھی نہ ہو اور میں اس کا باپ بن جاؤں....''

''کیا وہ تمہارے پاس کھڑی ہے؟''

ذیشان نے شیشے کی دیوار کے اس پار دیکھا ''نہیں۔ میں پبلک بوتھ سے فون کر رہا ہوں۔ وہ باہر کھڑی ہے اور میرے کمرے میں چلنے پر تلی ہوئی ہے۔''

''تو پھر ذرا ٹھہرو۔ میں مزید کوشش کرتا ہوں۔''

ذیشان نے دیکھا' لڑکی ٹہلتی ہوئی بوتھ کی طرف آ رہی تھی'' جو کرنا ہے جلدی کرو۔ لڑکی اسی طرف آ رہی ہے'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

قیصر نے شاید کوئی فائل طلب کر لی تھی اور اب اس میں سے پڑھ کر سنا رہا تھا ''غور سے سنو......ماریہ سعید نام' لیکن عموماً وہ میری کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ وہ یعقوب کی پہلی بیوی سے ہے۔''

''اس کی ماں زندہ ہے؟'' ذیشان نے پوچھا۔

''ہاں۔ یعقوب سے طلاق کے بعد اس نے دوسری شادی کر لی تھی۔ اس کا نام پٹریشیا اور اس کے دوسرے شوہر کا نام جان ہاورڈ ہے۔ وہ بزنس مین ہے۔ یعقوب کی دوسری بیوی کا نام رضیہ ہے۔ وہ کراچی میں رہتی ہے۔ یعقوب نے تین سال پہلے اسے بھی طلاق دے دی تھی۔ اس سے اولاد کوئی نہیں۔''

''اور موجودہ بیوی؟''

''فی الوقت یہ پوسٹ خالی ہے۔''

''لڑکی کیا کرتی ہے؟ پڑھتی ہے...... جاب کرتی ہے؟''

''یہ جو معلومات میں نے تمہیں فراہم کی ہیں' یعقوب سعید کی پرسنل فائل سے لی گئی ہیں۔ اس میں بیٹی کا صرف تذکرہ ہے' تفصیل نہیں۔''

''اس صورت میں مجھے یہ ڈراما ختم کرنا پڑے گا۔ ویسے بھی میری سمجھ میں نہیں آتا میں تمہارے لیے یہ سب کیوں کر رہا ہوں۔''

''خدا کے لئے..... کھیل نہ بگاڑنا'' قیصر نے التجا کی ''میں لڑکی کے بارے میں جلد از جلد معلومات اکٹھی کر کے تمہیں بھجوا دوں گا۔''

''کس طرح؟''

''میرا کوئی آدمی تمہیں سر بند لفافہ دے جائے گا۔ لڑکی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ اور اگر صورت حال قابو سے باہر ہونے لگی تو میں لڑکی کو تم سے دور کرنے کا کوئی انتظام کر دوں گا۔ لیکن ذیشان پلیز......اپنا راز کسی کو نہ بتانا۔''

ذیشان نے قیصر کو کم دیکھا تھا لیکن وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ قیصر التجائیں کرنے والا آدمی نہیں۔ مگر اس وقت وہ عملاً اس کی خوشامد کر رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کی اور اس کے بہروپ کی بہت اہمیت ہے۔ اس نے سوچا' اس وقت وہ اپنی بات منوا سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے

سخت لہجے میں کہا ''قیصر صاحب' میں ایک وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں اندھیرے میں رہ کر تمہارے لیے کام نہیں کروں گا۔'' اس کی آواز بلند ہو گئی ''تمہیں حقیقت بتانا ہو گی۔ مجھے قائل کرنا ہو گا کہ اس بہروپ پر قائم رہوں۔ اس کے بغیر میں تم سے کوئی تعاون نہیں کروں گا۔''

''پلیز ذیشان...... خود کو سنبھالو۔ کسی طرح لڑکی کے ساتھ کام چلاؤ میں تمہیں ہر ممکن معلومات فراہم کروں گا اور آج ہی ہر بات کی وضاحت بھی کر دوں گا۔''

''میں کوشش کرتا ہوں۔ لیکن یہ کام بہت مشکل ہے۔ کسی عام آدمی سے نمٹنا اور ہے لیکن یعقوب کی بیٹی کا معاملہ مختلف ہے' وہ تو بہت باخبر ہو گی۔''

''یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ باپ بیٹی ایک دوسرے کے قریب کبھی نہیں رہے۔ میرا خیال ہے لڑکی ماں کے پاس رہی ہے۔''

ذیشان نے پلٹ کر دیکھا ''اچھا اب میں چلتا ہوں۔ لڑکی قریب آ گئی ہے۔'' اس نے ریسیور رکھا اور بوتھ سے نکل آیا۔

''چلو بھئی'' ذیشان نے گہری سانس لے کر کہا۔

''ایسا لگ رہا تھا کہ آپ کسی سے بحث کر رہے ہیں'' لڑکی مسکرائی۔

''اوہ..... واقعی؟''

''میں تو آپ کو جانتی ہوں نا۔ آپ ہیں ہی ایسے'' لڑکی نے گھڑی پر نظر ڈالی ''لیکن صبح کے پانچ بجے آپ کس سے الجھ رہے تھے؟''

''ایک دوست تھا'' ذیشان نے مختصراً کہا۔

وہ دونوں لفٹ تک پہنچ چکے تھے۔ ذیشان نے بٹن دباتے ہوئے پوچھا ''تم کہاں سے آ رہی ہو؟''

''برجین سے'' لڑکی نے بتایا ''کرائے کی کار لی تھی۔ کل صبح سے اب تک ڈرائیونگ کرتی رہی ہوں۔ تھکن کے مارے برا حال ہے میرا۔''

''اکیلی آئی ہو؟'' ذیشان کو عافیت سوال کرنے ہی میں نظر آ رہی تھی۔ اس میں دہرا فائدہ تھا۔ معلومات میں اضافہ بھی ہوتا اور وہ اپنی بے خبری کے باوجود پول کھلنے سے بھی محفوظ رہتا۔

''جی ہاں۔ اکیلی ہوں'' لڑکی پھر مسکرائی ''آپ کا اشارہ بوائے فرینڈ کی طرف ہے نا؟''

ذیشان نے اثبات میں سر ہلایا۔ لفٹ آ گئی۔ دونوں لفٹ میں داخل ہو گئے۔ ''تم بہت

تھک گئی ہو گی؟''

''جی ہاں۔ تھکن بھی ہے اور بھوک بھی۔''

''ماریہ!'' تم کتنے سال کی ہو گئیں؟'' اس نے پوچھنے کا رسک لیا ''مجھے تو تم اب بھی ننھی سی بچی لگتی ہو۔''

''یہ تو ایک نئی بات ہے۔ اور ہاں' آپ میری اکیسویں سالگرہ.... بھی بھول گئے ہوں گے'' لڑکی کے لہجے میں تلخی اتر آئی ''ہر وہ باپ' جو اپنی بیٹی....'' وہ کہتے کہتے رک گئی اور ہونٹ کاٹنے لگی۔ اس کے چہرے پر دکھ کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں ''سوری ڈیڈی۔ بہرحال اگلے ہفتے میری سالگرہ ہے۔''

''ہاں مجھے یاد آ گیا۔''

لڑکی نے حیرت سے اسے دیکھا اور دھیرے سے اس کا ہاتھ دبایا' اب وہ لفٹ سے نکل کر کمرے کے دروازے تک پہنچ چکے تھے۔ ذیشان نے دروازہ کھولا۔ پہلے لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے اپنا بیگ بیڈ پر رکھ دیا ''باتھ روم کس طرف ہے؟''

ذیشان نے اشارے سے بتایا۔ لڑکی نے بیگ سے کپڑے نکالے اور باتھ روم میں گھس گئی۔

باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔

ذیشان نے ریسیور اٹھا کر روم سروس سے بات کی ''میں کمرا نمبر ۳۶۰ سے بول رہا ہوں۔ میرے نام کوئی پیغام یا خط آئے تو فوراً بھیج دینا۔''

ریسیور رکھنے کے بعد اس نے جلدی سے لڑکی کا بیگ کھولا۔ اس کی توقع کے برعکس بیگ بہت صفائی سے پیک کیا گیا تھا۔ اس کی تلاشی لینا آسان کام نہیں تھا۔ سب سے اوپر برطانوی پاسپورٹ رکھا تھا۔ پاسپورٹ کے مطابق ماریہ کی تاریخ پیدائش ۲۱ جولائی تھی۔ پیشے کے خانے میں ٹیچر لکھا تھا۔

پھر اس نے ٹریولرز چیک بک اٹھائی۔ اسے کھولتے ہی اسے یقین آ گیا کہ یعقوب سعید بہت دولت مند آدمی ہے۔

ماریہ باتھ روم سے نکلی تو ذیشان صوفے پر لیٹا تھا۔

''اب میں بہتر محسوس کر رہی ہوں'' وہ بولی۔

ذیشان نے اسے بغور دیکھا۔ وہ نیلے رنگ کی جیکٹ اور اسی رنگ کی پینٹ پہن کر نکلی

تھی۔اس کے گیلے بال شانوں پر پھیلے ہوئے تھے۔

''مجھے ناشتا کب مل سکے گا؟'' ماریہ نے پوچھا۔

''ناشتا تو ساڑھے چھ سے پہلے ممکن نہیں۔البتہ کافی اور سینڈوچ منگوائے جا سکتے ہیں۔''

ماریہ کا منہ بن گیا۔وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی''میں ساڑھے چھ بجے تک انتظار کر لوں گی'' اتنا کہہ کر اس نے آنکھیں پٹ پٹائیں۔''مجھے ایسا لگ رہا ہے' جیسے میں اب بھی ڈرائیو کر رہی ہوں۔''

''تم نے بلاوجہ خود کو ہلکان کیا'' ذیشان نے محتاط انداز میں کہا۔

''پچھلی بار تو آپ نے ایسا نہیں کہا تھا۔''

ذیشان گڑبڑا گیا''تمہاری ممی کیسی ہیں؟'' اس نے پینترا بدلا۔

''ٹھیک ٹھاک ہیں۔لیکن وہ بے چارہ یکسانی کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''پیسہ کمانے کی دھن میں۔ہر وقت آفس میں مصروف رہتا ہے۔آپ سے مسابقت کے جنون میں اس نے خود کو مشین بنا لیا ہے۔''

ذیشان نے اندازہ لگایا کہ' وہ بے چارہ' جان ہاورڈ ہوگا۔''جان اچھا بھلا معقول آدمی ہے'' اس نے محتاط لہجے میں کہا۔

''مجھے تو وہ آدم بیزار لگتا ہے۔''

''اچھا۔تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں؟ ذیشان نے پوچھا۔

''اسلام آباد فون کیا تھا۔سلیمان نے بتایا کہ آپ اسکنڈے نیویا گئے ہیں میں سمجھ گئی کہ آپ یہاں ہوں گے یا ہیلسنکی'' اچانک ہی وہ نروس نظر آنے لگی''مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا کہ میں آپ تک پہنچ چکی ہوں۔''

ذیشان نے پیر پھیلاتے ہوئے پوچھا''کیوں بھئی؟''

''کیوں کہ آپ مجھے سنجیدہ نہیں لگ رہے ہیں'' ماریہ کے لہجے میں الجھن تھی''مجھے دو سال پہلے کی وہ تلخی اب بھی یاد ہے۔ابھی جب آپ میری عمر کے متعلق پوچھ رہے تھے تو مجھے معلوم تھا کہ آپ میری سالگرہ نہیں بھولے ہیں'' اس کی آواز میں تلخی شامل ہوگئی''کیوں کہ آپ کا حافظہ بہت اچھا ہے۔آپ کبھی کچھ نہیں بھول سکتے۔''

پانی ذیشان کے سر سے اونچا ہو رہا تھا''دو سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا'' اس نے مبہم انداز میں کہا۔اسے احساس تھا کہ اسے سیاست دانوں والا رویہ اپنانا پڑے گا۔کہو بہت کچھ اور پھر بھی کچھ نہ کہو۔کام کی بات کوئی نہ ہو۔کوئی گرفت نہ کر سکے.......

''آپ بہت بدل گئے ہیں۔آپ.....آپ کے مزاج میں نرمی آ گئی ہے۔''

وہ مسکرایا''میں جب چاہوں تلخ ہو سکتا ہوں اور جب چاہوں شیریں۔کچھ یہ بھی ہے کہ میں بڑھاپے کی طرف بڑھ رہا ہوں۔شاید عقل مندی کی طرف۔''

''عقل مند تو آپ شروع سے ہیں'' ماریہ بولی''بس آپ کے مزاج میں حاکمیت بہت زیادہ ہے'' وہ جھجکی''مجھے ایک سگریٹ دیں گے پلیز........''

''سوری۔میں نے سگریٹ چھوڑ دی ہے۔''

وہ بھونچکا رہ گئی''آپ تو بالکل ہی بدل گئے ہیں۔''

''یہ تو وقتی بات ہے'' ذیشان نے کہا۔پھر اس نے اٹھ کر الماری سے سگریٹ کیس اور لائٹر نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔''دراصل مجھے ٹھنڈ لگ گئی تھی اور کھانسی نے پریشان کر رکھا تھا۔'' اس نے وضاحت کی۔

ماریہ چند لمحے سوچتی رہی۔پھر اس نے سگریٹ کیس میں سے ایک سگریٹ نکالی''آپ پہلے کبھی سگریٹ نہیں چھوڑ سکے'' اس نے کہا۔پھر اس نے سگریٹ سلگا کر جھجکتے ہوئے ایک کش لیا''میرا خیال تھا' آپ کو میری سگریٹ نوشی پر حیرت ہوگی۔بلکہ مجھے یقین تھا کہ آپ کو غصہ آئے گا۔''

ذیشان نے سوچا' صورت حال قابو سے باہر ہو رہی ہے۔چنانچہ اس نے سخت لہجے میں کہا''کیسی احمقانہ باتیں کر رہی ہو۔آخر تمہارے ذہن میں کیا ہے؟''

''تو سنیں۔مجھے ڈگری مل گئی ہے'' لڑکی کا انداز ایسا تھا' جیسے اس نے کوئی دھماکا کیا ہو''میں آپ کو یہی بتانا چاہ رہی تھی۔''

ذیشان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا رد عمل ظاہر کرے۔لڑکی پر امید نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔آخر کار ذیشان نے کہا''مبارک ہو ماریہ۔یہ بہت اچھی خبر ہے۔''

ماریہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا''واقعی ڈیڈی؟''

''ہاں۔بہت عرصے بعد میں کوئی اچھی خبر سنی ہے۔''

ماریہ کے چہرے پر پہلی بار طمانیت نظر آئی''ممی کہتی ہیں۔ہمارے پاس سب کچھ

ہے۔ تمہیں معمولی سی ملازمت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں ممی کو۔ اور جان کو اپنے بزنس کے سوا کسی چیز میں دلچسپی نہیں' وہ چند لمحے خاموش رہی۔ پھر اچانک بولی ''واقعی ڈیڈی...... سچ مچ خوشی ہوئی ہے آپ کو؟''

''کیوں نہ ہوتی۔ میں واقعی بہت خوش ہوا ہوں یہ سن کر'' ذیشان نے بڑے خلوص سے کہا۔ اور واقعی وہ خوش ہوا تھا۔

''وہ..... آج میں بہت خوش ہوں ڈیڈی'' وہ چھلانگ لگا کر بستر سے اتر آئی۔ اس نے بیگ کھول کر پاسپورٹ نکالا ''یہ دیکھیں' کیا لکھا ہے انہوں نے۔ پیشہ۔ تدریس' اس کا لہجہ فخریہ تھا۔

''اگریڈ کون سا ملا تمہیں؟''

لڑکی کے چہرے پر کھنچاؤ نظر آنے لگا ''بی گریڈ۔ اب آپ سوچیں گے کہ میرا گریڈ آپ کے شایان شان نہیں۔''

''نہیں۔ میں ہرگز نہیں سوچوں گا'' ذیشان نے کہا۔ اسے یعقوب سعید سے اور چڑ ہونے لگی۔ اس نے لڑکی میں خود اعتمادی پیدا نہیں ہونے دی تھی۔ لڑکی جس طرح اس سے گھبرا رہی تھی' اس نے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ہمیشہ اس پر طنز کرتا رہا ہوگا ''اب کہاں جاب کرو گی؟'' اس نے ماریہ سے پوچھا۔

وہ مطمئن ہو کر بیڈ پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئی تھی ''سب سے پہلے مجھے تدریسی تجربے کی ضرورت ہوگی۔ پھر میں اسپیشلائزیشن کروں گی۔ اس کے بعد مجھے زندگی کے اس اہم شعبے کے ارتقا کے لیے کچھ کرنا ہے۔''

''کس طرح؟''

''یہ تو میں نے ابھی تک نہیں سوچا۔ دراصل اصلاح کی گنجائش ہر جگہ ہوتی ہے۔ اگر میں نے کوئی ایک اصلاح بھی متعارف کرادی تو یہ میری کامیابی ہوگی۔''

ذیشان سوچ رہا تھا' یعقوب جیسے عملی اور کامیاب آدمی کی بیٹی اس قدر مثالیہ پسند کیسے ہوگئی؟ وہ مسکرایا ''اس مشن کی تکمیل میں تو زندگی گزر جائے گی۔ کہیں شادی کی گنجائش بھی رکھی ہے تم نے؟''

''ضرور ہے۔ لیکن شادی میں ایسے شخص سے کروں گی' جو میرے آئیڈیلز کا احترام کر سکے۔ اور ایسا کوئی شخص اب تک مجھے نہیں ملا۔''

''کوئی بات نہیں۔ ملے گا اور ضرور ملے گا۔''

''آپ اتنے یقین سے کہہ رہے ہیں۔''

''کیوں نہ کہوں؟'' ذیشان مسکرایا ''لگن سچی ہو تو سب کچھ مل جاتا ہے۔''

ماریہ نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلی اور دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں ڈھانپ کر لیٹ گئی۔ ''میں انتظار کروں گی' اس نے دھیرے سے کہا۔

''میرا دل کہتا ہے' تمہارا انتظار زیادہ طویل نہیں ہوگا۔''

ماریہ نے جواب نہیں دیا۔ ذیشان نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ سو چکی تھی...... اور گہری نیند میں تھی۔ ایک دن اور ایک رات مسلسل ڈرائیونگ کے بعد یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔

ذیشان دبے پاؤں اٹھا۔ اس نے ماریہ کی جیکٹ کی جیب سے چابیاں نکالیں اور بڑی خاموشی سے کمرے سے نکل آیا۔ نیچے لابی میں دو سوٹ کیس رکھے تھے جن پر ماریہ کے نام کا ٹیگ لگا تھا۔ اس نے ڈیسک کلرک سے ماریہ کے کمرے کی چابی لی اور پورٹر سے دونوں سوٹ کیس اٹھوا کر ماریہ کے کمرے کی طرف چل دیا۔ کمرے میں اس نے پورٹر کو ٹپ دے کر رخصت کیا اور بے صبری سے سوٹ کیس کھولے۔ ایک سوٹ کیس میں ایک بیگ تھا جس میں بچوں کے استعمال کی چھوٹی چھوٹی چیزیں تھیں۔ ایک تصویر تھی جس میں یعقوب' ماریہ اور اپنی پہلی بیوی کے ساتھ کھڑا تھا۔ دو کتابیں تھیں۔ ایک بچوں کی نفسیات پر اور دوسری تدریس کے موضوع پر۔

ذیشان نے سوٹ کیس بند کر کے ریک پر رکھے اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ دروازے پر اسے احمد کھڑا نظر آیا ''جناب! یہ لفافہ قیصر صاحب نے آپ کے لیے بھجوایا ہے۔''

ذیشان نے لفافہ کھولا' اس میں صرف ایک کاغذ تھا۔ اس سے اس کی معلومات میں صرف اتنا اضافہ ہوا کہ ماریہ ٹینس میں دلچسپی رکھتی ہے۔

''بس؟'' ذیشان نے چڑ کر پوچھا۔

''ہم کوشش کر رہے ہیں جناب۔''

''اسے واپس لے جاؤ اور قیصر سے کہنا' میں مزید وضاحتوں کا منتظر ہوں۔''

''جی بہت بہتر۔''

''اور ہاں..... مجھے اب احساس ہو رہا ہے کہ میں یعقوب سعید کے بارے میں کچھ بھی تو نہیں جانتا قیصر نے اس کی پرسنل فائل کا تذکرہ کیا تھا اس سے کہنا میں وہ فائل دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''میرا خیال ہے یہ ممکن نہیں ہوگا۔'' احمد نے جھجکتے ہوئے کہا' سیکیورٹی کے اصولوں

کے تحت یہ نہیں ہوسکتا۔ آپ آرگنائزیشن سے وابستہ نہیں ہیں۔''

''تم بے وقوف ہو۔'' ذیشان نے زیرلب کہا ''میں تم لوگوں کی سیکیورٹی ہوں۔ بس میں نے جو کچھ کہا ہے وہ اسے بتا دینا۔'' اس بار اس کی آواز قدرے بلند تھی۔

☆☆☆☆

قیصر کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ فرید آ کر بیٹھا تو وہ چونکا ''ایک زمانے میں ہم لوگوں کا کام بہت آسان تھا مگر اب سائنس کی ترقی نے اسے بہت دشوار کر دیا ہے۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔

فرید خاموش رہا' اس نے قیصر کو پہلے کبھی ایسے موڈ میں نہیں دیکھا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس موقعے پر کیا کہے۔

''تم فرید ہی ہونا؟'' قیصر نے اچانک پوچھا ''اب بتاؤ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ تم فرید ہو۔ کیا پتا تمہارے روپ میں کوئی اور ہو۔ ڈاکٹر نیازی کہہ رہا تھا کہ انسانی دماغ پر بھی قابو پایا جا سکتا ہے۔ اب بولو مین کیا کروں۔''

کچھ دیر خاموشی رہی' فرید نے خاموشی ہی میں عافیت جانی۔

''ذیشان کہاں ہے؟'' آخر کار قیصر نے ہی پوچھا۔

''ہوٹل میں۔ سو رہا ہوگا۔'' فرید نے جواب دیا۔

''اور یعقوب کی بیٹی؟''

''وہ اپنے کمرے میں ہے۔''

''ذیشان کو اٹھا دو۔ شیلا بھی پروگرام کے مطابق ہوٹل پہنچنے والی ہوگی۔''

دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''تم نے ذیشان کو کس حد تک بتانے کا فیصلہ کیا ہے؟'' فرید نے پوچھا۔

''جتنا مجھے معلوم ہے۔'' قیصر نے کہا ''اس کل کے لونڈے نے رات احمد کے ذریعے مجھے دھمکی بھجوائی تھی۔ وہ یعقوب سعید کی پرسنل فائل پڑھنا چاہتا ہے۔''

''یہ کوئی ایسا ناروا مطالبہ بھی نہیں ہے۔ اسے بے خبری میں رکھ کر آگ مین جھونک دینا جائز تو نہیں کہلائے گا۔'' فرید نے کہا۔

''اس لڑکی کو بھی ابھی آنا تھا۔'' قیصر نے بھنا کر کہا۔ پھر اس کا لہجہ بدل گیا ''آج صبح میری ڈاکٹر نیازی سے بات ہوئی۔ میں نے کہہ دیا کہ میں جانتا ہوں مجھے ذیشان کو یعقوب کی جگہ

استعمال کرنے کا حق نہیں۔ میں غلط کام نہیں کروں گا' ذیشان کو سب کچھ صاف صاف بتا دوں گا۔ سب کچھ نہ سہی مگر جتنا بتاؤں گا درست بتاؤں گا۔ پھر اس نے تعاون کرنا قبول کیا تو یہ میری خوش قسمتی ہی ہوگی۔''

فرید اب بھی خاموش رہا۔ جانتا تھا کہ قیصر بھرا بیٹھا ہے۔

''ڈاکٹر لغاری کا کہنا ہے کہ سلیکون کے جو انجکشن ذیشان کے لگائے گئے ہیں ان کا رد عمل مستقل ہوتا ہے۔ ان سے مسامات میں جو تبدیلی آتی ہے اسے دور کرنا آسان نہیں ہوتا۔ ذیشان کو ایک بڑے آپریشن کے بعد ہی اپنا اصل چہرہ واپس مل سکے گا۔''

فرید نے مسکراتے ہوئے کہا ''مجھے یقین ہے کہ تم یہ سچ بھی اسے بتا دو گے۔''

قیصر نے سنی ان سنی کر دی ''چلو ہوٹل چلیں۔''

☆☆☆☆

ذیشان گہری نیند سے جاگا۔ کسی نے دروازے پر دستک دی تھی۔ وہ جمائیاں لیتا ہوا اٹھا اور دروازہ کھولا۔ سامنے قیصر کھڑا تھا۔

''سوری۔ جگانے پر معذرت خواہ ہوں۔'' قیصر نے کہا ''لیکن ہماری یہ ملاقات طے تھی اور وقت ہو گیا ہے۔''

ذیشان نے پلکیں جھپکائیں اور دروازے سے ہٹ کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا ''آ جاؤ' میں ابھی آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ باتھ روم میں گھس گیا۔

وہ باتھ روم سے نکلا تو اس کی نظر شیلا پر پڑی ''ارے تم.....!'' ''ہاں۔ شیلا یعقوب کی دوست ہے۔'' قیصر نے ایک لفافہ میز پر ڈالتے ہوئے کہا ''اس میں یعقوب سعید کی بیٹی کے متعلق کچھ اور معلومات ہیں۔ اسکے علا وہ ہمارے کچھ آدمی تمہاری خاطر انگلینڈ میں اس کے متعلق معلومات جمع کر رہے ہیں۔''

''میری خاطر نہیں تمہاری خاطر۔'' ذیشان نے کڑے لہجے میں تصحیح کی ''اور لڑکی سے زیادہ مجھے یعقوب کے متعلق معلومات درکار ہیں۔ لڑکی تو کسی بھی وقت واپس چلی جائے گی۔''

''ہم یہاں آئے ہی اس لیے ہیں۔'' قیصر نے صوفے پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ فرید اور شیلا اس کے دائیں اور بائیں بیٹھ گئے۔

ذیشان ایک کرسی کھینچ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

قیصر نے پائپ سلگانے کے بعد ایک کش لیا ''پہلے یہاں اپنی آمد کے متعلق سن لو۔تمہیں ۸ جولائی کی رات اسٹریچر پر ڈال کر ہوٹل کے عقبی زینوں سے اندر لایا گیا۔تم کمرا نمبر ۳۶۳ میں رہے۔یعقوب کو کسی بہانے کمرے سے باہر لا کر بے ہوش کر دیا گیا ہوگا۔تمہیں کمرا نمبر ۳۶۰ میں یعقوب کی جگہ پہنچایا گیا۔تمہارے جاگنے سے پہلے یعقوب کو شپ کے ذریعے کوپن ہیگن اور پھر وہاں کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ کر دیا گیا۔''

''میرے خدا!'' ذیشان نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

''اگر تم فوراً ہی سفارت خانے سے رابطہ کر لیتے تو شاید ہم اسے ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہو جاتے۔''

''غلط۔تم تو مجھے کسی نفسیات داں کے حوالے کر دیتے۔تمہیں بعد میں ہی میری بات پر کون سا یقین آ گیا تھا....میرے زخم کے باوجود۔'' ذیشان نے طنز کیا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' فرید نے اس کی تائید کی۔

''اور تمہاری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ یہ چکر کیوں چلایا گیا؟'' قیصر نے فرید سے پوچھا۔

''ہمیں الجھانے کے لئے۔'' فرید نے نہایت اعتماد سے کہا۔

''بہر حال'' قیصر پھر ذیشان کی طرف متوجہ ہو گیا ''تمہیں یعقوب سعید کی جگہ دے دی گئی اور کسی کو شبہ تک نہیں ہوا۔ہاں ایک بات بتاؤ' تم پر حملے کا مقصد تمہیں ختم کرنا تھا یا وہ لوگ تمہیں اغوا کرنا چاہتے تھے؟''

''میں نے ان سے پوچھا نہیں۔اب ملاقات ہوئی تو پوچھ کر بتا دوں گا۔'' ذیشان نے ترش لہجے میں کہا۔

''خیر.....شیلا اب تمہارا کام تو فی الحال ختم۔'' قیصر' شیلا کی طرف مڑا۔

شیلا کمرے سے رخصت ہو گئی۔

قیصر نے فرید سے کہا ''اب انہیں یعقوب کے بارے میں بتا دیا جائے۔''

''تم ہی بتا دو' مجھے معلوم نہیں تم کس حد تک بتانا چاہتے ہو۔''

یہ سن کر ذیشان کا منہ بن گیا۔قیصر نے اس کی ناگواری محسوس کر لی ''دیکھو ذیشان!'' اس نے بے حد ہموار لہجے میں کہا ''شیلا ہم میں سے ہے اور ہمارے لئے قابل اعتماد ہے لیکن پوری بات اسے بھی معلوم نہیں۔ہمارے محکمے کا یہی اصول ہے۔ہر شخص کو اتنا ہی علم ہونا چاہئے جتنا

ضروری ہو ہم سمجھتے ہیں کہ تمہیں یعقوب کے متعلق معلومات ہونی چاہئیں۔پہلی بات تو یہ کہ وہ فن لینڈ میں پیدا ہوا۔اس کے دادا ہندوستانی تھے لیکن انگریزوں کی غلامی قبول نہ ہونے کی وجہ سے ترک وطن کر کے وہ فن لینڈ میں جا بسے۔وہاں انہوں بے وطنی کے ساتھ ساتھ موسم کی سختیاں بھی جھیلیں۔وہیں انہوں نے شادی کی۔یعقوب کے والد سعید وہیں پیدا ہوئے۔

''۳۹ء میں روس نے فن لینڈ پر حملہ کیا۔فن لینڈ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔اسے موسم سرما کی جنگ کہا جاتا ہے۔۶۱ء میں جرمنی نے روس پر حملہ کیا۔فن لینڈ کے خیال میں وہ روس سے دو دو ہاتھ کرنے کا بہت اچھا موقع تھا۔لیکن بدقسمتی سے وہ ہارنے والوں کے حلیف بن بیٹھے۔جنگ عظیم ختم ہوئی تو معاہدہ امن ہوا اور سرحدوں میں ردوبدل کیا گیا۔پرانی سرحد لینن گراڈ سے بہت قریب تھی۔یہ بات روسیوں کے لئے تشویش کا باعث تھی۔کوئی بھی توپچی فن لینڈ میں کھڑا ہو کر لینن گراڈ پر گولے برسا سکتا تھا۔چنانچہ روسیوں نے اس خطرے کے تدارک کے لئے کیریلن اور چند دوسرے قصبوں کو ہتھیا لیا۔یعنی یعقوب سعید کا دادائی قصبہ روس کا حصہ بن گیا۔روسیوں نے اس کا نام سوئتوگورسک رکھا۔'' قیصر نے پائپ کا کش لیا مگر وہ بجھ چکا تھا۔''بات کچھ سمجھ میں آ رہی ہے؟'' اس نے ذیشان سے پوچھا۔

''سمجھ میں تو آ رہی ہے لیکن میں تاریخ پر لیکچر کے سوا بھی کچھ چاہتا ہوں۔''

''یہ پس منظر بہت ضروری ہے۔'' قیصر نے کہا ''جنگ ختم ہوئی تو یعقوب ایک سال کا تھا۔فن لینڈ کا حال بہت تباہ تھا۔ستم بالائے ستم یہ کہ فن لینڈ کے جن قصبوں پر روس نے قبضہ کیا ان کی بیشتر آبادی وہاں سے نکل آئی۔وہ روس کے زیر تسلط نہیں رہنا چاہتے تھے۔یوں فن لینڈ پر اور دباؤ پڑا۔اسے تعمیر نو کا مرحلہ ویسے ہی درپیش تھا۔چنانچہ فن لینڈ نے سویڈن سے درخواست کی کہ وہ ان ایک لاکھ مہاجرین کو پناہ دے۔سویڈن نے ہامی بھر لی۔سویڈن جانے والوں میں یعقوب کی فیملی بھی تھی۔فیملی کیا صرف والد کہہ لو' باقی تمام لوگ جنگ میں ہی ختم ہو چکے تھے۔وہ لوگ چند سال سویڈن رہے پھر یہاں اوسلو چلے آئے۔یعقوب باپ کی موت تک اوسلو میں ہی رہا۔اس کی بیوی کے پاس وہ چیز موجود تھی جس کی اسے ضرورت تھی' یعنی دولت۔اب یہ بھی سن لو کہ یعقوب بہت ذہین آدمی ہے۔اس میں موجدانہ رجحان بھی ہے۔الیکٹرونکس اس کا خاص شعبہ ہے اور عام موجدوں کے برعکس وہ اپنی ایجادات کو حصول دولت کا ذریعہ بنانے کی اہلیت بھی رکھتا ہے۔اس کی بیوی کے پاس چند ہزار پاؤنڈ تھے' جن سے اس نے اسٹارٹ لیا اور جب دونوں کے درمیان طلاق ہوئی تو دونوں اپنی اپنی جگہ لکھ پتی بن چکے تھے۔'' قیصر نے بجھا پائپ سلگا کر گہرا کش لیا اور

چند لمحوں کے توقف کے بعد بولا ''اس وقت تک یعقوب برطانیہ کا بڑا آدمی بن چکا تھا۔ اس کی کئی فیکٹریاں تھیں۔ اینگلو فرنچ جیگوار فائٹر حتیٰ کہ کانکرڈ طیاروں تک میں اس کے بنائے ہوئے الیکٹرونکس کے آلات نصب ہوتے ہیں۔ درحقیقت وہ بہت بڑا آدمی ہے لیکن عام لوگ اس سے ناواقف ہیں۔

''سات سال پہلے اسے اپنے اصل آبائی وطن کا خیال آیا۔ آیا یا یاد دلایا گیا کیونکہ جنرل ضیاء ملکی دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے کی کوشش میں ایسے لوگوں کو اکٹھا کر رہے تھے جو پاکستانی تھے لیکن بیرون ملک ترقی یافتہ ممالک میں اہم خدمات انجام دے رہے تھے۔

''بہرحال یعقوب پاکستان چلا آیا۔ اس نے وہاں کئی اہم خدمات انجام دیں۔ بہت ڈپلومیٹ آدمی ہے۔ اس نے برطانیہ سے بھی ناتا نہیں توڑا۔ ہم ایسے لوگوں پر آسانی سے اعتماد نہیں کرتے لیکن یعقوب آزاد طبع ہونے کے ساتھ کام کا آدمی بھی تھا اور اس سے غداری کا خدشہ بھی نہیں تھا چنانچہ ضابطوں کے خلاف اسے آزادی دی گئی کہ وہ جہاں چاہے آ جا سکتا ہے۔ وہ بہت بڑا آدمی ہے لیکن عام لوگ اس کے نام تک سے واقف نہیں۔ کچھ سمجھ میں آیا؟''

''ہاں۔ لیکن مجھے اس سے زیادہ مدد نہیں ملے گی۔'' ذیشان نے کہا۔

قیصر نے دھوئیں کے چھلے بناتے ہوئے کہا ''یعقوب کو ذہانت اپنے باپ اور دادا سے ورثے میں ملی ہے۔ خصوصاً دادا سے۔ اس لیے ان کے بارے میں بھی جاننا ضروری ہے۔ یعقوب کے دادا کا نام ابراہیم تھا۔ وہ ماہر طبعیات تھے۔ اگر جنگ کے دوران وہ ہلاک نہ ہوئے ہوتے تو نوبل پرائز کے امیدواروں میں ان کا نام بھی یقیناً شامل ہوتا۔ جنگ شروع ہوتے ہی ان کی ریسرچ رک گئی۔ انہوں نے وائے پوری میں جو اس وقت فن لینڈ کا دوسرا سب سے بڑا شہر تھا' فنی حکومت کے لئے کام شروع کر دیا۔ اب یہ شہر کیریلیا کے علاقے میں ہے اور روسیوں نے اس کا نام وائی بارگ رکھا ہے۔'' اس نے اونگھتے ہوئے ذیشان کو دیکھا اور تیز لہجے میں بولا ''کیا بہت بور ہو رہے ہو؟''

''میں یہ نامانوس نام ہضم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم بولتے رہو۔''

''جنگ کے دوران وائے پوری کا بہت برا حشر ہوا' ابراہیم کی لیبارٹری بھی تباہی سے نہ بچ سکی۔ ابراہیم اپنے قصبے واپس آ گئے۔ وہ جان گئے تھے کہ روسیوں کی یلغار کو نہیں روکا جا سکے گا۔ انہیں اپنے کاغذات کی حفاظت کی فکر تھی۔ انہوں نے جنگ سے پہلے بہت کام کیا تھا جو ابھی شائع نہیں ہوا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا وہ کام ضائع ہو۔''

''اوہ! پھر انہوں نے کیا کیا؟'' ذیشان کو اچانک دلچسپی محسوس ہونے لگی۔

''انہوں نے تمام کاغذات کو سیل کر کے ایک آہنی صندوق میں رکھا اور صندوق کو اپنے باغیچے میں دفن کر دیا۔ یعقوب کے باپ سعید نے اس کام میں ان کا ہاتھ بٹایا تھا۔ اگلے روز علاقے پر بمباری ہوئی۔ ابراہیم' ان کی بیوی' چھوٹا بیٹا اور بڑی بہو سب ختم ہو گئے سعید خوش قسمتی سے یعقوب کو لے کر کہیں گئے ہوئے تھے۔ صرف وہ دونوں بچے.....''

''اور وہ کاغذات بہت اہم ہیں؟'' ذیشان نے پوچھا۔

''ہاں۔ گزشتہ سال سویڈن میں یعقوب کی اس عورت سے ملاقات ہوئی جس کے گھر میں اسے اور اس کے باپ کو پناہ ملی تھی۔

عورت نے بتایا کہ اسے اپنے گھر کے بالاخانے کی صفائی کے دوران ایک صندوقچہ ملا ہے جو اس کا باپ چھوڑ آیا تھا۔ عورت نے وہ صندوقچہ اسے دیا۔ یعقوب نے اپنے ہوٹل میں صندوقچہ کھول کر اس کا جائزہ لیا۔ اس میں بہت سے کاغذات تھے جن کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ مگر کچھ ایسے کاغذات بھی نظر آئے جن کی وجہ سے اینڈسو کے باغیچے میں دفن صندوق کے کاغذات یک لخت اہمیت اختیار کر گئے۔

''ابتدا میں تو یعقوب کو ان کی اہمیت کا احساس ہی نہیں ہوا۔ اس نے سویڈن اور برطانیہ میں چند سائنس دانوں سے اس سلسلے میں بات کی' پھر اچانک ان کاغذات کی اہمیت اس پر روشن ہوئی اور وہ وطن بھاگا۔ وہاں اس نے اہم لوگوں سے بات کی۔ یوں میں اس چکر میں پڑا......''

''لیکن صندوق کے بارے میں یعقوب کو کیا معلوم۔'' ذیشان نے اعتراض کیا ''اس وقت وہ صرف ایک سال کا تھا۔''

''سعید صاحب بعد میں اسے لے کر اینڈسو گئے تھے۔ وہ اسے وہ گھر دکھانا چاہتے تھے جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ اب وہ گھر ایک روسی کی ملکیت تھا۔ وہاں سعید صاحب نے یعقوب کو دفن صندوق کے بارے میں بتایا تھا اور اس جگہ کی نشان دہی بھی کی تھی' جہاں صندوق دفن کیا گیا تھا۔''

''اور اب پروگرام اس باغیچے میں کھدائی کرنے کا تھا؟'' ذیشان نے پوچھا۔

''ہاں۔ اور اس میں پیچ صرف یہ ہے کہ اب وہ باغیچہ روس میں ہے۔'' قیصر نے پائپ کی راکھ ایش ٹرے میں گراتے ہوئے کہا۔ ''بہرحال ہمارے آدمی اس وقت بھی روسی بارڈر کی نگرانی کر رہے ہیں۔ ان کی طرف سے او کے کا سگنل ملتے ہی میں اور یعقوب جاتے اور کاغذات نکال لاتے۔''

فرید نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے کہا ''ایسے جیسے وہ اپنے گھر کا آنگن ہو۔''

''لیکن یعقوب غائب ہو گیا اور اس کی جگہ تم آ گئے۔''

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نظر عنایت مجھ پر ہی کیوں پڑی؟'' ذیشان نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''میرا خیال ہے اس سلسلے میں زیادہ گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں۔'' قیصر نے جلدی سے کہا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ذیشان اپنے ماضی کو کھنگالنے کی کوشش کرے اور ذہنی پراگندگی کا شکار ہو' بس انہیں یعقوب سے ملتا جلتا کوئی شخص درکار تھا۔''

حالانکہ ذیشان کے انتخاب میں کچھ اور باتوں کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہوگا۔ ان میں ایک یہ بھی تھی کہ اسے رونے والا کوئی نہیں تھا۔ اسلام آباد میں دس افراد کی ایک ٹیم ذیشان کے ماضی کو کھنگال رہی تھی۔ دشواری یہ تھی کہ ذیشان سے براہ راست سوال نہیں کیے جا سکتے تھے۔ نیازی نے اس کی سختی سے مخالفت کی تھی۔ پھر قیصر کو ذیشان کی ضرورت بھی تھی۔ پاگل ذیشان تو اس کے لئے بے کار ہی ہوتا۔

''اب ہم دوسرے پہلو کی طرف آتے ہیں۔'' قیصر نے کہا ''ایک نامعلوم گروہ نے یعقوب کو اغوا کیا لیکن وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہمیں اس کا علم ہو۔ انہیں اب بھی معلوم نہیں کہ ہمیں تمہارے نقلی ہونے کا علم ہو گیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ انہیں اس بات کا علم نہ ہو۔'' اس نے ذیشان کی آنکھوں میں جھانکا ''اس کے لیے ہمیں تمہارا تعاون چاہیے۔''

''کیسا تعاون؟'' ذیشان چوکنا نظر آنے لگا۔

''ہم چاہتے ہیں کہ تم یعقوب ہی کی حیثیت میں فن لینڈ جاؤ۔'' ذیشان حیران رہ گیا ''لیکن ناممکن ہے۔'' اس نے کہا ''میں فنی زبان سے نابلد ہوں' کام نہیں چلا سکوں گا۔''

''تم اب تک کام چلاتے رہے ہو۔ تم نے شیلا کو بے وقوف بنایا۔ یعقوب کی بیٹی بھی دھوکا کھا رہی ہے۔'' نیازی نے تمہاری ذہانت اور اہلیت کے بارے میں غلط نہیں کہا تھا۔''

''لیکن مسئلہ زبان کا ہے۔''

''کوئی مسئلہ نہیں۔ وہ فن لینڈ سے آیا تو صرف ڈیڑھ سال کا تھا۔ بعد میں وہ وہاں جاتا رہا لیکن کبھی زیادہ رکا نہیں۔ فنی زبان تو وہ بھی اچھی طرح نہیں بول سکتا۔ البتہ سوئیڈش اور نارویجن وہ اچھی بولتا ہے۔ اس کے علاوہ فرانسیسی' اطالوی اور ہسپانوی میں بھی کام چلا ہی لیتا ہے۔''

''مگر میں کیسے کام چلاؤں گا؟ مجھے انگلش کے سوا کوئی زبان نہیں آتی۔'' ذیشان نے

احتجاج کیا۔

''تم اس کی فکر نہ کرو' بس تمہیں چوکس رہنا ہوگا۔'' ''لیکن تمہیں میری کیا ضرورت ہے؟ میں تمہیں ان کاغذات تک تو نہیں پہنچا سکتا۔''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ ممکن ہے' یعقوب کو کسی اور وجہ سے اغوا کیا گیا ہو۔'' قیصر نے کہا ''اس کا مطلب' ہے کہ کاغذات محفوظ ہیں۔ دوسرے یہ کہ تمہاری مدد سے ہم مخالف پارٹی...... بلکہ پارٹیوں کو الجھا سکتے ہیں۔ اگر تم یعقوب کی حیثیت سے فن لینڈ جاؤ تو وہ تم میں الجھے رہیں گے اور ہم کاغذات کے حصول کی کوشش کریں گے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟''

''میرا خیال تو یہ ہے کہ تم پاگل ہو۔''

قیصر نے کندھے جھٹک دیے ''میرا پیشہ ہی ایسا ہے۔'' اس نے کہا ''اور ہاں' ہم تمہیں تمہاری خدمات کا معقول معاوضہ بھی ادا کریں گے۔ ڈاکٹر لغاری تمہیں تمہاری شخصیت بھی واپس دے گا۔''

''اور ڈاکٹر نیازی؟''

''وہ بھی'' قیصر نے جواب دیا۔ اب وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ذیشان کو اپنے ذہنی طور پر ابنارمل ہونے کا علم ہے تو کس حد تک ہے۔

''اور اگر میں تعاون سے انکار کروں تو مجھے ان دونوں ڈاکٹروں کی خدمات نہیں مل سکیں گی؟'' ذیشان نے پوچھا۔

فرید کا جسم تن سا گیا۔ لیکن قیصر نے بے پروائی سے کہا ''ہم تمہارا علاج غیر مشروط طور پر کروائیں گے۔''

''تو تم مجھے بلیک میل نہیں کرو گے؟''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

ذیشان حیران نظر آیا۔ پھر اس نے سنبھلتے ہوئے پوچھا ''ان کاغذات کی کیا اہمیت ہے؟ ایسا کیا ہے ان میں؟''

''یہ میں نہیں بتا سکتا۔''

''بتا نہیں سکتے یا بتاؤ گے بھی نہیں؟''

قیصر نے کندھے جھٹک دیے ''دونوں باتیں ہیں۔ میں بتا نہیں سکتا لہٰذا بتاؤں گا بھی نہیں؟''

''تو میں تمہارے ساتھ تعاون نہیں کر سکتا اور کروں گا بھی نہیں۔''

''تم ہمارے مسائل نہیں سمجھتے۔ یہ قومی سلامتی کا معاملہ ہے۔ ہمارا اصول ہے کہ بلا ضرورت کسی کو کچھ نہیں بتایا جائے۔ اسی اصول کے تحت شیلا اور احمد کو اصل معاملات سے بے خبر رکھا گیا ہے۔''

''ضرورت!'' ذیشان کے لہجے میں طنز تھا ''مجھے اغوا کیا گیا۔ مجھ پر قاتلانہ حملہ ہوا' میرا چہرہ تبدیل کیا گیا' میرے دماغ میں گڑبڑ کی گئی...... نہیں مجھے مت ٹوکو۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ قیصر کہتے کہتے رک گیا ''مجھے معلوم ہے یہ بات' ڈاکٹر نیازی نے بتادیا ہے مجھے۔ اب میں یہ سوچتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کہ میں کون تھا۔ اور تم چاہتے ہو کہ میں خود کو خطرات میں ڈالوں' فن لینڈ جاؤں۔'' اس کی آواز لرزنے لگی ''اور میں وجہ پوچھوں تو تم کہو کہ وجہ جاننے کی ضرورت نہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟''

''آئی ایم سوری۔'' قیصر نے ندامت سے کہا۔

''مجھے ان لفظوں سے کیا ملے گا۔ بس تم مجھے اسلام آباد بھجوادو۔''

''اب بولو' بلیک میل کون کر رہا ہے؟'' قیصر چڑ گیا۔

فرید نے جلدی سے کہا ''ذیشان کا مطالبہ کچھ غیر معقول تو نہیں۔''

''میں بھی جانتا ہوں۔'' قیصر نے ذیشان کو سرد نگاہوں سے دیکھا ''ٹھیک ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا' جو کچھ میں تمہیں بتاؤں گا' اگر وہ کبھی تمہاری زبان پر آیا تو تمہاری باقی زندگی جیل میں ہی گزرے گی۔ سمجھ گئے؟''

ذیشان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''اس کے باوجود میں جاننا چاہتا ہوں۔''

قیصر کچھ دیر ہچکچاتا رہا پھر بولا ''دراصل ۳۸ء میں ابراہیم صاحب نے ایکس ریز کو منعکس کرنے کا طریقہ دریافت کرلیا تھا۔''

''بس؟'' ذیشان نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں'' قیصر نے سخت لہجے میں کہا۔

''لیکن یہ ناکافی ہے۔ آخر اس بات کی اہمیت کیا ہے؟''

''جو تم جاننا چاہتے تھے تمہیں بتادیا گیا ہے۔''

''نہیں۔ مجھے اس کی اہمیت بھی معلوم ہونی چاہئے۔''

قیصر نے گہری سانس لیتے ہوئے فرید سے کہا ''ٹھیک ہے فرید' تم ہی بتادو اسے۔''

''ابراہیم صاحب جنگ عظیم سے پہلے ریسرچ کر رہے تھے کہ اچانک ہی یہ چیز دریافت ہوگئی۔ ان دنوں اس کی کوئی خاص افادیت نہیں تھی۔ ایکس ریز کی صرف پار نکل جانے والی قوت سے محدود فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا۔ ایسے میں ان کے منعکس ہونے کو کوئی کیا اہمیت دیتا۔ چنانچہ ابراہیم صاحب نے تجسس کے باوجود اسے بے کار سمجھ کر ایک طرف رکھ دیا۔ اس سلسلے میں کوئی دستاویز شائع بھی نہیں ہوئی۔'' فرید مسکرایا ''اب لطیفہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں' ہر ملک کے محکمۂ دفاع کی لیبارٹری ایکس ریز کو منعکس کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہی ہے۔ لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔''

''مگر یہ اچانک اتنا اہم کیسے ہوگیا؟'' ذیشان نے پوچھا۔

''لیزر کی وجہ سے۔'' قیصر کے لہجے میں سنگینی تھی ''تمہیں معلوم ہے لیزر کا طریق کار کیا ہے؟''

ذیشان نے نفی میں سر ہلایا۔

''لیزر ۶۰ء میں ایجاد ہوا۔ مصنوعی یاقوت کی چار انچ لمبی اور نصف انچ قطر کی ایک سلاخ ہوتی ہے۔ جس کے ایک سرے پر چاندی کا پترا لگایا جاتا ہے تاکہ چمک دار سطح میسر آسکے۔ دوسرا سرا نصف چاندی کا ہوتا ہے۔ سلاخ کے گرد گیس سے ڈسچارج ہونے والا ایک لیمپ لگا ہوتا ہے۔ ویسا فلیش بلب جیسا فوٹوگرافی میں استعمال ہوتا ہے۔ کچھ سمجھے؟''

''اب تک تو آرہا ہے سمجھ میں۔''

''لیکن ان الیکٹرونک فلیشر میں ناقابل بیان قوت ہوتی ہے۔'' فرید نے کہا ''مثلاً پروفیشنل فوٹوگرافرز جو عام فلیش استعمال کرتے ہیں وہ ایک سیکنڈ کے ایک چھوٹے سے حصے میں کنڈینسرز کے ڈسچارج ہونے پر چار ہزار ہارس پاور ڈیولپ کرتے ہیں۔ جبکہ لیزر اپنے آغاز میں ہی اس سے کہیں زیادہ طاقت ور تھی۔ پانچ گنا طاقت ور سمجھ لو۔''

''جب فلیش استعمال کی جاتی ہے تو روشنی یاقوتی سلاخ میں داخل ہو کر اوپر نیچے تھرکتی ہے۔ وہ چمک دار کنارے پر پڑ کر منعکس ہوتی ہے تو تمام فوٹونز جو عام حالات میں منتشر ہوتے ہیں' وہاں یکجا ہوجاتے ہیں۔ فوٹونز کی یکجائی کی وجہ سے روشنی کا دباؤ جنم لیتا ہے۔ فوٹونز یکجا ہو کر یاقوتی سلاخ کے نیم چمک دار سرے سے نکلتے ہیں تو ان کے پاس بیس ہزار ہارس پاور توانائی ہوتی ہے۔ وہ روشنی چھ فٹ کے فاصلے سے ایک ریزر بلیڈ میں سوراخ کرسکتی تھی۔ اور یہ ابتدائی دور کی بات ہے۔ ایک زمانے میں تجویز پیش کی گئی کہ لیزر کی قوت کو جلیٹس میں ناپا جائے.....''

''غیر متعلق باتیں مت کرو۔'' قیصر نے اسے ٹوکا۔

"سوری" فرید نے کہا اور ذیشان کی طرف مڑا "اس دریافت کے فوجی امکانات بے حد واضح تھے۔ لیزر کو فاصلہ پیما کی حیثیت سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً اسے کسی ہدف پر اچھالا جائے تو واپس آنے والی پیمائش سے ہدف کا بالکل درست فاصلہ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ مگر ایک حقیقت بے حد حوصلہ شکن ہے۔ وہ یہ کہ لیزر میں روشنی استعمال کی جاتی ہے اور روشنی کو بہت آسانی سے روکا جا سکتا ہے۔ بادلوں کی مثال سامنے ہے جو سورج کی طاقت ور ترین روشنی کو نہایت آسانی سے روک لیتے ہیں۔"

"لیکن ایکس ریز کا معاملہ مختلف ہے۔" ذیشان نے پر خیال لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ اور ایک رکاوٹ نہ ہوتی تو ایکس رے لیزر بنانا ممکن ہوتا۔ وہ رکاوٹ یہ ہے کہ ایکس رے پار نکلتی ہے، منعکس نہیں ہوتی۔ اب تک ایکس ریز کو منعکس کرنے کا کوئی طریقہ دریافت نہیں کیا جا سکا ہے۔ اب اچانک یہ بات سامنے آئی کہ ابراہیم اتفاقاً یہ طریقہ دریافت کر چکے تھے۔"

"لیکن اس سے فائدہ کیا ہوگا؟"

"ایٹمی ہتھیار سے لیس ہزاروں میل فی گھنٹا کی رفتار سے آنے والے میزائل کا تصور کرو۔ اسے تباہ کرنے کے لئے امریکی پیٹریاٹ میزائل فائر کرنا پڑتا ہے۔ اور دونوں میزائلوں کا تصادم اپنے ملک کی فضا میں ہو تو تباہی دگنی ہو جاتی ہے۔ بہتر صورت یہ ہوتی ہے کہ دونوں میزائل دشمن کے سر پر متصادم ہوں۔ لیکن یہ حساب لگانا اتنا پیچیدہ اور باریکی کا کام ہے کہ کمپیوٹر بھی اس حساب کتاب میں بہت زیادہ وقت لیتا ہے۔ ایکس رے لیزر میسر ہو تو یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس لئے ایکس رے لیزر کی مدد سے پھینکے گئے جوابی میزائل کی رفتار روشنی کی رفتار ہوگی۔ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ......

"اور وہ پلک جھپکتے میں دشمن کے میزائل کو بلند ہوتے ہی دشمن کے عین سر پر پہنچ کر تباہ کر دے گا۔" فرید نے چہک کر کہا۔

"خدا کی پناہ! یہ تو شعاعِ مرگ ہوئی۔" ذیشان نے بے ساختہ کہا "کیا اسے اتنا طاقت ور بنایا جا سکتا ہے۔"

"کیوں نہیں۔ پہلی لیزر کے بعد سے اب تک مسلسل ارتقا کا عمل ہوتا رہا ہے۔" فرید نے کہا "اب بڑے معاملات میں منعکس ہو کر آنے والی لیزر کی قوت کو راکٹ کے انجن میں انڈیل دیا جاتا ہے اسے لاکھوں ہارس پاور تک بڑھا لیا گیا ہے۔ مگر یہ ہے اب بھی عام روشنی جسے بہ آسانی

روکا جا سکتا ہے۔ لیکن ایکس ریز منعکس ہو جائیں تو ان کی مدد سے کسی مدار میں گردش کرنے والے سیارے تک کو زمین پر مار گرایا جا سکتا ہے۔"

"اب تو تمہاری سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ اب بولو۔" قیصر نے کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ ذیشان سوچتا رہا' اگر ایسا ہو جائے تو پاکستان بلکہ پوری اسلامی دنیا ناقابل تسخیر ہو جائے گی۔ کوئی دشمن ہماری طرف ناپاک نگاہ نہیں اٹھا سکے گا۔

آخر کار وہ اٹھا' اس نے ہاتھ پھیلا کر انگڑائی لی اور ایک گہری سانس لے کر کہا "میرا نام یعقوب سعید ہے' ڈاکٹر یعقوب سعید۔"

☆☆☆☆

تین دن بعد ذیشان چائے پینے کے لئے آیا۔ اس کے ہاتھ میں اخبار تھا۔ لابی میں اسے شیلا مل گئی۔

"کوئی خاص خبر؟" شیلا نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ذیشان نے کندھے اچکائے "دنیا بڑی تیزی سے تباہی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ طیارے کے اغوا کی دو وارداتیں.... ایک کامیاب' ایک ناکام۔ ناکام واردات میں دو افراد ہلاک۔ دوسری خبر۔ ایران عراق جنگ جاری ہے۔ ایک آئل ٹینکر تباہ۔ پندرہ میل تک تیل پھیل گیا ہے۔ سمندری مخلوق کی زندگی کو خطرات لاحق۔ اور سنو گی؟"

شیلا نے چائے بناتے ہوئے کہا "کچھ جھنجھلائے ہوئے سے لگ رہے ہو۔ کیا بات ہے؟"

"اگر تم میری جگہ ہوتیں تو ان حالات میں پر سکون رہ سکتی تھیں؟"

"ماریہ کہاں ہے؟" شیلا نے گفتگو کا رخ بدلا۔

"سو رہی ہے۔"

"میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ مجھے پسند نہیں کرتی۔" شیلا نے پر خیال لہجے میں کہا "ایک دو بار وہ مجھ پر فقرے بھی چست کر چکی ہے۔ اس کا خیال ہے' اس کے ڈیڈی بری صحبت میں پڑ گئے ہیں۔"

"کمال ہے۔ بچے کتنا درست سمجھتے ہیں اپنے بڑوں کو۔" ذیشان مسکرایا۔

"بچے؟" شیلا کی بھویں تن گئیں "وہ مجھ سے صرف آٹھ نو سال چھوٹی ہے۔ اور بچی ہرگز نہیں' بھرپور عورت ہے وہ۔"

"چھوڑو، تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔" اس بار ذیشان نے موضوع بدلا "تم اس چکر میں کیسے پڑ گئیں؟"

"ہم دوغلی نسل کے لوگ ایسے ہی کاموں کے لئے مناسب رہتے ہیں۔" شیلا کے لہجے میں ہلکی سی تلخی تھی۔ "دیکھونا، میرے والد پاکستانی تھے اور ماں انگریز۔ مجھے پاکستان سے محبت ہے۔ اندر سے میں مشرقی ہوں لیکن مغرب بھی میرے لئے اجنبی نہیں۔ میں مغربی قدروں سے' آداب سے ناآشنا بھی نہیں۔ مجھ پر کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا کہ میں پاکستانی انٹیلی جینس سے تعلق رکھتی ہوں۔ یہ کام خالص پاکستانی لڑکیاں کر تو سکتی ہیں لیکن ان کے لئے یہ اتنا آسان نہیں ہوگا جبکہ میں یورپ میں یورپین ہی سمجھی جاؤں گی۔"

"اوہ۔"

"کام کی بات۔ قیصر تم سے ملنا چاہتے ہیں۔" شیلا نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ہوٹل سے نکل کر کوئی تین سو گز بائیں جانب چلنا۔ پیلے رنگ کی ایک بلڈنگ نظر آئے گی۔ دس بجے تک اس بلڈنگ کے قریب پہنچ جانا۔"

"بہت بہتر۔"

"اور لو..... وہ تمہاری چہیتی بیٹی آ رہی ہے۔" شیلا نے سرگوشی میں کہا پھر بہ آواز بلند بولی "گڈ مارننگ میری۔"

ماریہ کا منہ بن گیا "مجھے ماریہ کہا کرو۔ گڈ مارننگ ڈیڈ۔" وہ پھر شیلا کی طرف مڑی "مجھے ناشتے پر تم سے ملاقات کی امید نہیں تھی۔" اس نے کن انکھیوں سے ذیشان کو دیکھا "رات ہوٹل میں ہی رہی تھیں کیا؟"

"میں ابھی آئی ہوں' کچھ دیر پہلے۔" شیلا نے خوش گوار لہجے میں کہا "تمہارے ڈیڈی کو ایک ضروری پیغام دینا تھا۔"

ماریہ نے شیلا کو نظرانداز کرتے ہوئے ذیشان سے پوچھا "آج ہمارا کیا پروگرام ہے ڈیڈی؟"

"آج مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔" ذیشان نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا "تم اور شیلا آج شاپنگ کے لئے چلے جاؤ۔"

ماریہ کے چہرے پر سایا سا لہرایا۔ لیکن اس نے کہا "ٹھیک ہے ڈیڈی۔" شیلا کے ہونٹوں پر کمزور سی اثباتی مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆☆

ذیشان کو تلاش کرنے کی زحمت نہیں کرنی پڑی۔ قیصر زرد عمارت کے پاس ہی کھڑا ملا۔ ذیشان کو دیکھ کر وہ اس کی طرف بڑھا۔ "کیا حال ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔"

"لڑکی کے ساتھ معاملات کیسے چل رہے ہیں؟"

"میں اس کا باپ بننے کی کوشش کر رہا ہوں۔" ذیشان نے تلخ لہجے میں جواب دیا "کبھی کبھی صورت حال قابو میں رکھنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ وہ طرح طرح کے سوالات کی بوچھاڑ کر دیتی ہے۔"

"کیسے سوالات؟"

"نجی نوعیت کے' میرے رویے کے متعلق' پسند ناپسند' تبدیل ہونے کے متعلق۔"

"وہ ہے کیسی؟"

"اچھی لڑکی ہے۔ اگر گھریلو الجھنیں نہ ہوتیں تو بہت اچھی ہوتی۔"

"کیسی الجھنیں؟"

"ماں باپ کے درمیان علیحدگی سے اس پر برا اثر پڑا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ یعقوب سعید کس طرح کا آدمی ہے۔ یا تھا۔" اس نے قیصر کو استفسار طلب نگاہوں سے دیکھا "اس بارے میں کوئی خبر۔"

"کوئی نہیں۔ تم مجھے لڑکی کے بارے میں مزید کچھ بتاؤ۔"

"اس کی ماں بہت دولت مند ہے۔ اس کی اپنی مصروفیات ہیں۔ وہ لڑکی کو وقت نہیں دے پاتی' لڑکی کو بھی اس سے محبت نہیں۔ باپ اس کے لئے ہمیشہ محترم رہا ہے۔ لیکن اس نے جب بھی یعقوب کے قریب آنے کی کوشش کی' یعقوب نے اپنے طرز عمل سے اس کی حوصلہ شکنی کی۔ وہ بہت حساس ہو گئی ہے۔"

"میں یعقوب کو جانتا ہوں۔" قیصر نے کہا "اس میں انسانیت کی کوئی رمق باقی نہیں رہی ہے۔ تم اس سے بہت مختلف ہو۔"

"شکریہ!"

"تو تم لڑکی کے ساتھ ٹھیک ٹھاک جا رہے ہو نا؟ بحیثیت یعقوب۔" ذیشان نے سر ہلایا "اب تک تو سب ٹھیک ہے' آگے کا کچھ کہہ نہیں سکتا۔ کوئی ضمانت نہیں ہے کامیابی کی۔"

''میں اس کے متعلق سوچ رہا ہوں کہ کیا کرنا چاہئے۔'' قیصر نے کہا ''اگر اسے اپنے ساتھ فن لینڈ لے جاؤ' مخالف پارٹیاں کیا سوچیں گی؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' ذیشان کی بھویں تن گئیں۔

''ذرا سوچو' تو وہ اس کے متعلق معلومات حاصل کریں گے۔ پھر انہیں صحیح صورت حال کا علم ہوگا تو وہ خوش ہو جائیں گے۔ سوچیں گے' تم یعقوب کی بیٹی کو کامیابی سے دھوکا دے سکتے ہو تو مجھے بھی دے سکتے ہو۔ اس صورت حال سے ہم فائدہ اٹھا سکیں گے۔ بس تم لڑکی کو اپنے ساتھ ہیلسنکی چلنے کو کہو۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن تمہیں اس کے تحفظ کی ضمانت دینا ہوگی۔''

''وہاں اتنی محفوظ رہے گی جتنی لندن میں تھی۔''

''ٹھیک ہے۔'' ذیشان نے کہا۔

قیصر نے اس کے کندھے پر تھپکی دی ''جیسا کہ تمہیں معلوم ہے' یعقوب کمزور کردار کا آدمی ہے۔ دوران سفر تمہیں لڑکی کو یہ تاثر دینا ہوگا۔''

''لیکن اس طرح وہ اپنے باپ سے' مجھ سے ذہنی طور پر دور ہو جائے گی۔ کیا تم یہی چاہتے ہو؟''

''نہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا۔'' قیصر نے کہا اور کچھ دیر سوچتا رہا۔ ''بہر حال تمہیں حتی الامکان اس سے دور رہنا ہوگا۔ ورنہ وہ سمجھ جائے گی کہ تم یعقوب نہیں ہو۔''

''میں کوشش کروں گا۔''

''بس تو پروگرام طے ہو گیا۔ ہیلسنکی یونیورسٹی میں تمہیں ایک پروفیسر سے ملنا ہوگا۔ اس کا نام پینٹی کیران ہے۔ تمہارا سیکرٹری اپائنٹ منٹ لے لے گا۔''

''وہ پروفیسر کون ہے؟''

''پروفیسر پینٹی کسی زمانے میں ڈاکٹر ابراہیم کا اسٹنٹ رہ چکا ہے۔ تم ڈاکٹر ابراہیم کے پوتے کی حیثیت سے اس سے ملو گے اور اس سے معلوم کرنے کی کوشش کرو گے کہ ۱۹۳۷ء تک وہ لوگ کس موضوع پر کام کر رہے تھے۔'' وہ رکا اور چند لمحے توقف کے بعد بولا ''اپنی بیٹی کو ساتھ لے جانا' اس سے تمہاری حیثیت اور مستحکم ہو جائے گی۔''

ذیشان نے اسے گھور کر دیکھا ''اس کا نام ماریہ ہے اور وہ میری بیٹی ہرگز نہیں ہے۔ آئندہ کبھی ایسا نہ کہنا۔''

''ہوں'' قیصر نے گہری سوچ میں ڈوب کر کہا ''مجھے تم سے یہی ڈر ہے۔'' اس کی آواز سرگوشی نما تھی۔

قیصر ذیشان کو دور جاتے دیکھتا رہا۔ اس کے نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا فرید کی طرف بڑھا۔ ''کل روانگی ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا ''ہم فن لینڈ روانہ ہو رہے ہیں۔''

☆☆☆☆

ماریہ اپنے ڈیڈی کی طرف سے پریشان تھی۔ دوسری پریشانی یہ تھی کہ وہ پریشانی اس کے لئے ایک نیا تجربہ تھا۔ اس سے پہلے وہ صرف باپ کی توجہ حاصل کرنے کے لیے پریشان رہا کرتی تھی مگر اب وہ اس کے لیے ایک بالکل مختلف اور بے حد عجیب انداز میں سوچ رہی تھی۔

اکثر اسے اپنی سوچ پر خود شرمندگی ہونے لگتی۔

اسے پتا چلا کہ وہ بھی فن لینڈ جا رہی ہے تو اسے بے انتہا خوشی ہوئی۔ زندگی میں پہلی بار اس کے ساتھ بڑوں والا برتاؤ کیا جا رہا تھا ورنہ تو ڈیڈی ہمیشہ اسے ننھی سی بچی سمجھ کر نظر انداز کرتے تھے۔

اور اب وہ جانے کے متعلق اس سے اس کی رائے پوچھ رہے تھے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اسے اپنے ڈیڈی پر پیار آنے لگا' اس روپ میں تو وہ ان کی ہر بات مان سکتی تھی۔

لیکن شیلا کی موجودگی کانٹے کی طرح تھی۔ اس کی موجودگی میں وہ پھر خود کو اسکول گرل محسوس کرنے لگتی۔ اسے ڈیڈی اور شیلا کے تعلق کے سلسلے میں بھی پریشانی تھی۔ پہلے تو وہ سمجھی' دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ وہ مغرب میں پلی بڑھی تھی۔ وہاں ایسے تعلقات کی کوئی اہمیت نہیں تھی چنانچہ اسے کوئی شاک نہیں لگا تھا۔ مگر پھر اسے ان دونوں کے تعلقات میں عجیب سی سرد مہری نظر آئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس دونوں کے درمیان تعلق محبت کا نہیں کچھ اور ہے۔ کوئی کاروباری تعلق!

اسے اپنے ڈیڈی میں بہت سی تبدیلیاں بھی محسوس ہوئی تھیں۔ وہ باتیں کرتے کرتے اچانک خاموش ہو جاتے ہیں۔ ایسا وہ پہلے بھی کرتے تھے مگر اس سے پہلے ان کے چہرے پر عجیب طرح کی سختی اور بے مہری چھا جاتی۔ جبکہ اب اچانک خاموش ہونے سے پہلے ان کے چہرے پر ایسی ملائمت اور ہونٹوں پر ایسی دل نواز مسکراہٹ ہوتی کہ اسے ان پر پیار آنے لگتا۔

سب سے تشویش ناک بات یہ تھی کہ ڈیڈی کو دیکھ کر اس کا دل ایک مختلف' عجیب انداز

میں دھڑکنے لگتا۔ وہ متوحش بھی ہو جاتی اور شرما بھی جاتی وہ مغرب میں پلی بڑھی ضرور تھی اور اس نے وہاں کی قدریں بھی قبول کی تھیں لیکن انہیں اپنے لئے کبھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ اب وہ سوچتی کہ اس انداز میں دل دھڑکنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا مغرب کی بے راہ روی چپکے چپکے میرے اندر سرایت کر رہی ہے۔

شرم ساری مکڑی کے جالے کی طرح آہستہ آہستہ اس کے پورے وجود کو اسیر کرتی جا رہی تھی۔

اور باتیں بھی تھیں!

ڈیڈی کا حافظہ مثالی تھا۔ مگر اب لگتا تھا' ان کی یادداشت کمزور ہو رہی ہے۔ ہر چیز کے متعلق تو نہیں لیکن کبھی کبھی وہ ایسی باتیں' ایسی چیزیں بھول جاتے جس کی ان سے توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ مثلاً کپڑے کا بنا ہوا ایک ریچھ جو انہوں نے ہی ماریہ کو دیا تھا اور ریچھ کا نام تھریڈ بیئر بھی خود انہوں نے ہی رکھا تھا۔ اس کے متعلق اس سے پوچھنے لگے۔ یہ کیا ہے؟ ایسی اور بہت سی مثالیں تھیں جن میں سالگرہ کی تاریخ بھول جانا تو ماریہ کے لئے حیران کن ہی نہیں' تکلیف دہ بھی تھا۔

تاہم مثبت تبدیلیاں بھی تھیں۔ وہ پہلے کے برعکس اس کا بہت زیادہ خیال رکھنے لگے تھے۔

اسے ساتھ فن لینڈ چلنے کی دعوت دیتے ہوئے وہ متذبذب تھے۔ بہر حال ماریہ کے لئے وہ دعوت بے حد خوش کن تھی۔

''آپ وہاں کیوں جا رہے ہیں؟'' ماریہ نے پوچھا۔

''مجھے اپنے دادا کے متعلق کچھ معلوم کرنا ہے۔''

''اور وہ میرے پر دادا ہوئے لہذا میرا جانا تو بہت ضروری ہے۔'' ماریہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

وہ اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آبیٹھی۔ آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔ میں خوب صورت نہیں تو کیا ہوا' بدصورت بھی تو نہیں ہوں۔ قبول صورت ہوں اور میک اپ کی بدولت خوب صورت نظر آسکتی ہوں۔ اس نے بیگ کھول کر سامان نکالا اور ہلکا سا میک اپ کیا۔

باہر نکلتے ہوئے وہ ٹھٹکی اسے جھٹکا سا لگا۔ اس نے سوچا' یہ میں کس انداز میں سوچنے لگی۔ میں کسی اور کے ساتھ تو نہیں' اپنے باپ کے ساتھ جا رہی ہوں۔

اس نے سر جھٹک کر گویا فاسد خیالات کو باہر دھکیلا اور چل دی۔

☆☆☆☆

فن لینڈ پہنچتے ہی انہوں نے پروفیسر پینٹی کیران سے ملاقات کا پروگرام بنایا اور اپائنٹ منٹ لے لیا۔

پروفیسر کی عمر ستر سے کم نہیں تھی۔ وہ پستہ قامت' فربہ اندام اور خوش مزاج آدمی تھا۔ ماریہ کے تصور کے برعکس وہ عام پروفیسروں کی طرح خشک' بور اور آدم بیزار نہیں تھا۔ اس نے کرسی سے اٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا اور ہاتھ ملاتے ہوئے فنی زبان میں کچھ کہا۔

ذیشان نے احتجاجاً اس کے ہاتھ پر خفیف سا دباؤ ڈالتے ہوگے انگریزی میں کہا ''مجھے افسوس ہے' فنی زبان تو میں بھول چکا ہوں۔''

پروفیسر کی بھویں تن گئیں۔ اس نے رواں انگریزی میں کہا۔ ''کیوں بھئی' یہ کیا بات ہوئی؟''

ذیشان نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا ''میں جب یہاں سے گیا تو میں نے بولنا بھی نہیں سیکھا تھا۔ آپ خود سوچ لیں۔''

پروفیسر نے سر کو تفہیمی جنبش دی ''کسی زمانے میں میری اپنی جرمن بے حد رواں تھی مگر اب......'' اس نے بات نامکمل چھوڑ دی ''تو تم ابراہام کے پوتے ہو؟''

''جی۔ اور یہ میری بیٹی میری ہے۔''

''ابراہام کی پر پوتی! آج میرے لیے اعزاز کا دن ہے۔'' پروفیسر نے ماریہ کے سر پر ہاتھ پھیرا ''آپ لوگ کافی پئیں گے یا.....''

''شکریہ سر۔ کافی ہی ٹھیک رہے گی۔'' ذیشان نے کہا۔

پروفیسر دروازے تک گیا۔ اس نے کسی کو کافی لانے کو حکم دیا اور واپس آ کر بیٹھ گیا۔ ''تمہارے دادا ایک عظیم انسان تھے مسٹر یاکب۔'' وہ مسکرائے ''میں تمہارا نام ٹھیک لے رہا ہوں نا؟''

''جی ہاں۔''

''اور سناؤ تم یہاں کیسے؟''

''یہ میرے لئے وطن بھی تو ہے۔'' ذیشان نے بہت ہشیاری دکھائی ''میں پیدا تو یہیں ہوا تھا۔ میرے باپ دادا کی قبریں یہاں ہیں۔''

''ایک بات بتاؤ مسٹر یاکب۔'' پروفیسر نے پوچھا ''ہندوستان تو بہت گرم ملک ہے۔''

تمہارے دادا نے انگریزوں کے دور میں ''انڈیا چھوڑ دو'' تحریک کے دوران اتنے سرد علاقے کا رخ کیوں کیا؟''

''میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا لیکن میری ایک تھیوری ہے اس سلسلے میں۔ دراصل پشتینی طور پر ہم لوگ پہاڑی علاقے کے رہنے والے ہیں جہاں سارا سال برف جمی رہتی ہے۔ دوسری تھیوری یہ ہے کہ ممکن ہے' یہ میرے دادا کا خود کو سزا دینے کا طریقہ رہا ہو۔ ممکن ہے ان کے نزدیک وطن کی آزادی کے لئے لڑنے کے بجائے وطن چھوڑ دینا ناگریز ہونے کے ساتھ ساتھ بزدلی بھی رہا ہو۔''

''بہت خوب۔ دلچسپ تھیوری ہے۔'' پروفیسر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''اب تمہاری یہاں آمد کے سلسلے میں ایک تھیوری میرے پاس بھی ہے۔''

ذیشان بے چین ہونے لگا۔ فن لینڈ آنے کے بعد اسے ہر لمحے پول کھل جانے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ ''جی فرمایئے۔'' اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے' تم اپنے دادا کے متعلق کچھ معلوم کرنے آئے ہو۔''

ذیشان نے سکون کا سانس لیا۔ ''جی ہاں۔ ڈیڈی نے مجھے بتایا تھا کہ جنگ سے پہلے آپ' دادا کے ساتھ کام کرتے رہے تھے۔''

''ہاں۔ تمہارے دادا عظیم سائنس داں ہی نہیں' بہت اچھے استاد بھی تھے۔ میرے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ان کی لیبارٹری میں کام کرتے تھے۔ میرا خیال ہے' ہم چار افراد تھے۔ بڑی منظم ٹیم تھی ہماری۔ اب تو صرف میں ہی بچا ہوں۔'' اس نے انگلیوں پر گننا شروع کر دیا۔ ''اولیو نے آرمی جوائن کر لی تھی۔ وہ محاذ پر لڑتے ہوئے مارا گیا۔ لزا وائے پوری پر بمباری کے دوران ماری گئی۔ کاج سلوجی کینسر میں مبتلا ہو کر مرا۔ اور اپنے دادا کے بارے میں تو تم جانتے ہی ہو گے۔''

''آپ لوگ کسی خاص پروجیکٹ پر کام کر رہے تھے؟'' ذیشان نے پوچھا۔

''کبھی کبھی ہم لوگ ایک ہی منصوبے پر کام کرتے تھے اور کبھی الگ الگ۔'' پروفیسر آگے کو جھک آیا۔ ''ابراہام ہر معاملے میں ہمارے رہنما ہوتے تھے۔''

ذیشان سے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ پھر اس نے پوچھا۔ ''جنگ سے پہلے میرے دادا کسی خاص موضوع پر کام کر رہے تھے؟''

پروفیسر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ''ان دنوں ہمارا پسندیدہ موضوع ایٹم تھا۔ وہ عظیم دریافتوں کا دور تھا۔ لیکن کچھ ہی عرصے میں ایٹم کا ایکسائٹ منٹ ختم ہو گیا۔''

''تو میرے دادا ایٹم پر ریسرچ کر رہے تھے؟'' ذیشان نے اسے کریدا۔ ''اس کے علاوہ بھی کوئی موضوع ہوگا۔''

''آہ..... ہاں۔'' پروفیسر نے پیشانی ملتے ہوئے کہا۔ ''کافی وقت گزر چکا ہے۔ ٹھیک طور پر یاد کرنا تو مشکل ہو گیا ہے۔'' وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ ''اوہ..... مجھے یاد پڑتا ہے' وہ ان دنوں شاید ایکس ریز پر کام کر رہے تھے؟''

''آپ بھی اس پروجیکٹ میں ان کے شریک تھے؟''

''نہیں۔'' پروفیسر کے لہجے میں ناگواری تھی۔ ''ان دنوں ہم لوگ اپنے اپنے کام میں یوں مگن رہتے تھے کہ کسی اور بات کا ہوش ہی نہیں رہتا تھا۔ افسوس! اب وہ بات ہی نہیں رہی۔ اور جہاں تک ایکس ریز پروجیکٹ کا تعلق ہے' اس سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص اب زندہ نہیں۔

اگلے ڈیڑھ گھنٹے' ذیشان پروفیسر سے اس کے ماضی کے متعلق گفتگو کرتا رہا' جس سے وہ خود بے خبر تھا اور غیر متعلق بھی۔ وہ سوالات کے ذریعے معلومات جمع کرتا رہا۔ اس دوران ماریہ کا خیال کسی کو بھی نہیں رہا۔ پھر ذیشان کو ہی اس کا خیال آیا۔ اس نے پروفیسر سے اجازت لی۔ پروفیسر انہیں رخصت کرنے دروازے تک آیا۔

وہ باہر نکل آئے۔ ماریہ گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ذیشان نے اس کی کیفیت محسوس کر لی۔

''کیا بات ہے۔ کن سوچوں میں ڈوبی ہوئی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''ماریہ نے اسے بغور دیکھا۔ ''آپ کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا کہ آپ پروفیسر سے کچھ کریدنا چاہتے ہیں۔''

ذیشان سن ہو کر رہ گیا۔ لڑکی خطرناک حد تک ذہین اور سمجھ دار معلوم ہو رہی تھی۔ ''میں اپنے دادا کے متعلق زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتا ہوں۔'' اس نے سنبھل کر جواب دیا۔

''میرا خیال ہے' آپ دادا سے زیادہ ایکس ریز پروجیکٹ میں دلچسپی لے رہے تھے۔'' لڑکی نے اپنی معاملہ فہمی کا ایک اور ثبوت پیش کیا۔

''میں دادا کے کام میں دلچسپی لیے بغیر تو نہیں رہ سکتا۔''

''لیکن آپ نے جواب میں پروفیسر کو تو کچھ نہیں بتایا۔'' ماریہ نے ترش لہجے میں کہا۔ ''انہوں نے جب کچھ پوچھا' آپ نے گفتگو کا رخ بدل دیا..... یا موہوم سا جواب دیا۔''

''مجبوری ہے۔ میرا تعلق محکمۂ دفاع سے ہے۔ سیکیورٹی کی وجہ سے میں اہم معاملات

پر کسی غیر ملکی سے گفتگو نہیں کر سکتا۔''

''حالانکہ آپ یہاں پیدا ہوئے اور یہ آپ کا وطن ہے...... خود بقول آپ کے۔'' ماریہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں کہیں بھی پیدا ہوا ہوں' اول و آخر پاکستانی ہوں میں۔''

''واقعی!'' ماریہ کا لہجہ مضحکہ اڑانے والا تھا۔

وہ ایک جیولرز شاپ کے قریب سے گزر رہے تھے کہ ذیشان نے ہاتھ تھام کر ماریہ کو روک دیا۔ ''آؤ میرے ساتھ۔''

اندر جا کر اس نے ہیروں کا وہ نیکلس طلب کیا' جسے شوکیس میں دیکھ کر وہ ٹھٹکا تھا۔ نیکلس بے حد خوب صورت تھا۔ درمیان میں دل کی شکل کا بڑا ہیرا تھا' جس کے ارد گرد چھوٹے ہیرے تھے۔ نیکلس کی قیمت ڈھائی سو پونڈ تھی۔ ذیشان نے یعقوب کے کریڈٹ کارڈ کے ذریعے ادائیگی کی۔ اس میں کوئی غیر فطری بات بھی نہیں تھی۔ یعقوب اپنی بیٹی کو اس سے زیادہ قیمتی تحفہ بھی دے سکتا تھا۔ مگر ذیشان لڑکی کی توجہ اہم معاملات سے ہٹانا چاہتا تھا۔

''یہ تمہاری سالگرہ کا تحفہ ہے۔''

ماریہ خوش ہوگئی۔ ''شکریہ ڈیڈی۔ بہت بہت شکریہ۔''

وہ ہوٹل کی طرف چل دیے۔ ''میں بھی آپ کو ایک چیز دینے والی ہوں۔'' ماریہ نے کہا۔

''اوہ.... وہ کیا ہے؟''

''میں نے سوچا' جب آپ فن لینڈ آ ہی گئے ہیں تو یہاں کے حمام سے کیوں نہ استفادہ کریں۔''

ذیشان ہنسا۔ ''مگر میں تو زندگی میں کبھی حمام نہیں گیا۔'' اس نے خوش دلی میں کہا۔

ماریہ چلتے چلتے یک لخت ساکت ہوگئی۔ وہ عجیب سی نظروں سے ذیشان کو دیکھ رہی تھی۔

''لیکن اپنے لڑکپن میں آپ......''

''وہ بات اور ہے۔'' ذیشان نے جلدی سے کہا اور دل ہی دل میں اپنی زبان کو کوسا' جو بے سوچے سمجھے پھسل گئی تھی۔ قیصر نے اسے کتابیں دی تھیں' جن میں فن لینڈ کے متعلق معلومات تھیں۔ وہ اس نے اب تک دیکھی بھی نہیں تھیں۔ ''وہ زمانہ تو اب محض ایک بھولی بسری یاد ہے۔'' اس نے بات بنائی۔

''تو اب بھولی بسری یاد کو تازہ کر لیجیے گا۔'' ماریہ نے کہا۔ لندن میں ایسے کئی حمام ہیں۔

میں وہاں جاتی رہی ہوں۔ مجھے تو بہت اچھا لگا سونا حمام۔ میں نے ہوٹل کے سونا حمام میں دو افراد کی بکنگ کرالی ہے۔

''شکریہ۔ یہ بہت اچھا کیا تم نے۔'' وہ منمنایا۔

☆☆☆☆

موقع ملتے ہی ذیشان اپنے کمرے میں سے نکل آیا۔ پبلک فون سے اس نے قیصر کا دیا ہوا نمبر ملایا اور پروفیسر سے اپنی ملاقات کی تفصیل دہرائی۔

''چلو' کم از کم اس بات کی تصدیق تو ہوگئی کہ جنگ سے پہلے یعقوب کے دادا ایکس ریز پر کام کر رہے تھے۔ لیکن یہ بات کسی کو معلوم نہیں۔ یہ خبر بے حد حوصلہ افزا ہے۔''

''ہاں۔'' ذیشان نے مختصراً کہا۔

''کیا بات ہے' تم ناخوش معلوم ہو رہے ہو؟''

''میرا ذہن ایک اور مسئلے میں الجھا ہوا ہے۔''

''وہ کیا؟''

''ماریہ نے آج سونا باتھ کے لیے بکنگ کرالی ہے۔ میں اس کے ساتھ کیسے جا سکتا ہوں۔ مجھے تو گھبراہٹ ہو رہی ہے سوچ سوچ کر۔''

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر قیصر بولا تو اس کے لہجے میں شرارت تھی۔ ''لڑکے' تم غلط سمجھ رہے ہو۔ یہ ماڈرن یورپ نہیں' ہیلسنکی ہے۔ یہاں عورتوں اور مردوں کے حمام الگ الگ ہوتے ہیں۔''

''اوہ۔'' ذیشان نے مطمئن ہو کر کہا۔ ''شکر ہے خدا کا۔''

''تم نے وہ کتابیں نہیں پڑھیں' جو میں نے تمہیں دی تھیں؟'' قیصر نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''ایک کے علاوہ سب پڑھ لی ہیں۔ ممکن ہے' اسی میں سونا باتھ کے متعلق کچھ ہو۔''

''اب وہ کتاب ضرور پڑھ لو۔ یعقوب سعید سونا باتھ سے پوری طرح واقف تھا۔ وہ اسے کبھی بھول بھی نہیں سکتا۔''

''ٹھیک ہے۔ پڑھ لوں گا۔''

ذیشان فون کر کے واپس آیا اور وہ کتاب تلاش کر کے پڑھی۔ ترکی کا حمام ذرا سی تبدیلیوں کے ساتھ فن لینڈ اور باقی دنیا میں سونا باتھ کہلاتا تھا..... ہر چھ افراد کے لئے ایک سونا

ہوتا تھا۔ ذیشان نے سکون کا سانس لیا۔ اس کا مطلب ہے' فنی قوم صفائی پسند ہے۔ اس نے سوچا۔

اس دور کے سوانا میں اب جدید طرز کے آلات استعمال ہو رہے تھے۔ ذیشان کو دلچسپی محسوس ہونے لگی۔

چھ بجے ماریہ کا فون آیا۔ ''آپ تیار ہیں؟''

''بالکل۔''

''میں سوانا سے نکلنے کے بعد آپ کو سوئمنگ پول کے پاس ملوں گی۔ آپ نے کپڑے اور دیگر چیزیں لے لی ہیں نا؟''

''ہاں۔ تم بے فکر رہو۔''

''تو پھر ساڑھے چھ بجے ملاقات ہوگی۔''

رابطہ منقطع ہو گیا۔

وہ کپڑے وغیرہ لے کر نیچے پہنچا۔ مردوں کا سوانا تلاش کرنے میں اسے کوئی خاص دشواری نہیں ہوئی۔ وہاں اور لوگ بھی اپنی باری کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ وہ بھی قطار میں بیٹھ گیا۔ پھر وہ سوانا کے برابر بنے کمرے میں گیا اور تولیہ لپیٹ لیا۔ اب وہ سوانا کے لئے تیار تھا۔

اندر بے حد گرمی تھی۔

اس نے کن انکھوں سے دیکھا' ایک شخص تولیہ لپیٹے بینچ پر لیٹا تھا۔ اس نے بھی ایسا ہی کیا کمرا بھاپ کی وجہ سے بے حد گرم تھا لیکن بینچ تو باقاعدہ تپ رہی تھی۔ ذیشان کے ایک ایک مسام سے پسینہ بہہ نکلا۔ اس نے دیوار پر نصب تھرمامیٹر میں درجہ حرارت دیکھا۔ ۱۱۵ درجے! اور تھرمامیٹر سینٹی گریڈ ظاہر کر رہا تھا۔

''خدا کی پناہ!'' وہ بڑبڑایا ''سو درجے پر تو پانی ابلنے لگتا ہے۔''

ایک شخص سوانا سے نکلا۔ اب اس کی باری تھی۔ اس کے پیر سن ہو گئے۔

وہ اندر داخل ہوا۔ چوڑے کندھوں والا ایک پستہ قامت آدمی ٹب میں پانی ڈال کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے فنی زبان میں کچھ کہا۔

''سوری۔ مجھے فنی زبان نہیں آتی۔'' ذیشان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''پہلی بار فن لینڈ آئے ہو؟'' اس شخص نے انگریزی میں پوچھا۔

''ہاں۔'' ذیشان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اس نے جلدی سے اضافہ کیا ''پیدا یہیں ہوا تھا میں۔ ایک بار لڑکپن میں آ بھی چکا ہوں لیکن وہ نہ آنے ہی کے برابر ہے۔''

اس شخص نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اس کے چہرے پر پسینہ چمک رہا تھا ''سوانا پہلی بار آئے ہو۔''

ذیشان کو جھنجلاہٹ ہونے لگی۔ یہ بیکار کے سوالات اسے بے حد خطرناک محسوس ہو رہے تھے ''نہیں۔ لڑکپن میں فن لینڈ آیا تو سوانا اکثر جایا کرتا تھا۔'' اس نے خود پر قابو رکھتے ہوئے جواب دیا۔

اس شخص نے سر کو پھر تفہیمی جنبش دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے قریب رکھی بالٹی سے لکڑی کا ڈونگا بھر کر پانی نکالا اور قریب پڑے ہوئے پتھروں میں سے ایک پتھر پر اچھال دیا جو بری طرح تپ رہے تھے۔

گرمی کی ایک تند لہر بگولے کی طرح اٹھی اور تھپیڑے کی طرح ذیشان کے جسم سے ٹکرائی۔ اس کا اثر ایسا ہی تھا جیسے طوفان میں سمندر کی کوئی منہ زور موج کسی جہاز کو ہلا ڈالتی ہے۔

''تم بہت پہلے آئے ہو گے یہاں۔'' اس شخص نے تبصرہ کیا۔

ذیشان سر کو اثباتی جنبش دے کر رہ گیا۔

کوئی دو منٹ بعد اس شخص نے پھر بالٹی سے ڈونگا بھر کر نکالا۔ ذیشان نے سختی سے اپنے دانت پر دانت جما دیئے۔ جس چیز سے فنی لوگ محظوظ ہو سکتے تھے وہ کم از کم اسے برداشت تو کر سکتا تھا۔

اس شخص نے ڈونگے کا پانی گرم پتھر پر اچھالا۔ پھر اس نے پوری بالٹی اٹھا کر تپتے ہوئے قریب ترین پتھروں پر اچھال دی۔ اسی کے ساتھ وہ تیزی سے حمام کے دروازے کی طرف بڑھا اور پلک جھپکتے میں حمام سے نکل گیا۔ دروازہ پھر بند ہو گیا تھا۔

اس بار گرمی کی تند موجیں طوفان بلاخیز کی طرح اٹھیں۔ ذیشان کو ایسا لگا کہ اس پر عملاً جہنم کے دروازے کھل گئے ہیں۔ وہ گرمی اس کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ وہ ہانپنے لگا۔ اس کی سانسیں سینے میں سما رہی تھیں۔ اس کے ذہن میں جو پہلا خیال آیا وہ یہ تھا کہ وہ شخص کوئی سنگین مذاق کرنے کا شوقین تھا جس نے ایک مبتدی کے ساتھ قاتلانہ چھیڑ خانی کی تھی۔

اس کا سر گھومنے لگا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کی ٹانگیں تو جیسے ربڑ کی ہو گئی تھیں۔ اور ربڑ کبھی گوشت پوست کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

وہ فرش پر ڈھے گیا۔ وہ رینگ رینگ کر دروازے کی طرف بڑھتا رہا۔ تپتا ہوا چوبی فرش اس کے ہاتھوں اور جسم کو جھلسائے دے رہا تھا' اس کی آنکھوں میں تاریکی اترتی جا رہی تھی۔

اس نے اپنے ہاتھ کو دروازے کے ہینڈل کی طرف بڑھتے دیکھا۔اسی لمحے تاریکی نے اسے پوری طرح نگل لیا۔وہ فرش پر گرا اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔

اس نے دروازہ کھلتے بھی نہیں دیکھا۔اور اسے یہ احساس بھی نہیں ہوا کہ اسے اسٹریچر پر ڈال کر لے جایا جا رہا ہے۔

☆☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تب بھی تاریکی تھی۔

وہ ساکت لیٹا رہا۔سر میں رہ رہ کر ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔حواس کچھ بحال ہوئے تو اس نے چاروں جانب دیکھا اور ہاتھ پیر ہلائے۔اسے یاد آیا کہ وہ سونا باتھ میں کسی کے مذاق کا نشانہ بنا تھا۔اور گرمی کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا تھا۔

اب شاید میں اپنے کمرے میں ہوں' اس نے سوچا۔

اس کا اوپری دھڑ برہنہ تھا۔اس نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی مگر اٹھ نہ سکا۔ساتھ ہی چھناکے کی آواز آئی تو اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھوں اور پاؤں پر بیڑیاں ہیں۔

اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی لیکن اس میں بھی ناکام رہا۔

ذرا دیر بعد اس نے پھر اٹھنے کی کوشش کی اور اس بار کامیاب ہو گیا۔اس کے پاؤں آزاد تھے یعنی وہ چل پھر سکتا تھا۔لیکن نہیں نقاہت اس درجہ تھی کہ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

اس نے سوچا' یہ سب حمام کا کیا دھرا ہے۔لیکن فوراً ہی اس نے اس خیال کو مسترد کر دیا۔اگر سونا باتھ میں سب کا یہی حشر ہوتا تو وہاں اتنے شوق سے کون جاتا۔

کہیں سے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔وہ سمت کا اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔پھر ایک دروازہ کھلا۔روشنی سی نظر آئی اور فوراً ہی معدوم بھی ہو گئی۔کسی نے اس کے چہرے پر روشنی ڈالی۔جو اتنی تیز تھی کہ اس...... کی اندھیرے کی عادی آنکھیں چندھیا گئیں' ''اوہ.... تو ڈاکٹر یا کب اٹھ گئے ہیں۔بلکہ بیٹھ بھی گئے ہیں۔'' کسی نے کہا۔

ذیشان نے کھڑے ہونے کی کوشش کی۔

''نہیں ڈاکٹر۔ ہلنے کی ضرورت نہیں' یونہی بیٹھے رہو۔'' اس آواز نے پھر کہا۔لہجے میں سرد مہری تھی۔ ''جانتے ہو یہ کیا ہے؟''

اتنی دیر میں ذیشان کی نظریں اس محدود روشنی کی عادی ہو گئی تھیں۔اس کا مخاطب بہر

حال تاریکی میں تھا لیکن اس کے ہاتھ میں موجود پستول صاف دکھائی دے رہا تھا۔

''جانتے ہو نا' یہ کیا ہے؟'' مخاطب نے پھر پوچھا۔لہجے میں سختی تھی۔

ذیشان کا حلق خشک ہو رہا تھا۔یہ پستول ہے۔لیکن تم چاہتے کیا ہو......؟'' اس نے جرأت کر کے پوچھا۔

''ضرور بتائیں گے تمہیں۔''

روشنی کبھی اس کی آنکھوں کی طرف پھینکی جا رہی تھی اور کبھی ایک دم اندھیرا کر دیا جاتا تھا۔

''پہلے تم اپنے زخم کے متعلق بتاؤ۔تمہاری پسلی پر زخم کیسا ہے؟''

''ناروے میں غنڈوں کا ایک ٹولہ میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔لگتا ہے وہی لوگ میرے پیچھے پیچھے فن لینڈ تک چلے آئے ہیں۔''

''اوہ.... تو تم مسلسل مشکلات کا شکار ہو رہے ہو۔'' ان دیکھے مخاطب نے شرارت بھرے لہجے میں کہا'' تم نے اس واقعے کی رپورٹ کی تھی پولیس کو؟''

''تو کیا نہ کرتا؟ یہی نہیں' میں نے اوسلو میں پاکستانی سفارت خانے میں بھی رپورٹ کی تھی۔''

''سفارت خانے میں کس سے ملے تھے تم؟''

''فرید نامی ایک شخص پولیس اسٹیشن آیا تھا اور وہاں سے مجھے اپنے ساتھ سفارت خانے لے گیا تھا۔'' ذیشان نے کہا اور پھر سخت لہجے میں بولا'' میں نے تمہیں بہت کچھ بتا دیا' بہت سوال جھیل لئے۔اب میں کچھ نہیں بتاؤں گا تمہیں۔پہلے تمہیں بتانا ہو گا کہ تم کون ہو۔''

پستول کی نال کا رخ اس کی طرف ہو گیا۔جواب تو تمہیں دینے پڑیں گے' وہاں قیصر سے ملاقات ہوئی تھی تمہاری؟''

''نہیں۔''

''جھوٹ بولنے سے کوئی فائدہ نہیں۔''

''اگر تمہیں سب کچھ معلوم ہے اپنی دانست میں' تو مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟ میں قیصر نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتا۔''

''میں تمہیں ایک بات بتا دوں۔'' اندھیرے میں موجود شخص نے سخت لہجے میں کہا'' تمہاری بیٹی اس وقت ہمارے پاس ہے۔''

ذیشان کے اعصاب تن گئے۔چند لمحے وہ خاموش بیٹھا رہا پھر اس نے کہا'' جب تک تم

یہ بات ثابت نہیں کرو گے' میں اس پر یقین نہیں کروں گا۔

''یہ کوئی بڑی بات نہیں۔'' پستول بردار نے بے پروائی سے کہا' ٹیپ ریکارڈر کی ایجاد نے بڑی آسانیاں فراہم کردی ہیں۔''

کلک کی آواز سنائی دی۔ چند لمحے بے ہنگم سا شور ہوتا رہا پھر ایک مرد کی صاف آواز سنائی دی ''میں یہ جانتا ہوں کہ تمہارا باپ فن لینڈ کس لئے آیا ہے۔؟'' آواز بھاری اور لہجہ تحکمانہ تھا۔

''وہ یہاں تفریحاً آئے ہیں چھٹیاں گزارنے۔''

وہ ماریہ کی آواز تھی۔ صاف اور واضح اس میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں تھی' البتہ آواز دور سے آتی محسوس ہوئی تھی۔ ایسے جیسے فون پر بات کی جارہی ہو۔

''یہ تمہیں اس نے بتایا ہوگا؟'' مرد کی آواز پھر ابھری۔

''تو اور کون بتاتا۔'' ماریہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''لیکن آج تمہارے باپ نے پروفیسر کیران سے ملاقات کی تھی' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں کوئی کام بھی ہے۔''

''وہ اپنے دادا کے متعلق کچھ معلوم کرنے کی غرض سے وہاں گئے تھے۔''

''کیا معلوم کرنا تھا؟''

کچھ دیر خاموشی رہی' پھر مرد کی آواز ابھری' بتاؤ مس یاکب' اگر تم سچ بولو گی تو تمہیں اور تمہاری ڈیڈی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ہم تمہیں بحفاظت ہوٹل پہنچا دیں گے۔''

کلک کی آواز سنائی دی اور ٹیپ ریکارڈر آف ہو گیا۔

''سن لیا تم نے؟'' پستول بردار نے کہا' ''لیکن میں اپنے ساتھی کے آخری جملے کی گارنٹی نہیں دے سکتا۔ ہاں' تو ہم کیا بات کر رہے تھے۔ ہاں قیصر کی..... اس نے تم سے کیا کہا ہے؟''

''وہ مجھ پر برسا تھا کہ وہ روڈ ایکسیڈنٹ کیوں ہوا۔''

''میں سچ سننا چاہتا ہوں مسٹر یاکب۔'' پستول بردار نے چیخ کر کہا ''تم اپنی بیٹی کو لے کر یہاں فن لینڈ کیوں آئے ہو؟'' اس نے پستول لہرایا ''جلدی جلدی سب کچھ بتا دو ورنہ تمہاری بیٹی کا انجام بہت برا ہوگا۔''

ذیشان چند لمحے خاموش رہا۔ وہ کوئی متاثر کن جواب گھڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آخر کار اس نے کہا ''ہم یہاں فنی حکومت سے مذاکرات کے لئے آئے ہیں۔''

''کس سلسلے میں؟''

''ایک دفاعی منصوبے کے سلسلے میں۔''

''تمہیں کس سے ملنا ہے یہاں؟''

''میں اس سے ابھی ملا نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے' مجھے جس سے ملنا ہے وہ ملٹری انٹیلی جینس سے تعلق رکھتا ہے۔''

''نام کیا ہے اس کا؟'' ذیشان خاموش رہا تو پستول پھر لہرایا ''نام بتاؤ جلدی سے وقت ضائع مت کرو۔''

ذیشان فنی طرز کا کوئی نام سوچ رہا تھا اس نے جھجکتے ہوئے کہا ''سائیریان''

''انجینئر تو نہیں؟''

''نہیں۔ وہ کرنل ہے۔'' ذیشان نے کہا۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ فنی فوج میں یہ رینک ہوتا بھی ہے یا نہیں۔ وہ کان لگائے کمرے سے باہر کی آوازیں سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن وہاں مکمل خاموشی تھی۔

''منصوبے کی نوعیت کیا ہے؟''

''کچھ الیکٹرونکس آلات ہیں جن کی مدد سے روسی سگنل پکڑے جا سکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے خفیہ نوعیت کی براڈ کاسٹنگ۔''

کمرے میں مکمل تاریکی اور خاموشی چھا گئی'' کیا تمہیں نہیں معلوم کہ یہ کام بہت پہلے کیا جا چکا ہے؟''

یہ درست ہے لیکن میرا طریقہ مختلف ہے۔''

''چلو مان لیا۔ اب اپنے طریقے کار کے متعلق بتاؤ۔ دیکھو مجھے درست جواب چاہیے ورنہ میں......''

''میں بتاؤں گا لیکن پہلے میری بیٹی کی آواز کا ٹیپ ایک بار اور سناؤ۔''

''کیوں؟''

''وجہ مت پوچھو۔ ٹیپ دوبارہ سنے بغیر تم میرے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں اگلوا سکو گے۔'' ذیشان کے لہجے میں بڑا یقین تھا۔

''ٹھیک ہے' سن لو۔''

• پستول بھی تاریکی میں گم ہوگیا' کلک کی آواز گونجی۔ اسی بھاری' تحکمانہ آواز نے پوچھا

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارا باپ فن لینڈ کس لیے آیا ہے؟"

"وہ یہاں تفریحاً آئے ہیں' چھٹیاں گزارنے۔" ماریہ کی آواز تھی۔

ذیشان نے زنجیر میں بندھے ہاتھ آہستہ آہستہ بلند کیے۔ بظاہر اس کا دھیان ٹیپ کی آوازوں پر تھا۔ زنجیریں تن رہی تھیں۔ اس نے دونوں ہاتھ پوری طرح پھیلا لئے تھے۔

"وہ اپنے دادا کے متعلق کچھ معلوم کرنے کی غرض سے وہاں گئے تھے" ٹیپ چل رہا تھا۔

"کیا معلوم کرنا تھا؟"

ٹارچ کی روشنی میں ذیشان کو پستول بردار ایک سائے کی طرح نظر آ رہا تھا لیکن وہ خود اندھیرے میں تھا۔ اس نے ٹانگوں کو آہستگی اور احتیاط سے جنبش دی۔ وہ چیک کرنا چاہتا تھا کہ بے آواز حرکت ممکن ہے یا نہیں۔

نیم تاریکی میں پستول بردار کی طرف سے کوئی ردعمل نہیں ہوا تو اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ آخری حد تک پھیلائے اور اچانک آگے کی طرف چھلانگ لگائی۔ اپنی پھرتی پر وہ خود بھی حیران رہ گیا۔

اس کا اندازہ درست تھا۔ پستول بردار وہاں اکیلا ہی تھا۔ خوش قسمتی سے ذیشان کے ہاتھ کی زنجیر پستول بردار کے حلق پر لگی۔

ٹیپ ریکارڈر اور ٹارچ نیچے گرے۔ ٹارچ لڑھکتی چلی گئی۔ ٹارچ بھی روشن تھی اور ٹیپ ریکارڈر چل رہا تھا۔ لیکن ٹارچ کی روشنی ایک جگہ تک محدود تھی۔

ذیشان' پستول بردار کی گردن پر زنجیر کا دباؤ بڑھاتے جا رہا تھا۔ آخر کار پستول بردار کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔

ذیشان نے نیچے گرا ہوا پستول اٹھایا اور دروازے کی طرف چھلانگ لگائی' دروازہ لاک نہیں تھا' ٹیپ سے بدستور آوازیں آ رہی تھیں۔

دروازے سے وہ راہداری میں نکلا۔ وہاں مدھم روشنی تھی۔ وہ آگے کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ ٹیپ سے اسے شیلا کی دور ہوتی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ماریہ تمہارا یہ رویہ تمہارے لیے مضر ثابت ہو سکتا ہے۔

ذیشان نے لفظ تو سنے لیکن اس کے پاس رک کر ان پر غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ راہداری کے اختتام پر وہ ایک بند دروازے سے ٹکرایا۔ اس نے دروازہ کھولا تو ہوٹل کی روشن راہداری سامنے تھی' وہ بھی سنسان پڑی تھی۔ وہ لفٹ کی طرف لپکا۔ روشن تیر سے پتا چلا کہ لفٹ

نیچے جا رہی ہے۔ وہ سیڑھیوں کی طرف لپکا۔

زینوں سے اوپر آتی عورت نے اسے دیکھا تو اس کا منہ کھل گیا۔ وہ بری طرح چیختی ہوئی اوپر بھاگی۔

لابی میں چیخ کر اس نے شور مچانا شروع کر دیا "پولیس' پولیس....... مدد' مدد...... اسے اپنے حلیے کا بالکل احساس نہیں تھا۔ اوپری بدن برہنہ' کلائیوں میں زنجیریں' ہاتھ میں پستول اور اس پر اس کا پولیس پولیس چلانا۔

☆☆☆☆

"ناقابل یقین۔" قیصر نے کہا مگر اس کے لہجے میں جان نہیں تھی۔

"یہ سب کچھ میرے ساتھ ہوا ہے۔" ذیشان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

فرید بھی سناٹے میں بیٹھا تھا "کوئی گڑبڑ کی گئی ہوگی۔" وہ بولا "ورنہ سونا تو بے حد فرحت بخش عمل ہوتا ہے۔"

"تو اس شخص نے تمہیں ڈاکٹر یعقوب سمجھ کر بات کی تھی؟" قیصر نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"وہ مسلح تھا۔ تمہیں اس پر حملہ کرنے کا خیال کیوں آیا؟"

"اس کی توجہ ٹیپ کی طرف تھی۔ پھر میں نے یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ ماریہ ان کے قبضے میں نہیں ہے۔ وہ تو بس مختلف آوازوں کے ٹکڑے تھے جنہیں جوڑ کر مربوط کر لیا گیا تھا۔ اس چیز نے مجھے بڑا حوصلہ دیا۔"

قیصر کی آنکھوں میں ذیشان کے لیے ستائش تھی "بہت خوب!"

"ماریہ ہوٹل میں موجود تھی۔ ایک شخص اس کی میز پر آ بیٹھا۔ اس نے زبردستی ماریہ سے باتیں شروع کر دیں۔ میرا خیال ہے گلدان میں یا کسی ایش ٹرے میں بگ موجود تھا۔ جس کی وجہ سے وہ گفتگو ریکارڈ ہوئی جو تمہیں سنوائی گئی۔ شیلا بھی وہاں موجود تھی۔ اس نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ اسی لئے انہوں نے تمہیں پورا ٹیپ نہیں سنوایا۔ شیلا کی آواز تم نے وہاں سے فرار ہوتے ہوئے سنی۔"

ذیشان کو شیلا کی آواز سننا یاد تھا۔

"بعد میں شیلا اور ماریہ کے درمیان میں تلخی بھی ہوئی۔" فرید نے مسکراتے ہوئے کہا "ماریہ تمہیں دنیا کی تمام بری عورتوں سے بچانا چاہتی ہے۔"

"خدا کی پناہ!" ذیشان کراہا۔

"تمہارا باپ کا کردار دشوار ہوتا جا رہا ہے۔" فرید اب بھی مسکرا رہا تھا۔

"ماریہ کو علم ہے کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے؟"

قیصر نے گھڑی میں وقت دیکھا "صبح کے چھ بجے ہیں۔ وہ اس وقت سو رہی ہوگی۔ کوئی بہانہ بنا دینا۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے حقیقت کا علم ہو۔"

"اس سے کچھ نہیں چھپایا جا سکتا۔" فرید نے کہا "اخبارات میں بڑی دلچسپ خبر لگے گی" ڈاکٹر یاکب شہر کے بہترین ہوٹل میں' مضحکہ خیز حلیے میں مدد کے لیے چیختے پائے گئے۔ نہیں' اس خبر کو چھپانا ناممکن ہے۔"

"تم نے یہ حماقت کیوں کی؟" قیصر' ذیشان پر الٹ پڑا" ذیشان نے صفائی پیش کی "پھر میں نے یہ بھی سوچا کہ اگر میری جگہ اصل ڈاکٹر یعقوب ہوتا تو وہ کیا کرتا؟ وہ یقیناً پولیس کو مدد کے لیے بلاتا۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔" قیصر بڑبڑایا "اچھا اب تم اس شخص کا حلیہ بتاؤ جو تمہیں سوانا باتھ میں بند کر گیا تھا۔"

"اس کے بدن پر بہت زیادہ بال تھے۔ ریچھ لگتا تھا۔"

"ہم ہر شخص کے کپڑے تو اتروا کر نہیں دیکھ سکتے۔" قیصر نے چڑ کر کہا "میں اسکی شکل و صورت کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"

"آنکھیں بھوری تھیں۔ چوکور چہرہ' ناک ایک جانب جھکی ہوئی اور ٹھوڑی میں گڑھا۔"

"یہ تو وہی شخص معلوم ہوتا ہے جو ماریہ سے مل بیٹھا تھا۔" فرید نے کہا۔

"اور وہ پستول بردار؟" قیصر نے ذیشان سے پوچھا۔

"میں اسے نہیں دیکھ سکا" ذیشان نے تھکے تھکے لہجے میں کہا "کمرے میں اندھیرا تھا۔ جب میں نے اس پر حملہ کیا تو مجھے ایسا لگا کہ اس نے ماسک پہن رکھا ہے اور اس کے علاوہ......وہ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔

"ہاں ہاں بتاؤ۔"

"مجھے اس کی آواز جانی پہچانی لگی تھی۔"

میں ٹھیک طرح سمجھ نہیں پایا مگر مجھے یہ احساس ہوتا رہا کہ میں اس لہجے سے آشنا ہوں۔"

قیصر نے اس کے کندھے تھپتھپائے "کوئی بات نہیں۔ ذہن پر زیادہ زور دینے کی

ضرورت نہیں' خود یاد آ جائے گا۔"

کمرے میں پندرہ منٹ خاموشی رہی۔ سب کی نظریں ذیشان پر جمی ہوئی تھیں۔

اچانک ذیشان نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اور چلایا "مجھے یاد نہیں آ رہا ہے' میں تھک گیا ہوں۔"

قیصر اٹھ کھڑا ہوا "ٹھیک ہے اب تم جا کر سو جاؤ۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا' مقامی پولیس سے تمہیں خود ہی نمٹنا ہوگا۔"

"انہیں سب کچھ سچ سچ بتاؤں؟"

"ہاں۔ لیکن صرف اس واقعے سے متعلق۔ چلو فرید۔" قیصر اٹھ کھڑا ہوا۔

لفٹ میں آنے کے بعد قیصر نے فرید سے کہا "اس پیشے میں ایک خرابی ہے۔ ڈیوٹی کے اوقات نہیں ہوتے۔ دن رات ایک ہو جاتے ہیں۔" اس کے لہجے میں بے زاری تھی۔

"چلو تمہیں کافی پلوا دوں۔ دکانیں کھل رہی ہیں۔"

وہ کافی ہاؤس کی طرف بڑھے۔ کافی ہاؤس میں بیٹھنے کے بعد قیصر الجھن بھرے لہجے میں بولا۔ "ذیشان نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔"

"تم اس کی شرٹ پہنے بغیر لابی میں نکل آنے سے پریشان ہو؟" فرید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہر وقت مزاحیہ اداکاری مت کیا کرو۔" قیصر نے بھنا کر کہا "میں سوچ رہا ہوں کہ ذیشان نے ہاتھ بندھے ہونے کے باوجود ایک ایسے شخص پر حملہ کرنے کی ہمت کیسے کر لی جس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ فرید! مجھے ذیشان کے ماضی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہونا چاہیے' جلد از جلد۔ اور میں چاہتا ہوں ڈاکٹر نیازی کو بھی یہیں بلوا لیا جائے۔"

☆☆☆☆

ذیشان بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔ درمیان میں اسے پولیس والوں کو بیان دینے کے لیے اٹھنا پڑا۔ بیان دینے کے بعد وہ پھر سو گیا۔ چار بجے اس کی انکھ کھلی۔ وہ تیار ہو کر نیچے آیا۔ استقبالیہ کلرک اسے دیکھ کر بے ساختہ مسکرایا اور سرگوشی میں پورٹر سے کچھ کہا۔ لابی میں ہر شخص اس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ لاؤنج کی طرف چلا آیا' وہاں بھی یہی صورت حال تھی۔ وہ بار کی طرف چل دیا۔ وہاں شیلا بیٹھی بڑے انہاک سے اخبار پڑھ رہی تھی۔

"تم کب آئے؟" اس نے ذیشان سے پوچھا۔ لہجے میں حیرت تھی۔

"ابھی سو کر اٹھا ہوں۔ ماریہ کہاں ہے؟"

"باہر گئی ہے۔"

ذیشان نے ویٹر کو بلا کر فنی زبان میں آرڈر دیا۔

"تمہاری معلومات خاصی بڑھی ہیں۔" شیلا نے ستائشی لہجے میں کہا۔

"اچھے بچوں کی طرح ہوم ورک شوق سے کرتا ہوں۔" ذیشان مسکرایا۔ "اس کے باوجود یہ معلومات محض آرڈر دینے یا چند رسمی جملوں تک محدود ہیں۔ قیصر صاحب کہاں ہیں؟"

"وہ تو یہاں نہیں ہیں۔ ان کی واپسی تک تمہیں محتاط رہنا ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ سویڈن گئے ہیں۔"

"سویڈن؟" ذیشان نے حیرت سے کہا "وہ کس لیے؟"

"یہ تو مجھے معلوم نہیں۔" شیلا نے اٹھتے ہوئے کہا "اب میں چلتی ہوں۔ تم سوانا باتھ کے قریب بھی نہ پھٹکنا اب۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ایک تجربہ بہت کافی ہے۔" ذیشان نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا "لیکن وار تو کسی بھی طرف سے ہو سکتا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو، احمد تم پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ وہ اس وقت بھی بار میں موجود ہے۔ وہ پھرتیلا بھی بہت ہے اور اس کا نشانہ بھی اچھا ہے۔"

شیلا بار سے نکل گئی۔ ذیشان نے احمد کی طرف دیکھا۔ وہ بظاہر گردوپیش سے بے نیاز بیٹھا جوس سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ذیشان بیٹھا سوچتا اور الجھتا رہا۔ قیصر سویڈن کیوں چلا گیا اچانک؟ ایسی کیا بات ہوئی کہ وہ یہاں اتنے اہم معاملات چھوڑ کر سویڈن چلا گیا؟ لیکن اس کے پاس کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔

اسے وہاں بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ماریہ داخل ہوئی اور سیدھی اس کی میز کی طرف چلی آئی۔ "آپ کل شام کے بعد سے اب نظر آئے ہیں۔" اس نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ رات میں بہت دیر سے واپس آیا تھا۔ دن بھر سوتا رہا۔"

"میں نے آپ کے بارے میں عجیب و غریب باتیں سنی ہیں۔"

"میں نے بھی تمہارے بارے میں کچھ سنا ہے۔" ذیشان نے نرم لہجے میں کہا "تم شیلا

سے کیوں لڑی تھیں؟"

ماریہ کے رخسار تمتما اٹھے "تو اس نے آپ کو سب کچھ بتا دیا؟"

"اس نے تو مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا اس سلسلے میں؟"

ماریہ اچانک پھٹ پڑی "تو اور کون بتا سکتا تھا آپ کو۔ اس وقت ہمارے سوا یہاں کوئی نہیں تھا۔" ماریہ نے میز پر نظریں جمائے جمائے کہا "پہلے مجھے ممی کی باتوں پر یقین نہیں آتا تھا مگر اب سوچتی ہوں، وہ درست ہی کہتی ہوں گی۔ والدین کی وجہ سے اولاد کو شرمندگی ہو تو ایسے والدین کو اچھا تو نہیں کہا جا سکتا۔"

"میں تمہارے لئے کوک منگواتا ہوں۔" ذیشان نے اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے کہا "پر سکون ہو کر بیٹھو۔" پھر اس نے ویٹر کو اشارہ کیا۔

ویٹر کے کوک رکھ کر جانے کے بعد ماریہ بولی "آپ کی یہ حرکت بہت نازیبا تھی۔"

"کس حرکت کی بات کر رہی ہو؟"

"آپ خوب جانتے ہیں، میں کیا کہہ رہی ہوں۔ میں سمجھتی تھی آپ دونوں بس اچھے دوست ہیں۔ آپ اور شیلا۔ مگر یہ تو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ میرے خدا......" اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے "میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ آپ اس حد تک گر سکتے ہیں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

ماریہ نے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا "میں جانتی ہوں، آپ کل رات بھر اس عورت کے ساتھ رہے ہیں۔ اور مجھے معلوم ہے، آپ اپنے کمرے سے کس حال میں نکلے ہیں۔ آپ نشے میں دھت تھے اور پاگلوں کی طرح چلا رہے تھے۔"

"خدا کی پناہ!" ذیشان نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا "یہ سب غلط ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ تمہیں حقیقت کا علم نہیں۔"

"تو پھر آج ہر شخص آپ کے متعلق باتیں کیوں کر رہا ہے؟ میں نے آج آپ کے متعلق بڑی گندی گندی باتیں سنی ہیں۔" ماریہ کی آنکھوں میں پھر آنسو بھر آئے۔

ذیشان نے ادھر ادھر دیکھا پھر ماریہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا "یقین کرو، شرمندگی کی کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔" پھر ذیشان نے سوانا باتھ میں پیش آنے والا واقعہ تفصیل سے بیان کر دیا۔

ماریہ نے رومال سے آنکھیں خشک کیں "تو کیا میرا اور شیلا کا جھگڑا سب نے سنا ہوگا؟"

پولیس والوں نے بھی؟'' اس نے شرمندگی سے کہا۔

''ہاں۔سوائے میرے سب نے سنا ہوگا۔'' ذیشان نے خشک لہجے میں کہا۔

''لیکن وہ آپ کو زخمی کر سکتے تھے۔خدانخواستہ........''

''اب تشویش کی کوئی بات نہیں ہے' میں زندہ اور بخیریت ہوں۔''

''وہ کون لوگ تھے کون آخر؟''

''میں نے تمہیں بتایا نا کہ میں اپنے کام کی اہمیت نہیں بتا سکتا۔وہ لوگ مجھ سے کچھ اہم معلومات اگلوانا چاہتے تھے۔''

''تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے؟'' ماریہ نے پوچھا۔اس کی آنکھوں میں چمک لہرا گئی تھی۔

''نہیں۔اور تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ شیلا سے میرا تعلق بھی اسی کام کی وجہ سے ہے۔تم غلط انداز میں سوچتی رہی ہو۔اور پھر میں تمہیں یاد دلا دوں کہ تم مغرب میں پلی بڑھی ہو۔اس کے باوجود تمہارا رویہ بیٹیوں جیسا نہیں' حاسد بیویوں جیسا ہے۔'' ذیشان نے ضرورتاً لہجے میں سختی سموئی۔

ماریہ کی آنکھوں کی چمک معدوم ہوگئی۔''سوری ڈیڈی۔''

''کوئی بات نہیں۔شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔آؤ چہل قدمی کر لیں تھوڑی سی۔'' ذیشان نے کہا اور ویٹر کو بلا کر بل ادا کر دیا۔

بار سے نکلتے ہوئے اس نے دیکھا' احمد بھی بل ادا کر کے اٹھ رہا تھا۔ذیشان پر اعتماد ہو گیا۔

بار سے نکل کر وہ لابی میں آئے تو ایک پورٹر کے پیچھے جیک کڈر مع اپنی بیوی کے آتا دکھائی دیا۔پورٹر کے کندھوں پر بھاری سفری بیگ اور سوٹ کیس تھے۔

''اے لوسی......ادھر دیکھو تو۔'' کڈر ذیشان کو دیکھتے ہی چہکا'' ڈاکٹر یاکب تصور کر سکتی تھیں تم۔''

''لعنت ہو۔'' ذیشان بڑبڑایا'' یہ بلا کہیں پیچھا نہیں چھوڑتی۔''

کون ہیں یہ لوگ؟'' ماریہ نے پوچھا۔

''ابھی تعارف کرا دوں گا۔''

''ہیلو یاکب۔'' جیک کڈر نے دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا'' بوائے' تمہیں یہاں دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی ہے۔''

''ہیلو جیک۔'' ذیشان نے کہا۔

''میں کل ہی لوسی سے کہہ رہا تھا کہ دنیا کتنی چھوٹی ہے۔لوگ بچھڑنے بھی نہیں پاتے کہ پھر مل جاتے ہیں۔'' جیک کڈر نے فلسفیانہ انداز میں کہا'' وہ ولیمز یاد ہے نا تمہیں؟''

''بہت اچھی طرح۔'' ذیشان نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

''میرا خیال ہے' ہم سبھی بیک وقت اسکنڈے نیویا کی سیاحت کو نکل کھڑے ہوئے ہیں۔سویڈن میں ولیم سن سے ملاقات ہوئی تھی' وہ بھی دو ایک روز میں یہاں پہنچ جائے گا۔''

''بہت خوب' لطف آئے گا۔'' ذیشان نے رسماً کہا۔

''یہ کون ہے یاکب تعارف نہیں کرایا تم نے۔'' لوسی نے ماریہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ' میں تو بھول ہی گیا۔ماریہ! یہ میرے دوست ہیں جیک کڈر اور ان کی بیوی لوسی۔اور یہ میری بیٹی ہے ماریہ۔''

انہوں نے ہاتھ ملائے۔

''تم نے کبھی بتایا ہی نہیں کہ تمہاری کوئی بیٹی بھی ہے۔'' جیک کڈر نے کہا'' اتنی خوبصورت بیٹی کہاں چھپا رکھی تھی تم نے؟''

''ماریہ آج کل تعطیلات منا رہی ہے۔'' ذیشان نے کہا۔

''میں معذرت چاہتا ہوں۔'' جیک نے کہا۔پورٹر ہمارا انتظار کر رہا ہے پھر ملیں گے۔''

''رائٹ۔''

''اور ہاں شیلا کو بتا دینا' میں اس کے ساتھ ایک بازی لگاؤں گا۔''

''میں کہہ دوں گا۔'' ذیشان نے ماریہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

وہ باہر نکل آئے۔ماریہ بہت چپ چپ تھی۔ذیشان نے کہا'' واقعی بڑے بکو لوگ ہیں یہ۔ذرا موقع ملے تو زبان کو بغیر وقفے کے دوڑاتے ہیں۔''

☆☆☆☆

قیصر اور فرید ایک چھوٹی بوٹ میں ریلنگ پر جھکے کھڑے تھے۔شمال کی طرف سے آنے والی ٹھنڈی ہوائیں سویڈش جزیرے اولینڈ کے نزدیک آنے کی خبر دے رہی تھیں۔

دونوں ہی کو سمندری سفر نے نڈھال کر دیا تھا۔متلی کا احساس پیچھا ہی نہیں چھوڑتا تھا۔چنانچہ دونوں کا حال برا تھا۔فرق صرف اتنا تھا کہ فرید کا خیال تھا' وہ مرنے والا ہے۔جبکہ قیصر کا

دعویٰ تھا کہ وہ مر چکا ہے اور اب جہنم میں اپنے اعمال کا خمیازہ بھگت رہا ہے۔

زمین پر قدم رکھتے ہی دونوں کی حالت سنبھلی۔ ساحل پر ایک کار ان کی منتظر تھی۔ ایک باوردی پولیس آفیسر کار سے ٹکا کھڑا تھا۔ اس نے اپنا تعارف ہوگ لینڈ اولوف کے نام سے کرایا۔

''میں قیصر جاوید ہوں اور یہ فرید۔'' قیصر نے بھی رسم تعارف نبھائی ''اب چلیں۔'' اس نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ آپ کے صابر صاحب ابھی ایک گھنٹا پہلے پہنچے ہیں۔'' اولوف نے بتایا۔

قیصر بری طرح چونکا اور ساکت رہ گیا ''اوہ!'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ پھر اس نے اردو میں فرید سے سرگوشی کی ''اس مردود کا یہاں کیا کام؟''

فرید نے کندھے جھٹک دئے وہ خود کو بلاوجہ ہلکان کرنے کا قائل نہیں تھا۔ جب ایک شخص آچکا تو اب یہ سوچنے کا کیا فائدہ کہ وہ کیوں آیا ہے۔

راستہ خاموشی سے کٹا۔ گفتگو کرنے کا موقع بھی نہیں تھا۔ قیصر کا ذہن یہاں صابر کی موجودگی کا جواز تلاش کرنے میں مصروف تھا۔ اولوف کی موجودگی میں وہ اس سلسلے میں فرید سے بات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اردو میں بات کرنا نامناسب تھا' خواہ مخواہ کے شکوک پیدا ہوتے۔

کار ایک دومنزلہ عمارت کے احاطے میں داخل ہوئی۔ اولوف انہیں ایک کمرے میں لے آیا جہاں میز کرسیوں کے سوا کوئی فرنیچر نہیں تھا۔ میز کے عین سامنے والی کرسی پر ایک چھوٹے قد کا آدمی سفید کوٹ پہنے بیٹھا تھا۔ اولوف نے تعارف کرایا ''یہ ڈاکٹر کارلسن ہیں اور مسٹر صابر سے تو آپ واقف ہی ہیں۔''

صابر دراز قد تھا۔ رنگ گندمی تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہمیشہ ایک پراسرار مسکراہٹ رقصاں رہتی تھی۔ اس کے چہرے کی بشاشت اور جلد کی شادابی کی وجہ سے اس کی عمر کا اندازہ درست طور پر لگانا ناممکن تھا۔ وہ کم سخن اور سخت مزاج تھا۔ قیصر جب بھی اس سے ملتا' دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتا کہ وہ اس کا ماتحت نہیں۔

صابر ملک نے قیصر اور فرید کو گہری نگاہوں سے دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔ قیصر فوراً ہی ڈاکٹر کارلسن کی طرف متوجہ ہو گیا ''گڈ ایوننگ مسٹر کارلسن۔ کیا ہم اسے دیکھ سکتے ہیں؟'' سفر کی تھکن اس کے لہجے میں بھی اتر آئی تھی۔

ڈاکٹر کارلسن نے اثبات میں سر ہلایا اور میز پر سے سفید چادر ہٹا دی۔ قیصر بے تاثر چہرہ لیے وہ منظر دیکھتا رہا' چند سیکنڈ بعد ڈاکٹر نے دوبارہ چادر ڈال دی۔

''کیا یہ اسی حال میں ملا تھا؟'' قیصر نے پوچھا۔

ڈاکٹر نے پھر اثبات میں سر ہلایا اور چادر دوبارہ ہٹا دی۔ پھر اس نے پہلی بار زبان کھولی ''اس کا پورا جسم تیل میں لتھڑا ہوا تھا۔ اسے صرف پیروں کی زنجیروں سے رہائی دلائی گئی ہے۔''

''اس کے جسم پر لباس نہیں تھا؟'' قیصر نے پوچھا۔

''نہیں۔''

''موت کا سبب کیا ہے؟''

''حتمی طور پر تو پوسٹ مارٹم کے بعد ہی بتایا جا سکے گا۔'' ڈاکٹر نے محتاط لہجے میں کہا ''ویسے دو میں سے ایک بات ہوگی۔ یا تو اسے تیل میں ڈبو کر مارا گیا ہے یا زہر دیا گیا ہے۔''

''کیا...... زہر دے کر؟'' صابر ملک نے مداخلت کی۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ ورنہ وہ ہر طرح کی صورت حال میں بے تاثر لہجے میں گفتگو کا عادی تھا۔

''ہاں۔ میں آپ کو دکھاتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے کہا اور چمٹی نما ایک آلے کو لاش کے حلق تک اتار دیا۔ فرید جھرجھری لے کر پیچھے ہٹ گیا۔ آلے کے ساتھ کوئی سیاہ چپچپی چیز بھی آئی تھی۔

''تیل؟'' قیصر نے پوچھا۔

''جی ہاں۔''

''اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ اسے زہر دیا گیا یا تیل میں ڈبو کر مارا گیا۔'' صابر ملک نے بے حد سکون سے کہا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' اولوف نے کہا۔ مسٹر قیصر! آپ نے اسے شناخت کر لیا؟''

قیصر تذبذب کا شکار تھا ''فی الحال تو میرا جواب نفی میں ہے۔''

پھر وہ صابر کی طرف مڑا ''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''میں اس شخص سے ناواقف ہوں۔'' صابر نے جواب دیا۔

قیصر کسی گہری سوچ میں تھا ''لاش کو محفوظ رکھنا ہوگا۔ یہاں آپ کے پاس اس طرح کی سہولیات ہیں؟''

''اولینڈ میں تو نہیں ہیں۔'' کارلسن نے جواب دیا۔

''پوسٹ مارٹم کے فوراً بعد ہم اسے شہر لے جائیں گے۔'' اولوف نے کہا۔

''نہیں۔'' قیصر نے سخت لہجے میں کہا ''میں مثبت شناخت سے پہلے کسی کو لاش کو ہاتھ

لگانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔اس لئے لاش پاکستان لے جانا ہوگی یا کسی کو سویڈن بلانا ہوگا۔ اور بہرصورت پوسٹ مارٹم ہمارا آدمی کرے گا۔

''لیکن یہاں کا اختیار صرف ہمیں ہے۔''اولوف نے تیز لہجے میں کہا۔

قیصر نے اپنی تھکن سے جلتی ہوئی آنکھیں ملیں۔اس نے دھیرے سے کہا''مسٹر ہوگ لینڈ!اب یہ معاملہ افراد کا نہیں حکومتوں کا ہے۔میں اپنے بڑوں سے بات کروں گا۔تم اپنے بڑوں سے بات کرو۔اسی میں ہم دونوں کی بھلائی ہے۔''

ہوگ لینڈ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

''ویسے بھی لاش سویڈن کی حدود میں نہیں'بین الاقوامی حدود میں پائی گئی ہے۔''قیصر نے ایک اور ضرب لگائی۔

''اس صورت میں تمہاری تجویز مناسب لگتی ہے۔ہوگ لینڈ اولوف نے کہا''وہ زنجیریں دیکھنا چاہتے ہو جو اس کے پیروں میں تھیں؟''

قیصر نے اثبات میں سر ہلایا۔اولوف زنجیریں لے آیا۔قیصر نے بغور ان کا جائزہ لیا۔''عام سی زنجیریں ہیں۔''اس نے تبصرہ کیا۔پھر اس نے زنجیریں صابر کی طرف بڑھائیں''تمہارا کیا خیال ہے؟''

صابر نے زنجیروں کی طرف دیکھا بھی نہیں''اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''اس نے کہا اور پھر اولوف کی طرف مڑا''یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ ٹینکر میں نہیں تھا؟''

''ٹینکر کا عملہ بچ گیا ہے۔صرف ایک آدمی ہلاک ہوا۔عملے نے اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ اس کا تعلق ٹینکر سے نہیں۔یہ اس بوٹ میں سوار تھا جس کی ٹینکر سے ٹکر ہوئی۔ٹینکر کے کپتان کا کہنا ہے کہ دوسری بوٹ بغیر روشنی کے چلائی جا رہی تھی اس لئے حادثہ ہوا۔''اولوف نے تفصیل بتائی۔

''وہ تو یہی کہے گا۔''قیصر نے تبصرہ کیا''اور یہ بھی ممکن ہے'وہ ٹھیک کہہ رہا ہو بہر حال دوسری بوٹ کی شناخت نہیں ہوئی؟''

''ابھی تک تو نہیں ہوئی۔اور نہ ہی کسی نے بوٹ کی گمشدگی کی رپورٹ کرائی ہے۔بہر حال ہم تفتیش کر رہے ہیں۔''

''تو اب ہماری یہاں ضرورت نہیں ہے۔''قیصر نے کہا''صابر صاحب آپ کا کیا خیال ہے؟''

''میں شناخت کی ذمے داری تم پر چھوڑتا ہوں۔''صابر نے کہا۔

باہر نکلتے ہوئے قیصر نے صابر سے پوچھا''مجھے آپ کی یہاں موجودگی کی توقع نہیں تھی۔آپ کو یہاں کیوں بلایا گیا؟''

''میں ایک کام سے اسٹاک ہوم آیا تھا۔سفارت خانے اطلاع پہنچی تو میں وہاں موجود تھا۔میں نے سوچا'میں بھی دیکھ لوں۔''

''آپ لاش کی شناخت نہیں کر سکے؟''

''نہیں۔شناخت ہوگی تو سب کے ساتھ مجھے بھی معلوم ہو جائے گا۔''صابر نے ہموار لہجے میں کہا''اب جاؤ ہوگ لینڈ کار میں تمہارا منتظر ہے۔''

قیصر گاڑی کی طرف چلا گیا۔اس بار بھی سفر خاموشی سے کٹا۔

بوٹ میں واپسی کا سفر نسبتاً آسان ثابت ہوا۔وہ دونوں عرشے پر کھڑے تھے۔

''میری سمجھ میں صابر کی وہاں موجودگی نہیں آئی۔''فرید نے کہا''وہ وہاں کیوں آیا تھا۔؟''

''یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔''قیصر نے گہری سوچ سے ابھر کر کہا''اور وہ مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ذرا سوچو تو'جو کام سفارت خانے کا کوئی عام اہل کار کر سکتا تھا'صابر ملک جیسا پوزیشن والا آدمی اس کے لیے وہاں دوڑا چلا گیا۔''قیصر نے عرشے کی ریلنگ کو سختی سے پکڑا ہوا تھا۔اس کے ہاتھ کی رگیں ابھر آئی تھیں''مجھے تو اس کی یہ بات بھی جھوٹ معلوم ہوتی ہے کہ وہ کسی کام سے اسٹاک ہوم آیا ہوا تھا۔میاں فرید'یہ محکموں کی باہمی آویزشیں بھی کیا کیا گل کھلاتی ہیں۔مجھے اپنے کام سے زیادہ ان لوگوں پر نظر رکھنی پڑتی ہے جو مجھے دھکا دینے اور گرانے کے چکر میں لگے رہتے ہیں۔''

''صابر ملک کو علم ہے کہ تم اور یعقوب کسی مشن پر ساتھ کام کر رہے تھے؟''فرید نے دریافت کیا۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''قیصر نے سمندر کی پرسکون لہروں پر نظریں جماتے ہوئے کہا''مجھے تو بے چارے یعقوب کا ملال ہے۔''

''تو وہ یعقوب ہی تھا نا؟''فرید نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

''میں ان لوگوں کے متعلق سوچ رہا ہوں......''قیصر نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا''جو اسے کوپن ہیگن لے گئے اور وہاں سے اسے بوٹ میں قیدی کی حیثیت سے نجانے کہاں لے جا رہے تھے۔بوٹ مغرب کی سمت سے آتے ہوئے ٹینکر سے ٹکرائی ہے۔اس کا

مطلب ہے بوٹ مغرب کی طرف جارہی تھی۔ اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا ارادہ کہاں کا تھا۔''

''یہ سمت کی بات یقینی تو نہیں۔'' فرید نے رائے زنی کی۔ ''تفتیش مکمل ہونے کے بعد ہی کچھ کہا جاسکے گا۔''

اچانک قیصر نے جوشیلے لہجے میں کہا ''فرید! ڈاکٹر لغاری کو فوراً وہاں بھیجو۔ میں پوسٹ مارٹم سے پہلے یہ چیک کروانا چاہتا ہوں کہ لاش پر کہیں پلاسٹک سرجری کا نشان تو نہیں۔ اس کے علاوہ فنگر پرنٹس بھی لئے جائیں اور میں چاہتا ہوں کہ لاش کی سرکاری طور پر شناخت یعقوب کی سابقہ بیویوں میں سے کوئی کرے۔''

''کیوں، یہ کام بیٹی بھی تو کرسکتی ہے۔''

''تم وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔''

☆☆☆☆

قیصر ایک بھرپور نیند کے بعد خود کو بہت بہتر اور تروتازہ محسوس کررہا تھا۔ وہ ہوٹل میں بیٹھا کافی کی چسکیاں لے رہا تھا۔ اسے ڈاکٹر نیازی کا انتظار تھا۔ نیازی کو آتا دیکھ کر اس نے ہاتھ ہلایا۔

نیازی نے آکر اس سے ہاتھ ملایا۔

''ذیشان سے ملاقات ہوئی؟'' قیصر نے پوچھا۔

ڈاکٹر نیازی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کافی پیو گے؟''

''اس سرد جہنم میں کافی سے کون انکار کرسکتا ہے۔''

قیصر نے مزید دو پیالیوں میں کافی انڈیلی۔ ایک پیالی نیازی کے سامنے بڑھاتے ہوئے اس نے پوچھا ''کیا صورت حال ہے؟''

نیازی کی نظریں پیالی سے اٹھتی ہوئی بھاپ پر جمی ہوئی تھیں۔ ''پہلے کے مقابلے میں کچھ بہتری نظر آتی ہے'' اس نے کہا ''مثلاً اسے ماضی کا اہم ترین واقعہ یاد آگیا ہے۔ تین سال پہلے وہ پرجوش اور ہنگامہ خیز طبیعت کا مالک تھا۔ ایک روز اپنی بیوی کے ساتھ کار میں جارہا تھا کہ تیز رفتاری کے باعث حادثہ ہوگیا۔ اس کی بیوی اسپتال پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہوگئی۔ ان کی شادی کو صرف ڈیڑھ سال ہوا تھا اور اس کی بیوی امید سے تھی۔ وہ خود کو اس حادثے کا ذمے دار سمجھتا ہے۔''

''یہ تو واقعی بڑی ٹریجڈی ہوئی'' قیصر کے لہجے میں تاسف تھا۔

''اس نے سارا الزام اپنے اوپر لے لیا۔ اس کے نتیجے میں اسے ایک کے بعد ایک نفسیاتی عارضہ لاحق ہوتا گیا۔ اس نے مے نوشی شروع کردی۔ مے نوشی بلانوشی میں تبدیل ہوئی تو وہ کسی کام کو بھی صحیح طور پر کرنے کے قابل نہیں رہا۔ اسی وجہ سے اسے نوکری سے نکال دیا گیا۔''

''یہ آخری بات ناقابل یقین لگی ہے'' قیصر نے کہا ''کیوں کہ ہم پر تو وہ قدم بہ قدم اپنی ذہانت اور اہلیت کا سکہ جماتا رہا ہے۔ بلکہ میں تو سوچتا ہوں کہ وہ مستقل طور پر ہم سے وابستہ ہوجائے۔''

''وہ اپنی بیوی کو کبھی نہیں بھولا۔ اسے وہ بھی یاد تھی اور اس کی موت بھی۔ مگر اسے یہ سب ایسے یاد آتا تھا، جیسے وہ سب اس پر نہیں، کسی اور پر بیتا ہو۔ اس حادثے کو تین سال ہوچکے ہیں.... اور تین سال کا عرصہ کسی بھی غم کو بھول جانے کے لئے کافی ہے۔ بشرطیکہ آدمی نارمل ہو۔ اس لحاظ سے ذیشان اب نارمل آدمی ہے۔''

''مجھے خوشی ہوئی یہ سن کر۔''

نیازی نے اسے شک آمیز نگاہوں سے دیکھا ''بہرحال اب وہ اپنے غیر ضروری احساس جرم سے نجات پاچکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب اسے شراب کی طلب نہیں ستاتی۔ چنانچہ اس کی ذہانت اور اہلیت لوٹ آئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں، اب معمولی سا علاج اسے پہلے سے بھی بہتر بنا دے گا۔''

''اور اس علاج میں کتنا وقت لگے گا؟''

''تین سے چھ ماہ تک۔ یہ محض میرا اندازہ ہے۔''

قیصر نے نفی میں سر ہلایا ''یہ عرصہ بہت زیادہ ہے۔ مجھے تو اس کی فوراً ضرورت ہے۔ مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ کیا وہ فٹ ہے؟''

نیازی چند لمحے سوچتا رہا ''میرا خیال ہے، اب وہ موجودہ صورت حال سے لطف اندوز ہورہا ہے۔ ہاتھ پاؤں چلانے کے جو مواقع اسے ملے ہیں، ان سے اس کا حوصلہ بڑھا ہے۔''

''گڈ!'' قیصر کے لہجے میں چہکار تھی ''گویا وہ پوری طرح فٹ ہے۔''

''میں نے یہ تو نہیں کہا'' نیازی نے چڑانے والے انداز میں کہا ''مجھے تمہارے مشن کی کوئی پرواہ نہیں۔ مجھے اپنے مریض کی فکر ہے بس'' وہ پھر کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا ''موجودہ دباؤ اس کے لئے پریشان کن نہیں۔ البتہ اگر اس کا ماضی اس پر جھنجوڑ دینے والے انداز میں آشکارا ہوا تو اس کی دماغی صحت کو خطرہ لاحق ہوجائے گا۔''

"ایسا نہیں ہوگا۔" قیصر نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

"تب پھر ٹھیک ہے۔"

"ہم ایک اور مسئلے سے بھی دوچار ہیں۔ دراصل یعقوب مر چکا ہے۔" قیصر نے توقف کر کے نیازی کے چہرے کو بغور دیکھا۔ پھر بات آگے بڑھائی "یہ کوئی حتمی بات نہیں۔ ایک لاش سمندر سے ملی ہے۔ لیکن اتنے برے حال میں کہ فوری شناخت ناممکن ہے۔ چند روز میں صورت حال واضح ہوگی۔"

"میں تمہاری دشواریاں سمجھ رہا ہوں۔"

"میں تو لڑکی کو اس کی باپ کے موت کی خبر نہیں سنا سکتا۔ وہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑے گی اور ذیشان سے دور ہو جائے گی۔ جب کہ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ اس کی موجودگی میں ذیشان مستند یعقوب بن جاتا ہے۔ ہمارے مخالفین میں سے جو جانتے ہیں کہ وہ یعقوب نہیں ہے، یہ سوچ کر الجھتے رہیں گے کہ آخر ذیشان نے کیسا بہروپ بھرا ہے کہ یعقوب کی بیٹی تک کو اس پر شبہ نہیں ہو سکا۔ اور ہمارے جو مخالفین اس تبدیلی سے بے خبر ہیں، وہ بے خبر ہی رہیں گے۔" قیصر نے کچھ توقف کیا۔ پھر ڈاکٹر نیازی سے پوچھا "سوال یہ ہے کہ یعقوب کی موت کے متعلق ذیشان کو بتایا جائے یا نہیں؟"

"میں تمہیں اس کا مشورہ نہیں دوں گا" نیازی نے کہا "ماریہ یعقوب کو ہینڈل کرنے میں ذیشان کو ویسے ہی بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ سن کر کہ یعقوب مر چکا ہے، وہ ایک احساس جرم بھی پال سکتا ہے۔ وہ بہت اچھا انسان ہے۔ بہت حساس" ڈاکٹر نے آہ بھری "خدا ہمیں معاف کرے۔ ہم برے نہیں ہیں۔"

"ہماری اخلاقیاتی حس اونچی سوسائٹی کے معیار کے مطابق ہے۔" قیصر نے تلخ لہجے میں کہا "زیادہ سے زیادہ نمبر بناؤ اپنے۔ خواہ اس کے لئے کسی کا گلا ہی کیوں نہ کاٹنا پڑے۔ حساسیت سے دور رہو۔ جذبات سے بچو۔ لطیف احساسات کو دل کے قریب تک نہ پھٹکنے دو۔ ورنہ نوکری گئی، مرتبہ گیا اور ناکام کہلائے" اس نے کافی کا آخری گھونٹ لیا "بس تو بات طے ہو گئی" اس کا لہجہ نرم ہو گیا۔ "ذیشان کہاں ہے؟"

"تفریح کر رہا ہے" ڈاکٹر نے جواب دیا "بچی کو سائی بلیس میموریل دکھانے لے گیا ہے۔"

☆☆☆☆

"یہ تو بالکل آرگن لگتا ہے" ماریہ نے سائی بلیس کے مجسمے کو دیکھتے ہوئے کہا "بس کی بورڈ کی کمی ہے، ورنہ اسے بجایا بھی جا سکتا تھا۔ ویسے سائی بلیس کوئی موسیقار رہا ہوگا۔ ہے نا ڈیڈی؟"

"میرا بھی یہی خیال ہے" ذیشان نے کہا اور گائیڈ بک کھولی۔ "اس مجسمے کا وزن ۲۸ ٹن ہے اور یہ ایک عورت کی تخلیق ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بچے کے جھولے کو ہلکورے دینے والے ہاتھ ویلڈنگ ٹارچ بھی استعمال کر سکتے ہیں" اس نے گائیڈ بک بند کر لی اور ماریہ کا ہاتھ تھام لیا "آؤ اب بیٹھ جائیں کچھ دیر۔"

وہ باہر پڑی بینچوں پر بیٹھ گئے۔ ذیشان نے احمد کو میموریل کی سیڑھیاں اتر کر نیچے آتے دیکھا۔ وہ سمندر کی طرف دیکھتا رہا۔ دور تک پھیلی نیلگوں پانی کی چادر پر سفید بادبان لہرا رہے تھے۔ موسم خوشگوار تھا۔ سامنے ایک بس آ کر رکی۔ اس میں سے سیاح اترے۔ وہ بھی مجسمہ دیکھتے آئے تھے۔

ذیشان، قیصر کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ آخر کب اپنے پروگرام پر عمل درآمد شروع کرے گا۔

"کتنا خوب صورت منظر ہے" ماریہ نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ فن لینڈ اتنا خوب صورت ملک ثابت ہوگا۔ مجھے تو یہ بحیرۂ روم جیسا لگا۔ ایبزا جیسا۔ یاد ہے، ہم وہاں گئے تھے؟"

"ہوں" ذیشان کے لیے ایسے موقعوں پر کم سے کم بولنے ہی میں عافیت تھی۔

ماریہ ہنس دی "اور وہ چھوٹا سا ہوٹل، جہاں نہانے کے لیے گرم پانی بھی میسر نہیں تھا۔ میں نے آپ کو اتنے غصے میں شکایت کرتے اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ اس ہوٹل کے موٹو مالک کا نام یاد ہے؟"

"مجھے یاد نہیں" ذیشان نے کہا۔ اس جواب میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ زندگی میں تھوڑی دیر کے لیے ملنے والے سینکڑوں انسانوں کو تو کوئی بھی یاد نہیں رکھ سکتا۔

"وہاں کا سی فوڈ بھی بہت خراب تھا۔ آپ کا پیٹ صاف کرنے کے لئے اسپتال لے جایا گیا تھا آپ کو۔"

"میرا معدہ تو شروع سے ہی کمزور رہا ہے" ذیشان نے کہا اور اس کا دھیان خطرناک یادوں سے ہٹانے کے لیے سمندر کی طرف اشارہ کیا "وہ دیکھو، میرا خیال ہے، کشتیوں کی ریس ہو رہی ہے۔"

"جی ہاں۔ریس ہی ہورہی ہے" ماریہ نے کہا "اور ہاں" اس پر یاد آیا۔آپ اس بار اپنی بوٹ "جمیلہ" پر تو سفر نہیں کریں گے۔دراصل میں نے اپنی دو سہیلیوں سے بوٹنگ کا وعدہ کیا ہے مجھے اس کی ضرورت پڑے گی۔"

ذیشان خاموش رہا۔اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

"اب اتنے کنجوس بھی نہیں بنیں۔آپ جانتے ہیں کہ میں اسے ہینڈل کرسکتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔مگر ذرا محتاط رہنا۔واپس کب جارہی ہو تم؟"

"ابھی تو طے نہیں ہوا ہے۔سہیلیوں کو خط لکھ کر پروگرام بنالوں گی۔اور آپ جو نئی بوٹ لینے والے تھے' اس کا کیا بنا؟"

"ہاں۔خرید لی۔اچھا' اب اٹھ جاؤ۔بہت دیر ہوگئی۔ہوٹل میں کسی سے میری ملاقات بھی طے تھی" ذیشان اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ اچانک ملاقات کیوں یاد آگئی؟" ماریہ مسکرائی "مجھے تو یہ جان چھڑانے کا عذر معلوم ہوتا ہے۔"

ذیشان سناٹے میں آگیا۔کیا یہ میرے اندر تک جھانک سکتی ہے؟ وہ زبردستی مسکرایا "میں نے جیک کڈر سے شام کی چائے ساتھ پینے کا وعدہ کیا تھا۔بس اتنی سی بات ہے۔"

"تو چلیں" ماریہ نے رسان سے کہا "انہیں انتظار کرانا مناسب نہیں۔"

ذیشان نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ان کے اٹھتے ہی احمد بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ذیشان نے سوچا۔کیا فائدہ ہے باڈی گارڈ کا۔باڈی گارڈ کسی کو بچا تو نہیں سکتے۔اب اگر دشمن میرے قریب' بہت قریب ہو......اور مجھے مارنا بھی چاہے تو احمد کیا کرسکتا ہے؟ اس دشمن کو ختم کرسکتا ہے۔مگر اس سے پہلے دشمن مجھے ختم کرچکا ہوگا۔

پھر اسے ماریہ کے سلسلے میں احساس جرم ہونے لگا۔وہ اس کا باپ نہیں تھا لیکن باپ بن کر اسے دھوکا دے رہا تھا۔اور اب.....کیا اب وہ اسے خطرے کی طرف لے جارہا ہے؟

اس نے فیصلہ کیا کہ قیصر سے اس سلسلے میں بات کرے گا۔

ہوٹل واپس پہنچ کر ماریہ نے کہا "مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔"

"کیا؟"

ماریہ نے انگلی سے ہوٹل کے داخلی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔اسی وقت احمد اندر آیا "یہ شخص پچھلے دو دن سے مسلسل ہمارا تعاقب کررہا ہے۔"

"یہ میرا باڈی گارڈ ہے' سونا والے واقعے کے بعد سے۔"

"میں آپ کے کمرے میں چلوں۔آپ مائنڈ تو نہیں کریں گے؟" ماریہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "آپ نے مجھ سے بہت سی باتیں چھپائی ہیں۔"

"چلو" ذیشان نے بادل ناخواستہ کہا۔وہ لفٹ کے اوپر جانے کے دوران ذہن میں وہ باتیں ترتیب دیتا رہا' جو اسے ماریہ کو بتانا تھیں۔اس نے جھوٹ نہ بولنے کا فیصلہ کیا۔مگر سچ بھی صرف اتنا بتانا تھا' جس سے اس کی اپنی شخصیت نہ کھلے۔اسے احساس ہوا کہ وہ اصل بات چھپا کر بھی ماریہ کو بہت کچھ بتا سکتا ہے۔صورت حال اتنی خراب بھی نہیں تھی۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے ماریہ سے کہا "اب سکون سے بیٹھ کر پوچھو' کیا معلوم کرنا چاہتی ہو۔"

"یہاں کوئی خفیہ چکر چل رہا ہے۔ہے نا؟"

"اس کے بارے میں میں تمہیں نہیں بتا سکتا" ذیشان نے جواب دیا "میرا کام ہی رازداری کا ہے۔چوں کہ ابھی مجھ پر ایک وار ہوچکا ہے' اس لئے سفارت خانے نے مجھے ایک باڈی گارڈ فراہم کردیا ہے۔بس اتنی سی بات ہے۔"

"بس اتنی سی بات؟ اور کچھ نہیں؟"

"ایسی نہیں' جس کا جاننا تمہارے لیے ضروری ہو۔سوری ماریہ' آفیشل سیکرٹ ایکٹ کی وجہ سے مجبور ہوں۔"

ماریہ کا چہرہ دھواں دھواں ہورہا تھا "مگر جو کچھ آپ نے بتایا ہے' وہ ناکافی ہے۔مجھے کچھ تو معلوم ہونا چاہیے۔"

"دیکھو' اگر میں نے تمہیں کچھ بتایا اور انہیں اس کی بھنک بھی پڑ گئی تو میرے خلاف سخت کارروائی ہوگی۔میری جائیداد تک ضبط ہوسکتی ہے۔جیل بھی جاسکتا ہوں۔" وہ پھیکی پھیکی سی ہنسی ہنسا "یہ بات نہیں کہ مجھے تم پر بھروسہ نہیں لیکن سب کچھ جان لوگی تو تمہیں بھی خطرہ لاحق ہو جائے گا۔اور یہ میں نہیں چاہتا۔"

ماریہ ساکت وصامت بیٹھی تھی۔اس کا چہرہ اندرونی کشمکش کی غمازی کررہا تھا۔آخرکار اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا "میں بہت پریشان ہوں۔"

"لیکن اب پریشانی کوئی بات نہیں۔جو ہونا تھا ہوچکا۔اب احمد کی موجودگی میں دوبارہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"میری پریشانی کا یہ سبب نہیں ہے۔"

"تو پھر؟"

"اپنی......اور بنیادی طور پر آپ کی وجہ سے پریشان ہوں میں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کہیں کوئی گڑبڑ ہے۔ لیکن اس کی نوعیت سمجھ میں نہیں آتی۔"

ذیشان کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ "لیکن میرے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں" اس نے زور دے کر کہا "یہ تمہارا واہمہ ہے۔"

ماریہ نے جیسے اس کی بات نہیں سنی "بڑی باتیں تو سب ٹھیک ہیں۔ چھوٹی چیزوں میں کوئی گڑبڑ ہے۔ مثلاً تھریڈ بیئر۔ آپ تھریڈ بیئر کو کیسے بھول گئے؟" اس نے ذیشان کو سخت نگاہوں سے دیکھا "آپ کو نہیں پتا۔ آپ بہت زیادہ بدل گئے ہیں۔"

"مجھے امید ہے کہ مجھ میں آنے والی تبدیلی مثبت ہی ہوگی۔" ذیشان نے دوسری طرح صورت حال پر قابو پانے کی کوشش کی جو اس کے بس سے باہر تھی۔

"یہ بات تو ہے۔ آپ کے مزاج میں پہلے جیسی سختی نہیں رہی۔" ماریہ کی آواز میں خفیف سی لرزش تھی۔

"میں شرمندہ ہوں کہ ماضی میں سخت مزاج رہا ہوں۔ لیکن بڑھاپے کے ساتھ ساتھ میری دانش میں بہرحال اضافہ ہو رہا ہے۔" ذیشان نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں بری طرح الجھ رہی ہوں۔ اور الجھنیں مجھے پسند نہیں۔ مجھے عجیب عجیب خیالات ستاتے ہیں۔ ایسے خیالات کہ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہوں کہ میں پاگل ہونے والی ہوں۔"

ذیشان نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ لیکن ماریہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا "مجھے سب کچھ کہنے دیجئے۔ اب میں یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔ میں......میں آپ کے بارے میں عجیب انداز میں سوچنے لگی ہوں" اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر پھر زبان پھیری۔ "کوئی بیٹی اپنے باپ کے بارے میں اس انداز میں نہیں سوچ سکتی۔ میں اپنے خیالات پر نادم ہوں۔ لیکن آپ بہت مختلف ہو گئے ہیں۔ آپ میں پہلے والی کوئی بات نہیں رہی۔ میں نے بہت غور کیا کہ آپ میں کیا تبدیلی آئی ہے۔ آپ بہت مہربان اور شفیق ہو گئے ہیں۔"

"شکریہ۔"

"کبھی کبھی آپ کی پرانی عادات لوٹ آتی ہیں۔ آپ سرد مہر اور لاتعلق سے ہو جاتے ہیں۔"

"سرد مہر تو نہیں......"

"ابھی اور بھی کہنا ہے مجھے۔ میں نے اور تبدیلیاں بھی دیکھی ہیں۔ تھریڈ بیئر کو آپ کیسے بھول سکتے تھے۔ پھر آپ نے اچانک سگریٹ چھوڑ دی۔ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں دیکھیں۔ اب تو ان پر نکوٹین کے داغ بھی مٹ گئے ہیں۔ بس انہی وجوہات کی بنا پر میری سوچیں لڑکھڑاتی تھیں۔"

ذیشان اٹھ کر کھڑا ہو گیا "بس اب خاموش ہو جاؤ۔"

"نہیں۔ میں خاموش نہیں رہوں گی" ماریہ چلائی۔ وہ ذیشان کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی تھی "آپ سائی بلیس کے متعلق سب کچھ جانتے تھے۔ پھر آپ کو گائیڈ بک کی ضرورت کیوں پڑی؟ آپ نے اسے موسیقار تسلیم کیا؟" وہ سختی سے کہتی رہی "میں آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ ہم برسوں ایک دوسرے سے دور رہے ہیں۔ میں اتنا جانتی ہوں کہ میں کبھی ابیزا نہیں گئی اور آپ کا معدہ بھی کبھی کمزور نہیں رہا۔ اس سلسلے میں آپ کبھی اسپتال بھی نہیں گئے۔"

"ماریہ!" ذیشان دہاڑا۔

وہ دورے کی سی کیفیت میں کہتی رہی "ہمارے پاس "جمیلہ" نامی کیا کوئی بھی بوٹ کبھی نہیں رہی۔ آپ نے ہمیشہ بوٹنگ کو ایک بے کار تفریح قرار دیا۔ نہ ہی آپ نے کوئی بوٹ خریدنے کا کبھی پروگرام بنایا تھا" اس کا چہرہ سفید ہوتا جا رہا تھا۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔ وہ ہسٹریائی انداز میں بڑبڑا رہی تھی۔ "نہیں۔ تم میرے ڈیڈی نہیں ہو۔ تم میرے ڈیڈی نہیں ہو سکتے۔ بولو......کون ہو تم؟" وہ اچانک چلائی "بولو......جواب دو۔"

☆☆☆☆

"یہ ذیشان کہاں رہ گیا؟" قیصر نے غصے سے کہا۔ وہ ٹہل رہا تھا۔

"وہ زیادہ لیٹ تو نہیں ہوا کہ تم پریشان ہو رہے ہو" فرید نے کہا "وہ اس کے ساتھ ہوگا۔"

قیصر میز پر رکھے کاغذات کے پلندے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "اب ہمیں اس کے بارے میں تقریباً سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

"سب کچھ" ڈاکٹر نیازی کے لہجے میں دلچسپی تھی۔

"ہاں۔ وہ انفارمیشن میں تھا اور دستاویزی فلمیں بناتا تھا۔ کبھی ٹی وی کے لئے بھی کام کر لیتا تھا۔ اس نے چند کارٹون فلمیں بھی بنائی تھیں۔" فرید نے بتایا "وہ اپنے کام میں ماہر تھا۔"

"سوال یہ ہے کہ وہ اب تک آیا کیوں نہیں؟" قیصر نے بے زاری سے کہا "شیلا ہوٹل

فون کر کے معلوم تو کرو۔"

شیلا فون کے قریب پہنچی ہی تھی کہ گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر بات کی۔ پھر قیصر کو اشارہ کیا "احمد کی کال ہے آپ کے لئے۔"

قیصر نے ریسیور لے کر ماؤتھ پیس میں کہا "کیا بات ہے احمد؟"

"میں اپنے کمرے میں تھا۔ ذیشان کے کمرے پر نظر رکھنے کے لیے میں نے اپنے کمرے کا دروازہ کھلا رکھا تھا۔ اب سے کوئی بیس منٹ پہلے مس ماریہ بدحواس سی بھاگتی ہوئی کمرے سے نکلیں۔ میں بھی راہداری میں نکل آیا۔ مس ماریہ نے مجھے بتایا کہ ذیشان کو دورہ پڑا ہے۔ میں نے جا کر دیکھا' وہ فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں سرد ہو رہے تھے۔ پندرہ منٹ تک وہ اسی حال میں پڑا رہا۔"

"اب تو ٹھیک ہے نا؟" قیصر نے بے تابانہ پوچھا۔

"ہاں۔ اس کا کہنا ہے کہ اب وہ بالکل ٹھیک ہے۔"

"تو اسے فوراً یہاں لے آؤ۔ ڈاکٹر نیازی بھی یہاں موجود ہیں۔"

دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر احمد نے کہا "مس ماریہ بھی ساتھ آنا چاہتی ہیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں اسے لانے کی۔"

"میرا خیال ہے آپ نے میری بات غور سے نہیں سنی۔ جب انہوں نے راہداری میں مجھ سے مدد طلب کی تھی تو کہا تھا' ذیشان پر دورہ پڑ گیا۔ انہوں نے ڈیڈی نہیں کہا تھا اسے۔"

"اوہ!" قیصر سناٹے میں آ گیا۔ پھر اس نے سنبھل کر پوچھا "تو یہ راز اس پر کھل چکا ہے؟"

"لگتا تو یہی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ لے آؤ اسے بھی۔ دیکھو' انہیں ایک لمحے کے لئے بھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دینا" قیصر نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ پھر وہ ڈاکٹر نیازی کی طرف مڑا "تمہارے مریض کو دورہ پڑا ہے۔ وہ آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ لڑکی بھی ہے۔"

"تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ آخر وہ اس کی بیٹی ہے" نیازی نے کہا۔

"اب وہ اسے ذیشان کہتی ہے" قیصر نے سرد لہجے میں کہا۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ بیس منٹ یونہی گزر گئے۔ قیصر بار بار پائپ بھر رہا تھا۔

شیلا پاؤں پھیلائے بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ نیازی سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔ فرید جوتے کی نوک سے قالین کرید رہا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو سب چوکس ہو گئے۔ فرید نے دروازہ کھولا۔ ذیشان اور ماریہ کمرے میں داخل ہوئے۔ احمد ان کے پیچھے تھا۔

"ڈاکٹر نیازی تم سے علیحدگی میں ملاقات کرنا چاہتے ہیں" قیصر نے ذیشان سے کہا "تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"نہیں" ذیشان نے تھکے تھکے لہجے میں کہا اور ڈاکٹر نیازی کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

دوسرے کمرے کا دروازہ بند ہوتے ہی قیصر' ماریہ کی طرف مڑا۔ "مس ماریہ! میرا نام قیصر ہے اور میرا تعلق میرے ملک کی وزارت دفاع سے ہے۔ یہ میرے ساتھی فرید ہیں۔ اور مس شیلا اور احمد کو تم پہلے ہی سے جانتی ہو۔"

ماریہ کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اس نے بند دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا "سب سے اہم تعارف کیوں نظر انداز کر رہے ہیں آپ؟ وہ شخص کون ہے......اور میرے ڈیڈی کہاں ہیں؟"

"پلیز......بیٹھ جاؤ" قیصر نے نرم لہجے میں کہا۔

"مجھے حقیقت بتایئے" ماریہ نے بیٹھنے کے بعد کہا "اس شخص نے مجھے اپنا نام ذیشان بتایا ہے اور ایک ناقابل یقین کہانی بھی سنائی ہے......"

"یہ سب سچ ہے" قیصر نے کہا "کاش ایسا نہ ہوتا۔"

ماریہ نے تیز لہجے میں پوچھا "اور میرے ڈیڈی؟"

قیصر نے معنی خیز نگاہوں سے شیلا کو دیکھا۔ شیلا' ماریہ کے پاس آ بیٹھی "مجھے افسوس ہے ماریہ کہ تمہارے ڈیڈی......"

"وہ زندہ نہیں ہیں۔ یہی بات ہے نا؟"

قیصر نے اثبات میں سر ہلایا "ان کی لاش تین دن پہلے بالٹک سے برآمد ہوئی ہے۔ وہاں ایک آئل ٹینکر اور ایک بوٹ کی ٹکر ہوئی تھی۔"

"تو ذیشان نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہ ذیشان کون ہے؟"

"اس نے تمہیں کیا بتایا ہے؟"

ماریہ نے ذیشان سے جو کچھ سنا تھا' دہرا دیا۔ سب خاموشی سے سنتے رہے ماریہ کے خاموش ہونے کے بعد قیصر نے کہا'' اس نے .... اسے یہ سن کر اطمینان ہوا کہ ذیشان نے ماریہ کو کاغذات کے بارے میں صرف اتنا بتایا ہے کہ کاغذات بے حد اہم ہیں۔ اس نے بحرانی کیفیت میں بھی راز داری کا خیال رکھا تھا'' مجھے تمہارے ڈیڈی کی موت کا افسوس ہے بے بی۔''

''مجھے یقین ہے'' ماریہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

قیصر نے سوچا' لڑکی کو اپنے دکھ پر قابو پانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ اس قسم کی صورت حال میں آدمی فوری طور پر صبر کے سوا کر بھی کیا سکتا ہے۔'' تو اب تم ذیشان کے ماضی کے بارے میں جاننا چاہتی ہو؟''

''ظاہر ہے۔ وہ کون ہے؟ کون تھا؟ مجھے اس سے دلچسپی ہے۔''

''تم کبھی اس سے ایسے سوالات نہ کرنا'' قیصر نے نرمی سے کہا۔'' یہ اس کے لیے بے حد خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔''

ماریہ اچانک پھٹ پڑی'' اگر اس نے مجھے جو کچھ بتایا ہے' درست ہے تو آپ لوگ اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں؟ اسے نفسیاتی علاج کی ضرورت ہے۔''

نفسیاتی علاج ہو رہا ہے اس کا قیصر نے کہا'' ڈاکٹر نیازی بہت اچھے سائیکاٹرسٹ ہیں۔ یہ بتاؤ' ذیشان نے ہتھیار کیسے ڈالے؟''

ماریہ نے تفصیل بتائی۔ قیصر تفہیمی انداز میں سر ہلاتا رہا۔

''ہمیں یہ توقع تھی بھی نہیں کہ یہ بہروپ ہمیشہ نبھے گا'' قیصر نے فلسفیانہ انداز میں کہا ''بس ایک دن کا فرق پڑ گیا۔ ورنہ میں کل تم دونوں کو جدا کرنے والا تھا۔''

''خدا کی پناہ! آپ خود کو کیا سمجھتے ہیں آخر؟ اور ہمیں کیا سمجھتے ہیں؟ ہم شطرنج کی بساط پر بکھرے ہوئے مہرے تو نہیں۔''

''ذیشان کو رضا کار سمجھو۔ وہ اپنی مرضی سے ہم سے تعاون کر رہا ہے۔''

دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا۔ قیصر نے کرسی گھمائی اور پلٹ کر دیکھا۔ ڈاکٹر نیازی اکیلا ہی واپس آیا تھا۔

''احمد! تم جا کر ذیشان کے پاس بیٹھو'' قیصر نے احمد سے کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔ وہ ابھی باہر آ جائے گا'' نیازی نے کہا'' میں نے اسے سوچنے

کو کچھ سمجھا دیا ہے۔''

''کیسا ہے وہ؟''

''ٹھیک ٹھاک ہے۔''

''اسے یاد ہے کہ وہ مس ماریہ کے سامنے بھانڈا پھوڑ چکا ہے؟''

''بالکل یاد ہے'' ڈاکٹر نیازی نے جواب دیا'' البتہ اسے یہ یاد نہیں کہ دورہ پڑنے سے پہلے مس ماریہ نے اس سے کیا پوچھا تھا۔'' اس نے دلچسپی سے ماریہ کی طرف دیکھا'' کیا پوچھا تھا آپ نے؟''

''میں نے پوچھا تھا.... تم کون تھے'' ماریہ نے بتایا۔

ڈاکٹر نیازی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا'' آئندہ ایسا مت کیجیے گا۔ میرا خیال ہے' آپ کے ساتھ بھی میری ایک نشست ضروری ہے۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔ یہ انگلینڈ واپس جا رہی ہیں'' قیصر نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

ماریہ اس سے بے نیاز ڈاکٹر نیازی کو گھور رہی تھی'' آپ ڈاکٹر ہیں؟''

نیازی سگریٹ سلگاتے سلگاتے رک گیا'' اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوں۔''

''تو پھر آپ کو ڈاکٹروں کا ضابطہ اخلاق یاد نہیں رہا ہوگا'' ماریہ نے کہا۔ ڈاکٹر کا چہرہ تمتما اٹھا۔ ماریہ' قیصر کی طرف مڑی'' اور جہاں تک میرے انگلینڈ جانے کا تعلق ہے تو میں ضرور جاؤں گی۔ وہاں اس دلچسپ کہانی کی خوب پذیرائی ہوگی.....''

''تم اس سلسلے میں زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالو گی'' قیصر نے سخت لہجے میں کہا۔

''کون روک سکتا ہے مجھے؟'' ماریہ نے چیخ کر کہا۔

قیصر نے کرسی کی پشت سے سر نکالتے ہوئے فرید کی طرف دیکھا'' اس کا مطلب ہے' ہمیں ان کو یہیں روکنا ہوگا۔ اس سلسلے میں انتظامات کر لو۔''

''کب تک روکو گے مجھے؟ ساری زندگی تو نہیں روک سکتے۔ میں آخر کار انگلینڈ جاؤں گی اور لوگوں کو بتاؤں گی کہ ایک مجبور' بے بس اور مظلوم انسان کے ساتھ کیسا خود غرضانہ برتاؤ کیا گیا۔ اور جب یہ خبر انگلینڈ کے اخبارات میں چھپے گی تو پاکستان میں بھی تہلکہ مچ جائے گا۔''

فرید مسکرایا'' یہ خبر اخبارات میں نہیں چھپ سکتی۔ یہ سرکاری راز ہے۔''

''نہ چھپے۔ میں انگلینڈ کی بیس یونیورسٹیوں کے ایک ایک طالب علم تک یہ خبر خود پہنچاؤں گی۔ تم عوامی ردعمل کا اندازہ کر ہی نہیں سکتے'' ماریہ نے تمسخرانہ لہجے میں کہا'' تمہارا یہ سرکاری راز

سڑکوں پر گونجے گا۔

''خدا کی پناہ!'' فرید نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا'' یہ تو ہے۔''

''اس نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ یعقوب سعید کی بیٹی ہے'' قیصر بڑبڑایا۔

''اب بولو۔ کیا کرو گے؟ ختم کر دو گے مجھے؟'' ماریہ کا لہجہ فاتحانہ تھا۔

''یہ نہیں ہو سکتا'' قیصر کی پشت کی طرف دروازے سے ذیشان نمودار ہوا۔

قیصر نے پلٹ کر دیکھے بغیر کہا'' سکون سے بیٹھ جاؤ ذیشان۔ ہم ایک سنگین مسئلے سے دوچار ہیں۔''

ذیشان بیٹھ گیا۔

''تو تم لوگ بھی مسائل سے دوچار ہوتے ہو؟'' ماریہ نے طنز کیا۔

''آخر تم چاہتی کیا ہو؟'' قیصر نے زچ ہو کر ماریہ سے پوچھا۔

ماریہ اچانک ہی بوکھلا گئی'' میں...... میں چاہتی ہوں، تم اس کے ساتھ زیادتی نہ کرو'' اس نے لرزتی انگلی سے ذیشان کی طرف اشارہ کیا۔

''ہم کوئی زیادتی نہیں کر رہے ہیں۔ ہم نے زبردستی بھی نہیں کی۔ خود پوچھ لو اس سے۔''

''جب اس بے چارے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ کون ہے تو یہ تمہاری بات ماننے کے سوا کیا کر سکتا ہے۔'' ماریہ نے تیز لہجے میں کہا۔

''محتاط رہو۔'' نیازی نے ذیشان کی طرف دیکھتے ہوئے اسے تنبیہ کی۔

''اسے مدد کی ضرورت ہے'' ماریہ نے فریاد کی۔

''اور ہم اس کی مدد کر رہے ہیں'' قیصر نے کہا۔

''یہ مدد نہیں، خود غرضی ہے۔ اسے علاج کی ضرورت ہے۔''

''ایک بات بتاؤ مجھے'' قیصر نے کہا'' تم اس کے لیے اس قدر ہنگامہ کیوں کر رہی ہو۔ جب کہ یہ تمہارے لیے اجنبی ہے۔ اس حمایت کا کیا مطلب ہے آخر؟''

ماریہ سر جھکا کر میز کو تکتی رہی۔ پھر نظریں جھکائے جھکائے بولی۔'' اب یہ میرے لیے اجنبی نہیں۔ میں کتنے عرصہ سے اس کے ساتھ ہوں۔''

قیصر نے مایوس ہو کر ذیشان کو دیکھا'' مسٹر ذیشان انور، تم ہماری مدد نہیں کرو گے اس قصے میں؟''

ذیشان نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا اور فوراً ہی بند کر لیا۔ قیصر نے پہلی بار اسے اس کے اصل نام سے مخاطب کیا تھا۔ کیا اب اسے ٹیم میں شامل کر لیا گیا ہے یا یہ قیصر کا کوئی نفسیاتی حربہ ہے؟ اس نے ماریہ کو دیکھا جو بدستور سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''ماریہ، میں نے خوب سوچ سمجھ کر ان سے تعاون کا فیصلہ کیا ہے۔ ان کا مشن میرے ملک و قوم کے لیے بہت اہم ہے۔ اور وہ تمہارا وطن بھی ہے'' اس نے کہا۔

ماریہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ چند لمحے خاموشی سے ہونٹ کاٹتی رہی۔ پھر بولی ''ہاں۔ یہ تو ہے۔ شاید اسی لیے میں کبھی خود کو انگریز نہیں سمجھ سکی۔ میں نے وہاں کی معاشرتی قدریں بھی قبول نہیں کیں۔ چلو ٹھیک ہے۔ لیکن میری ایک شرط ہے۔''

''وہ کیا ہے؟''

''میں بھی اس مہم میں شریک ہوں گی...... اپنے ڈیڈی کے ساتھ۔''

کمرے میں سناٹا تیر گیا۔

دیر تک کوئی کچھ نہیں بولا۔

''سانپ کیوں سونگھ گیا آپ لوگوں کو؟'' آخر کار ماریہ ہی نے کہا'' میں نے کوئی انہونی تو نہیں کہہ دی۔ ویسے آپ لوگ مجھے اندھیرے میں رکھ کر استعمال کر رہے تھے۔ اب میں خود اپنے آپ کو پیش کر رہی ہوں تو اس میں کیا حرج ہے؟''

قیصر نے نرمی سے کہا'' بے بی! یہ مہم بے حد خطرناک ہو گی۔''

''آپ فکر نہ کریں۔ یعقوب سعید جیسا باپ میرے ساتھ ہے'' ماریہ نے تلخ لہجے میں کہا'' بہرحال، یہ میری شرط ہے۔ مانیں نہ مانیں۔''

''ہمارے پاس کوئی چارہ بھی تو نہیں'' قیصر نے کہا۔

''نہیں'' ذیشان نے پرزور لہجے میں کہا۔

سب کی نظریں ذیشان کی طرف اٹھیں۔ قیصر نے کہا'' یہ ضدی لڑکی ہے۔ ہمیں دھمکی دے چکی ہے اور اس پر عمل بھی کر گزرے گی۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔''

''تم نے سوچا بھی ہے کہ خود کو کس پریشانی میں ڈال رہی ہو۔'' ذیشان نے ماریہ سے کہا۔

''میں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے'' ماریہ کے لہجے میں قطعیت تھی۔

''بس تو فیصلہ ہو گیا'' قیصر بولا'' اب ہمیں مہم کی مکمل منصوبہ بندی کر لینی چاہیے'' پھر وہ

ڈاکٹر نیازی کی طرف مڑا ''میرا خیال ہے' اب آپ کی ضرورت نہیں۔ ضرورت پڑی تو ہم رابطہ کر لیں گے۔''

ڈاکٹر نیازی دروازے تک ہی گیا تھا کہ ماریہ نے بھرائی ہوئی آواز میں اسے پکارا ''نہیں۔ آپ نہیں جائیں گے۔''

ڈاکٹر رک گیا ''کیا مطلب؟'' قیصر غرایا۔

''ڈاکٹر نیازی میرے اور ذیشان کے ساتھ ہی رہیں گے'' ماریہ بولی۔

''کیوں؟'' قیصر کے لہجے میں بے بسی تھی۔

''مس ماریہ۔ میں نہیں......''

''کیوں نہیں'' ماریہ نے اس کی بات کاٹ دی ''ایک بات بتائیں۔ بحیثیت ڈاکٹر آپ کے لیے ایک مریض سے بڑھ کر کچھ ہو سکتا ہے؟''

ڈاکٹر خاموش رہا۔ قیصر نے کہا ''یہ ناممکن ہے۔''

''کیا ناممکن ہے۔ میں ڈاکٹر سے پوچھتی ہوں' اگر ذیشان کو دوبارہ دورہ پڑ گیا تو کیا ہو گا۔ کیا یہ ممکن نہیں؟''

ڈاکٹر نیازی نے اپنی ٹھوڑی کھجائی ''بحیثیت ڈاکٹر تو مجھے ذیشان کے قریب ہی رہنا چاہیے۔ لیکن مس ماریہ' میں مرد میدان نہیں ہوں''

''ویسے یہ خیال اتنا برا بھی نہیں'' فرید نے مداخلت کی ''ممکن ہے' سفر کے دوران ہمیں ان کی ضرورت پڑ جائے۔''

''بیٹھ جاؤ نیازی'' قیصر نے منہ بنا کر کہا۔

قیصر نے بھاری بریف کیس اٹھا کر قریب کیا اور اسے کھولتے ہوئے بولا ''مخصوص حالات کی وجہ سے میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے لوگ ڈاکٹر یعقوب سعید پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ ہم انہیں چکرانے کے لیے ڈاکٹر یعقوب سعید کو مسلسل متحرک رکھیں گے۔'' اس نے بریف کیس سے فن لینڈ کا بڑا سا نقشہ نکال کر میز پر پھیلا دیا ''فرید نارتھ لیپ لینڈ میں آئیولو جائے گا'' اس نے انگلی نقشے کے ایک مقام پر رکھی ''یہ فن لینڈ کا افتادہ ترین شمالی علاقہ ہے' جہاں کوئی پرواز جاتی ہے۔ وہاں سے بذریعہ کار مزید شمال کی طرف سفر کیا جائے گا۔ کیوں کہ علاقہ ہمیشہ سے ریسرچ کرنے والوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے'' وہ فرید کی طرف مڑا ''تمہارا کام دور رہ کر پارٹی کو کور دینا ہو گا۔ تمام وقت تم پارٹی پر نظر رکھو گے۔ لیکن چھپ کر۔ تمہیں بالکل اجنبی بن کر رہنا ہو گا۔ سمجھ گئے؟''

''سمجھ گیا'' فرید نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''تم جہاز کے ذریعے آئیولو جاؤ گے'' قیصر نے فرید سے کہا ''جبکہ ذیشان' شیلا' ماریہ اور ڈاکٹر نیازی کار کے ذریعے ہیلسنکی سے چلیں گے۔ انہیں کیون پہنچ کر کیمپ لگانے میں دو دن لگیں گے۔'' اب وہ ان چاروں سے مخاطب تھا ''فرید پہلے ہی وہاں پہنچ چکا ہو گا۔ لیکن آپ اس سے شناسائی کا اظہار نہیں کریں گے۔ وہ آپ کے لیے ٹرپ کا وہ پتا ہو گا' جو کسی بھی مشکل میں آپ کے کام آ سکے گا۔ آپ لوگ کیون نیچر پارک کے علاقے میں بظاہر تحقیق کریں گے۔ یہ غیر آباد علاقہ ہے۔ آپ کو خیموں کی ضرورت ہو گی۔ فرید' تمام ضروری چیزوں کا بندوبست کر لینا۔''

فرید نے اثبات میں سر ہلایا۔

ذیشان نے پوچھا ''اس سب کا مقصد کیا ہے؟''

قیصر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا ''میری معلومات کے مطابق ڈاکٹر یعقوب نے کبھی مطالعۂ قدرت میں دلچسپی نہیں لی۔ کیوں مس ماریہ؟''

''ڈیڈی خالص ٹیکنالوجسٹ تھے'' ماریہ نے تائید کی۔

''اب ڈاکٹر یعقوب ایسا کریں گے تو ان میں دلچسپی لینے والوں کے لیے یہ ایک غیر معمولی بات ہو گی۔ وہ تذبذب کا شکار ہو جائیں گے۔ اور انہیں بھٹکانا ہی ہمارا مقصد ہے'' اس نے ذیشان کا بازو تھپتھپایا ''تمہیں کچھ عام سے آلات اور اوزار دے جائیں گے۔ تمہارا انداز ایسا ہو گا' جیسے کسی خاص موضوع پر تحقیقی کام کر رہے ہو۔ وہاں تمہیں تین دن قیام کرنا ہو گا۔ اس کے بعد تم شمال کی سمت ایک اور ایڈونچر پارک کی طرف روانہ ہو گے۔ وہاں بھی تم وہی کچھ کرو گے۔''

''اور اختتام؟'' فرید نے پوچھا۔

''آخر میں تمہیں واٹسو نامی ایک گاؤں میں پہنچنا ہو گا۔ وہاں میں تمہیں ٹیلی گرام بھیجوں گا' واپس آ جاؤ۔ تمہیں معاف کر دیا گیا ہے' وہاں بہت محتاط رہنا۔ وہ دلدلی علاقہ ہے۔''

''یعنی مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر یعقوب کو کسی ایسی چیز کی تلاش ہے' جو زیر زمین موجود ہے۔ سو وہ تھیوڈولائٹ کے ذریعے زمین ناپتا اور جا بجا نشانات لگاتا پھر رہا ہے'' ذیشان نے کہا۔

''ہاں۔ یہی بات ہے'' قیصر نے کہا ''اور میں تمہیں ایک نقشہ بھی دوں گا۔ وہ ہے تو بہت بڑا' تمہاری سمجھ میں بھی نہیں آئے گا۔ لیکن بے حد متاثر کن ثابت ہو گا۔''

''اور جس دوران ہم یہ سب کچھ کر رہے ہوں گے' تمہاری مصروفیات کیا ہوں گی؟''

ذیشان نے قیصر نے پوچھا۔

''میں اور احمد سویٹو گورسک میں اصل کام کر رہے ہوں گے۔یعنی کھدائی۔جب کہ تمام نگاہیں تم لوگوں پر مرکوز ہوں گی'' قیصر نے جواب دیا۔پھر وہ شیلا کی طرف مڑا''تم بہت چپ ہو۔''

شیلا نے کندھے جھٹک دیے''کہنے کو ہے ہی کیا؟''

''تم اس پارٹی میں رہتے ہوئے باڈی گارڈ کے فرائض انجام دو گی۔فرید باہر رہ کر تمام لوگوں کے تحفظ کا خیال رکھے گا۔ایک آدمی کی اور بات تھی۔مگر اب تین ہو گئے ہیں۔سنبھال سکو گی؟''

''اگر ان لوگوں نے ہدایت پر عمل کیا تو کوئی مشکل نہیں ہو گی۔''

''ان کی عافیت اسی میں ہے'' قیصر نے کہا''اور ہاں.....اب ریوالور سے کام نہیں چلے گا۔میں تمہیں نسبتاً کوئی بڑا ہتھیار دوں گا'' پھر وہ ذیشان کی طرف مڑا''کوئی اور جسے ریوالور کا استعمال آتا ہو؟''

''میرا نشانہ برا نہیں ہے'' ڈاکٹر نیازی نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔احتیاطاً ایک پستول تمہیں دے دیا جائے گا۔''

ذیشان نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا''میں نے پہلے کبھی ریوالور استعمال نہیں کیا۔لیکن ٹریگر تو کوئی بھی دبا سکتا ہے۔''

''چلو.....ایک ریوالور تم بھی لے لینا'' قیصر نے کہا۔پھر اس نے ماریہ کو دیکھ کر کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔مگر پھر ارادہ بدل دیا۔

''کیا مطلب؟ فائرنگ وغیرہ کا خطرہ بھی ہے کیا؟'' ڈاکٹر نیازی پریشان نظر آنے لگا۔

''کچھ بھی ممکن ہے'' قیصر نے جھنجلا کر کہا''ممکنہ خطرے کے پیش نظر ہی تو یہ سوچا جا رہا ہے'' اس نے بریف کیس بند کیا اور فرید سے کہا''میں سب کچھ سمجھا چکا۔کل روانگی ہو گی۔جانے سے پہلے مجھ سے ضرور مل لینا۔تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

قیصر اور فرید باہر نکل گئے شیلا دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ذیشان' ماریہ کے پاس آ بیٹھا''ڈاکٹر نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے ماریہ۔مجھے بہت افسوس ہے'' اس نے ماریہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''مجھے تم سے زیادہ افسوس ہونا چاہیے تھا لیکن نہیں ہوا'' ماریہ نے کہا''وہ میرے باپ تھے۔لیکن میرے لیے تم سے زیادہ اجنبی تھے'' اس نے سر اٹھا کر ذیشان کو دیکھا''میں نے انہیں دو

سال سے نہیں دیکھا۔اس بار ان سے .....تم سے ملی تو پہلی بار احساس ہوا کہ میں نے انہیں پا لیا۔مہربان اور شفیق ڈیڈی۔لیکن میں نے انہیں پھر کھو دیا۔انہوں نے کبھی مجھے خود سے قریب ہونے ہی نہیں دیا تھا۔میرے لیے کچھ فرق نہیں پڑا۔تمہاری سمجھ میں میری بات نہیں آ رہی ہو گی......''

ذیشان کو اس کی بات جذباتی سی محسوس ہوئی''میں تمہارے جذبات سمجھ رہا ہوں ماریہ'' اس نے کہا''میں نہیں چاہتا کہ تم اس خطرناک مہم میں شریک ہو'' اس کے لہجے میں التجا تھی۔

ماریہ نے سختی سے ہونٹ بھینچے اور ضدی پن سے کہا''میں ضرور چلوں گی۔''

☆☆☆☆

قیصر نے پائپ بھرتے ہوئے فرید سے پوچھا''کیا سوچ رہے ہو؟''

''لڑکی نے مشکلات کھڑی کر دیں ہمارے لیے۔''

''ہاں۔تمہیں ان کی حفاظت کے لیے بہت چوکنا رہنا ہو گا۔''

فرید آگے کی طرف جھک آیا''میں تمہاری وجہ سے بھی پریشان ہوں۔دیکھو نا' ممکن ہے' یعقوب کو روسیوں نے اغوا کیا ہو اور تشدد کر کے اس سے سب کچھ اگلوا لیا ہو۔اس صورت میں تمہیں سویٹو گورسک میں داخل ہوتے ہی دھر لیا جائے۔سب سے خطرناک کام تمہارا ہے۔''

قیصر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا''یہ خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا۔ویسے یعقوب کے جسم پر تشدد کے نشانات نہیں تھے۔اور وہ رضا کارانہ طور پر یا کسی لالچ کے تحت زبان کھولنے والا آدمی نہیں تھا۔میرا خیال ہے' اغوا کرنے والوں کو یعقوب سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔وہ اسے کہیں لے جانے کی کوشش کر رہے تھے اور اسی دوران وہ حادثے میں ختم ہو گیا۔اور اہم بات یہ کہ ہم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے کہ اغوا کرنے والوں کا تعلق کس بلاک سے تھا'' اس نے دیا سلائی جلا کر پائپ سلگایا''میں نے کل رات جنرل سے بات کی تھی۔میں نے انہیں بتایا کہ صابر ملک ہمارے راستے میں دشواریاں کھڑی کر سکتا ہے۔جنرل صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس سلسلے میں کچھ کریں گے۔''

''کیا کریں گے؟''

قیصر نے اظہار بے پروائی کے طور پر کندھے جھٹکے''یہ ہمارا درد سر تو نہیں۔وہاں حکومت اور فوج کے درمیان نہیں بنتی تو نہ بنے' دفاع کے سلسلے میں اہم کام تو ہوں گے۔صابر ملک کے پیچھے وزیر دفاع اور کسی حد تک وزیر اعظم بھی ہیں'' اس نے گہری سانس لی''دیکھو فرید' میرا یہ مشورہ گرہ میں باندھ لو۔میرے عہدے تک پہنچو تو خود کو ان رقابتوں میں ملوث کبھی نہ ہونے دینا۔ہماری وفا

داری صرف وطن سے ہونی چاہیے۔''

''فی الحال تو میں صرف سویٹو گورسک کے لیے پریشان ہوں۔'' فرید نے مسکراتے ہوئے کہا ''میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے۔ کیوں نہ احمد کو پارٹی کی حفاظت پر مامور کر دیا جائے اور میں تمہارے ساتھ چلوں۔''

''وہ نوجوان ہے۔ زیادہ تجربے کار بھی نہیں۔ سنگین صورت حال میں ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھے گا۔ میرے ساتھ تو کام چلا لے گا۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کام بانٹے ہیں۔''

''تعلق خاطر کا شکریہ فرید'' قیصر نے پرخلوص لہجے میں کہا۔ ''میری عمر ساٹھ سال سے زیادہ ہے۔ اب مجھ میں وہ پھرتی اور تیزی نہیں رہی' جو اس طرح کے کاموں کے لیے لازمی ہوتی ہے۔ میں اب صرف ذہن سے کام کر سکتا ہوں۔'' اچانک اس کے لہجے میں اداسی در آئی ''ممکن ہے' یہ میری آخری مہم ہو۔ میں اس میں کامیابی چاہتا ہوں۔ تاکہ باعزت طور پر ریٹائر ہو سکوں۔''

☆☆☆☆

ڈاکٹر نیازی ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے کار ایک دوراہے پر روکی اور پلٹ کر پیچھے دیکھا ''ذیشان پلیز...... نقشہ دیکھ کر میری رہنمائی کرو۔''

پچھلی سیٹ پر بیٹھے ذیشان نے نقشہ کھول کر اپنے گھٹنوں پر پھیلا لیا۔ ''اس وقت ہم کامانن میں ہیں'' اس نے خبر پڑھنے والے کے انداز میں کہا ''یہاں سے ہمیں داہنی سمت مڑنا ہے۔ کیون اب ۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے'' اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی ''گیارہ بجنے سے پہلے پہنچ جائیں گے ہم۔''

نیازی نے موڑ کاٹا۔ کار ایک جھٹکے کے ساتھ اچھلی اور آگے بڑھ گئی ''ان سڑکوں پر زیادہ تیز ڈرائیونگ ممکن نہیں'' اس نے تبصرہ کیا۔

شیلا ہنسی ''فن لینڈ والے اپنی سڑکوں پر فخر کرتے ہیں۔ شاید حب الوطنی کی وجہ سے۔ حالانکہ ان سڑکوں نے میرے تو انجر پنجر ڈھیلے کر دیئے۔''

ذیشان نے ماریہ کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے برابر بیٹھی بے سدھ سو رہی تھی۔ دو دن کے دشوار سفر نے سبھی کا برا حال کر دیا تھا۔ ذیشان اب خود ذرا ستانے کی سوچ رہا تھا۔ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ کھڑکی کے شیشے پر دھول جمی تھی۔ اطراف میں دور دور تک جھاڑیوں اور اونچے نیچے ٹیلوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

ذیشان کے ذہن میں اچانک ایک لہر سی اٹھی۔ میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟ وطن سے

ہزاروں میل دور' قطبی علاقے میں میرا کیا کام؟ اس نے بکھرتی ہوئی سوچوں پر قابو پانے کے لیے آنے والے وقت کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔

انہیں ہیلسنکی سے روانہ ہوئے دو دن ہو چکے تھے۔ انہوں نے ڈرائیونگ کے لیے دو دو گھنٹے کی شفٹ طے کر لی تھی۔ ذیشان مسلسل فن لینڈ کے بارے میں کتابچے پڑھتا رہا تھا۔

شیلا نے پاؤں پھیلاتے ہوئے کہا ''ڈاکٹر اگلے موڑ پر گاڑی روک لینا اب میری باری ہے۔''

کوئی بات نہیں۔ چلنے دو۔ میں ایسی تھکن محسوس نہیں کر رہا ہوں۔'' ڈاکٹر نے اپنی گنگناہٹ میں بریک لگاتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی گاڑی روک لینا۔''

ایک اونچے ٹیلے کی آڑ میں گاڑی روک لی گئی۔ شیلا اپنی دوربین لے کر اتر گئی ''ایک منٹ لگے گا بس۔'' اس نے کہا اور آنکھوں سے دوربین لگا لی۔

ذیشان چند لمحے کھڑکی کے شیشوں کے پار اسے دیکھتا رہا۔ پھر خود بھی دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ شیلا کار سے چند قدم کے فاصلے پر تھی۔ وہ اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا ''کچھ نظر آیا؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں۔'' شیلا نے مختصراً کہا۔

''یہ تم ہر ایک گھنٹے کے بعد اتر اتر کر دیکھتی ہو اور اب تک نظر کچھ بھی نہیں آیا۔ کوئی ہمارا پیچھا نہیں کر رہا ہے۔''

''ہو سکتا ہے' وہ ہمارے آگے چل رہے ہوں'' شیلا بولی۔

''کسی کو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''یہ جاننے کے کئی طریقے ہیں۔ تم اس فیلڈ کے آدمی نہیں ہو۔''

''ہاں۔ یہ تو ہے'' ذیشان نے اعتراف کیا ''لیکن تم جیسی پیاری لڑکی اس چکر میں کیسے پڑ گئی۔؟''

شیلا دوربین کیس میں رکھ کر کندھے سے لٹکا لی ''تم یقین نہیں کرو گے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''تم بتاؤ تو۔''

''مجھے پاکستان سے عشق ہے۔ اگرچہ میں وہاں صرف ایک بار تین ماہ کے لیے گئی تھی۔

قومیت کے لحاظ سے میں برطانوی ہوں۔ لیکن میری روح پاکستانی ہے۔ پاکستان کی محبت مجھے اپنے والد سے ورثے میں ملی ہے۔''

''میں اس پر یقین کیوں نہیں کروں گا۔''

''شکریہ'' شیلا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دباتے ہوئے کہا''ایک بات کا خاص خیال رکھنا۔ یعقوب سعید کا تذکرہ اب کسی سے نہ کرنا۔ خود سے بھی نہیں۔ اس نے انگلی سے ذیشان کا سینہ ٹھونکتے ہوئے کہا''اب تم ہی ڈاکٹر یعقوب سعید ہو۔''

''ٹھیک ہے مادام۔ اب تو ہم آپ کے شاگرد ہیں'' ذیشان نے خوش دلی سے کہا۔

''بس تو پھر میری بات پر عمل بھی کرنا'' شیلا نے ادھر ادھر دیکھا۔''یہ جگہ آبادی سے بہت دور معلوم ہوتی ہے۔ کچھ یاد ہے' آخری انسانی صورت کتنی دیر پہلے نظر آئی تھی۔''

''کوئی ایک گھنٹا پہلے'' ذیشان نے جواب دیا۔

''میرا خیال ہے' یہ جگہ ٹارگٹ پریکٹس کے لیے مناسب ہے'' شیلا نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔ کار کی طرف واپس جاتے ہوئے اس نے کہا۔''ماریہ کے ساتھ محتاط رویہ رکھنا وہ بہت کنفیوزڈ ہے''

''میں جانتا ہوں۔ اس کے پاس کنفیوزڈ ہونے کی معقول وجوہات بھی ہیں۔''

شیلا نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا''کسی ایسے شخص کی محبت میں گرفتار ہونا جو اس کے ناپسندیدہ باپ کا ہم شکل ہو' کوئی آسان کام نہیں۔ لیکن ماریہ کے لیے کچھ اتنا دشوار بھی ثابت نہیں ہوا''

ذیشان چلتے چلتے رک گیا۔''یہ کیسی احمقانہ باتیں شروع کر دیں تم نے؟''

شیلا معنی خیز انداز میں ہنسی''میں نے؟'' ذرا سا غور کرو تو تمہیں پتا چل جائے گا کہ یہاں احمق کون ہے۔''

نیازی کار گھما کر جھاڑیوں کے جھنڈ کی طرف لے آیا۔ شیلا نے سب کو اپنے اپنے ریوالور لوڈ کر کے نیچے آنے کی ہدایت کی اور کچھ دور ایک جھاڑی کی جڑ میں کولڈ ڈرنک کا ٹن رکھ دیا۔

''اب ہمیں باری باری نشانہ لینا ہوگا'' اس نے شست باندھتے ہوئے کہا۔

سب نے تین تین نشانے لیے۔ شیلا کے تینوں فائر ہدف پر لگے۔ ذیشان کے تینوں فائر بے سود رہے۔ نیازی کے دو خطا ہوئے اور ایک نشانہ پر بیٹھا۔ جبکہ ماریہ اپنی کارکردگی پر خود حیران رہ گئی۔ اس کے دو نشانے بالکل ٹھیک بیٹھے۔ جبکہ ایک بہت قریب سے گزرا۔

''تم نے ٹھیک کہا تھا۔ تمہیں صرف ٹریگر دبانا ہی آتا ہے'' شیلا نے ذیشان پر طنز کیا۔ پھر وہ ماریہ کی طرف مڑی''تمہارا نشانہ برا نہیں ہے۔ لیکن اگر اس ٹن کی جگہ آدمی ہو' تب بھی تمہاری کارکردگی کیا ایسی ہی ہوگی؟''

''مم...... میں...... میں کچھ نہیں کہہ سکتی'' ماریہ نے بوکھلا کر کہا۔

''اور ڈاکٹر تم؟''

''میرا خیال ہے' خطرہ لاحق ہو تو میری کارکردگی بہتر ہو جائے گی۔ میں مرتے مرتے ایک دو کو بہرحال مار گرانے کا قائل ہوں'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''چلئے یہی بہت ہے'' شیلا نے ہنستے ہوئے کہا''اس سے زیادہ کی مجھے امید بھی نہیں رکھنی چاہیے' چلو اب چلیں۔''

وہ سب کار میں آبیٹھے۔ شیلا نے انہیں ہتھیار لوڈ رکھنے کی ہدایت کی''کل سے ہم پیدل ہوں گے۔ ایسے میں خطرہ بڑھ جائے گا۔ ریوالور ساتھ ہی رہنے چاہئیں۔ اور ہاں' فائر کرتے وقت ایک اور اہم بات......'' وہ ہدایات دیتی رہی۔

☆☆☆☆

قیصر نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا''گاڑی کی رفتار کم کرو۔''

احمد کے پیر کا ایکسیلیٹر پر دباؤ میکانکی انداز میں کم ہونے لگا۔ رفتار کم کر کے اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ قیصر گاڑی میں پائپ نہ پیئے۔ یا کم از کم ایسے برانڈ کا تمباکو استعمال کریں جس میں اتنی بو نہ ہو۔ گاڑی میں تمباکو کی بو بری طرح رچی ہوئی تھی۔ اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

''وہ دیکھو' سیدھے ہاتھ کی طرف ٹاور نظر آ رہا ہے'' قیصر نے اشارہ کیا۔

احمد نے اشارے کی سمت دیکھا اور حیرت سے کہا''لائٹ ہاؤس۔''

قیصر مسکرایا''بے وقوف' یہ روسیوں کا آبزرویشن ٹاور ہے''

''تو کیا ہم سرحد تک پہنچ گئے؟ یہ ٹاور تو زیادہ سے زیادہ ایک کلومیٹر دور ہے۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے۔ اب گاڑی موڑ لو۔ ہمیں ٹامئرا چلنا ہے' جہاں ہمارے کمرے بک ہیں۔''

احمد نے گاڑی چوڑی سڑک پر موڑ لی۔ اس نے رفتار بدستور کم ہی رکھی''یہاں اور ٹاورز بھی ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

"سرحد پر جا بجا ایسے ٹاورز موجود ہیں۔ان کی وجہ سے چڑیا کا بچہ بھی روسیوں کی نظروں سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔" اس نے ناقدانہ نگاہوں سے ٹاور کو دیکھا "یہ روسی بھی عجیب ہیں۔ہمیشہ دوسروں کے گھروں میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہیں۔شکی مزاج بھی ہوتے ہیں۔"

احمد خاموش رہا۔اس کا ذہن بری طرح مصروف تھا۔قیصر کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنا پروگرام آخری لمحے تک کسی پر ظاہر نہیں کرتا تھا۔اس کی اس عادت کی وجہ سے اس کے ماتحتوں کو ہر لمحہ چوکس رہنا پڑتا تھا۔اپنے اعصاب پر قابو بھی رکھنا پڑتا تھا کہ نجانے کب کیا کرنا پڑ جائے۔اب احمد اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ سرحد کس طرح پار کریں گے۔

قیصر کی ہدایت کے مطابق وہ ڈرائیو کرتا رہا۔کچھ ہی دیر بعد وہ اماٹرا میں داخل ہو گئے۔گاڑی ہوٹل کی پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ اندر داخل ہوئے۔وہ پرانے زمانے کی تعمیر کردہ خاصی بڑی عمارت تھی۔پوری عمارت پتھروں کی بنی ہوئی تھی اور گنبدوں' محرابوں' اور میناروں پر مشتمل تھی۔احمد کو وہ عمارت پراسراری لگی۔اسے ایسا لگا' جیسے اسے کسی طلسمی قلعے میں قید کر دیا گیا ہے۔

"اسی ہوٹل میں قیام ہوگا ہمارا؟" اس نے عجیب سے لہجے میں قیصر سے پوچھا۔

"اندر سے اتنی پرانی نہیں ہے۔"

وہ اندر داخل ہوئے۔عمارت اندر سے بھی پرانے طرز کی تھی لیکن توازن اور سلیقے کی وجہ سے اچھی لگ رہی تھی۔دیواروں پر خوب صورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔

کاؤنٹر سے انہوں نے اپنے کمرے کی چابی لی اور پورٹر کے ساتھ اوپر آ گئے۔زینے بھی لکڑی کے تھے۔راہداری کا فرش بھی لکڑی کا تھا۔پورٹر نے دروازہ کھول کر ان کا سامان اندر رکھا۔قیصر نے اسے ٹپ دے کر رخصت کیا۔

"میں بائیں جانب والا بیڈ لوں گا۔" قیصر نے کہا "چلو اب اوپر چل کر کافی پیتے ہیں۔بڑی تھکن ہو گئی ہے۔"

"یعنی یہاں اوپر بھی کچھ ہے۔" احمد نے حیرت سے پوچھا۔

وہ چکر دار زینے سے ہوتے ہوئے اوپری منزل پر پہنچے۔"واقعی خوبصورت عمارت ہے۔" احمد نے زیر لب تبصرہ کیا۔

"ہاں پرانے طرز کی عمارت ہے۔مگر اچھی ہے۔یہ ۱۹۰۲ء میں تعمیر ہوئی تھی' جب یہاں روسی فن تعمیر ہی چھایا ہوا تھا۔کسی زمانے میں اماٹرا سینٹ پیٹرزبرگ کے روسی امرا کی تفریح

گاہ تھی۔زار روس تک نے یہاں قیام کیا ہے۔کیا پتا' اسی کمرے میں' جو ہمیں ملا ہے۔"

وہ ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہوئے۔کمرے میں بے شمار کھڑکیاں تھیں' جن کی وجہ سے وہاں روشنی اور ہوا کی کوئی کمی نہیں تھی۔بہت بڑے کمرے میں آٹھ دس کرسیاں اور کئی صوفے پڑے تھے۔درمیان میں ایک لمبی میز تھی۔دیواروں کو جانوروں کی کھالوں سے سجایا گیا تھا۔

دونوں بیٹھ گئے۔قیصر کونے میں رکھے فریج سے بوتل نکال لایا۔احمد نے ایک کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا "اس وقت ہم شاید مینار پر ہیں؟"

"ہاں۔" قیصر نے گلاس میں واڈکا انڈیلتے ہوئے کہا۔

"ارے......یہ کیا!" احمد بری طرح چونکا "ہم تو یہاں کافی پینے آئے تھے۔"

"میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔" قیصر بولا "یہاں ہمیں جن لوگوں سے کام لینا ہے' ان کے ساتھ بیٹھ کر پینی بھی پڑے گی۔ورنہ سب کچھ دھرا رہ جائے گا۔"

احمد نے بوتل کے لیبل کو بہت غور سے دیکھا "روسی واڈکا؟"

"مجبوری ہے۔کام کے دوران بعض اوقات ناپسندیدگی کو اٹھا کر ایک طرف رکھنا پڑتا ہے۔" قیصر' احمد کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑکی کے پاس لے گیا "وہ چمنیاں دیکھ رہے ہو؟"

احمد نے اشارے کی سمت دیکھا۔چند فرلانگ دور کسی فیکٹری کی دھواں اگلتی چمنیاں تھیں "ہاں۔دیکھ رہا ہوں۔کیوں؟"

"وہ اسٹالن فنگر ہے۔" قیصر نے کہا "سویٹوگورسک۔"

احمد نے دوربین نکال کر آنکھوں سے لگا لی۔چمنیاں جیسے چھلانگ لگا کر قریب آ گئیں۔اس حد تک کہ وہ ایک ایک اینٹ دیکھ سکتا تھا۔"اوہ خدایا!یہ اماٹرا ہی کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔" اس کے منہ سے نکلا۔وہ کچھ دیر دوربین آنکھوں سے لگائے کھڑا رہا۔پھر پلٹتے ہوئے بولا "اسٹالن کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔تم؟"

"اسٹالن فنگر۔یہ سویٹوگورسک کا مقامی نام ہے" قیصر نے کہا۔"جنگ کے بعد روسی نئی حد بندیاں چاہتے تھے تاکہ فنیوں کو اپنی سرحد سے نکال باہر کریں۔اس سلسلے میں یہاں ایک کانفرنس ہوئی۔......سویٹوگورسک یا اینسو میں۔اس وقت بھی یہ صنعتی علاقہ تھا۔ملک کی کاغذ بنانے کی بیشتر فیکٹریاں یہیں ہیں۔ایک روسی پہلے سے طے شدہ سرحدیں نقشے پر ڈیزائن کر کے کانفرنس میں پہنچا۔جب اس نے نقشہ اسٹالن کے سامنے پھیلایا تو اسٹالن نے اس مقام پر انگلی رکھ دی۔روسی نے اسٹالن کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔اسٹالن کی انگلی کے گرد نشان لگا دیا۔یوں وہ علاقہ روس میں

ہی رہ گیا۔ یہاں کے لوگ اسی لئے اسے اسٹالن فنگر کہتے ہیں۔''

''خبیث۔ مردود!'' احمد کو اسٹالن کی زیادتی پر غصہ آنے لگا۔

''آؤ۔ اب بیٹھ کر کچھ پیتے ہیں۔ مجھے تم سے آپریشن کے طریق کار کے بارے میں باتیں کرنی ہیں۔ تم بیٹھو' میں نیچے سے اپنا بریف کیس لاتا ہوں۔''

جتنی دیر میں قیصر نیچے جا کر اپنا بریف کیس لایا' احمد دیواروں پر لگی جانوروں کی کھالوں کو دلچسپی سے دیکھتا رہا۔

''اب آجاؤ'' قیصر نے پکارا ''میں تمہیں کچھ کام کی باتیں بتا دینا چاہتا ہوں۔'' اس نے بریف کیس میز پر رکھ کر کھولا ''سویٹو گورسک تو سویٹو گورسک ہی ہے اور میں حقیقت پسند آدمی ہوں۔ لیکن جن لوگوں سے ہمارا واسطہ پڑے گا' وہ اس معاملے میں بے حد حساس اور جذباتی ہیں۔ لہذا ان کے سامنے ہم سویٹو گورسک کو اینسو کہیں گے۔''

''ٹھیک ہے' میں سمجھ گیا۔'' احمد نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ابھی تو تمہیں کچھ بھی معلوم نہیں۔ مجھے اپنی جاب کی وجہ سے اس علاقے کو جاننے کا موقع ملا ہے اور میں یہاں بار ہا آتا بھی رہا ہوں۔ لہذا ایک تجربے کار آدمی کی نصیحتیں گرہ میں باندھ لو۔ یہ تاریخ ہے۔

''۱۸۳۵ء میں لونروٹ نامی ایک شخص نے بہت ساری لوک کہانیاں جمع کیں اور انہیں شعری روپ دے کر شائع کر دیا۔ یہ کالیویلا کہلاتی ہے۔ یہ فنیوں کا اپنا پہلا بڑا ادبی کام تھا۔ جدید فنی ثقافت کے لئے بنیاد یہی کتاب بنی۔''

''دلچسپ۔'' احمد نے کہا ''لیکن ہمارے لیے اس کی کیا اہمیت ہے؟''

''صرف سنتے اور ذہن نشین کرتے رہو۔'' قیصر نے خشک لہجے میں کہا۔ ''کالیویلا کی تمام کہانیاں کریلیا کے علاقے سے تعلق رکھتی ہیں' جو اَب روس کا حصہ ہے۔ کالیویلا نامی گاؤں بھی اب روس میں ہے۔ فنیوں کے نکتہ نگاہ سے یہ ایک المیہ ہے اور بیشتر فنی اس سلسلے میں چڑتے ہیں۔''

''ان کا خیال ہوگا کہ روس نے ان کے ثقافتی ورثے پر ڈاکا ڈالا ہے۔''

''ہاں۔ کچھ ایسا ہی ہے'' قیصر نے بچا کھچا مشروب حلق میں انڈیل لیا۔ ''اب سیاسی پس منظر بھی سن لو۔ جنگ کے بعد فن لینڈ کے صدر نے ایک ایسی خارجہ پالیسی اپنائی' جو فن لینڈ کے لیے نئی چیز تھی۔ وہ اصل میں سویڈن کی طرح غیر جانب دار رہنا چاہتے تھے۔ لیکن درحقیقت اس غیر جانب داری کا جھکاؤ روس کی طرف تھا۔ وہ بڑے بھائی کو جارحیت کا کوئی جواز کسی بھی قیمت پر

فراہم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ فن لینڈ کے موجودہ صدر کی بھی یہی پالیسی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ موجودہ حالات میں فن لینڈ اس کے سوا کچھ کر بھی نہیں سکتا۔ ان کے سامنے ایسٹونیا اور بالٹک کی دوسری ریاستوں کی مثال موجود ہے۔''

قیصر نے گلاس میں روسی واڈکا انڈیلی ''ہمیں کچھ ایسے فنی باشندوں سے ملنا ہے' جو اس خارجہ پالیسی کے مخالف ہیں۔ وہ دائیں بازو سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمیں انہی کی مدد سے اینسو میں داخل ہونا ہے۔ اگر فن لینڈ کے صدر کو ہمارے عزائم کا علم ہو جائے تو اس کے رہے سہے بال بھی سفید ہو جائیں گے۔ لیکن صدر کیکونن کی طرح ہم بھی نہیں چاہتے کہ روس کو سرحدوں میں مزید ردو بدل کا کوئی بہانہ ہاتھ آئے۔ چنانچہ آج ہمیں جن فنیوں سے ملنا ہے' ہم ان سے خوش اسلوبی سے نرم لہجے میں بات کریں گے۔ اور یہاں کی حدود میں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھیں گے۔''

اس نے سخت نگاہوں سے احمد کو دیکھا ''اور ایک بہت اہم نکتہ ذہن میں رکھنا۔ اگر ہم پکڑے گئے تو ہمیں سارا الزام خود پر لینا ہوگا۔ فنیوں کا کہیں نام نہ آنے پائے۔

''میں سمجھ گیا'' احمد نے سنجیدگی سے کہا۔

''ویسے منصوبہ اتنا اچھا ہے کہ ہمارے پکڑے جانے کا کوئی خدشہ نہیں۔ مگر احتیاطاً میں نے ہر بات واضح کر دی ہے'' قیصر نے بریف کیس کھول کر ایک نقشہ نکالا ''یہ اینسو کا نقشہ ہے' ۱۹۳۹ء کا'' اس نے نقشہ میز پر پھیلا دیا۔ اس کی انگلی نقشے پر پھسلتی ہوئی ایک مقام پر رک گئی۔ ''یہ وہ گھر ہے' جہاں یعقوب کے دادا ابراہیم رہتے رہے۔ انہوں نے کاغذات کا ایک بکس اپنے عقبی باغیچے میں دفن کیا تھا۔''

احمد نقشے پر جھک گیا ''بکس کتنا بڑا ہے۔؟''

''یعقوب نے بتایا تھا' دو فٹ چوڑا اور ڈیڑھ فٹ اونچا۔''

''تو ہمیں پورے باغیچے کی کھدائی کرنا ہوگی'' احمد نے کہا اور سر جھکا کر حساب کتاب میں لگ گیا ''باغیچے کی لمبائی چوڑائی کیا ہے؟''

''اس کی ضرورت نہیں پڑے گی'' قیصر نے اسے دلاسہ دیا۔ ''یعقوب کے پاس اس کے باپ کی دی ہوئی مکمل معلومات تھیں۔ بہرحال درست مقام کا تو علم نہیں'' قیصر نے دوبارہ بریف کیس کھولا۔ ''یعقوب کو جن چیزوں کے ساتھ آنا تھا' میں وہ چیزیں اپنے ساتھ لایا ہوں۔''

''احمد نے بریف کیس میں جھانکا۔ اس میں ایک بڑا اسکیل رکھا تھا' جس پر انڈین انک سے نشانات لگے تھے'' باغیچے میں چار درخت ہیں۔ صندوق ان میں سے کسی ایک کی جڑ میں دفن ہے۔''

''اس کا مطلب ہے ہمیں زیادہ سے زیادہ چار جگہ کھدائی کرنا ہوگی اور کم سے کم ایک جگہ'' احمد نے پھر حساب لگانا شروع کر دیا۔

''یہ واقعہ ۱۹۴۴ء کا ہے۔ ان چار میں سے جو درخت بہت پرانا لگتا ہے' ہم اسی سے کھدائی کا آغاز کریں گے۔ لیکن ممکن ہے' ہمیں چار گڑھے ہی کھودنا پڑیں۔ یہ دیکھو'' قیصر نے چند فوٹو گراف اس کی طرف بڑھائے۔ ''یہ تصویریں ہمارے فنی دوستوں نے تین ہفتے پہلے فراہم کی تھیں۔''

''تو ہمیں کھدائی رات کی تاریکی کے پردے میں کرنا ہوگی۔'' احمد نے کہا۔

''کیسی رات؟ کیسی تاریکی؟'' قیصر نے حیرت سے کہا ''ہم اس وقت قطبی دائرے میں نہیں رہے۔ اس کے باوجود یہاں اس حصے میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ تاریکی جو ہمیں میسر آئے گی' وہ شام کے جھٹ پٹے جیسی ہوگی۔''

''تو کیا ضروری تھا کہ ہم سال کے اسی حصے میں بکس نکالنے کے لیے آتے! ہم انتظار بھی کر سکتے تھے۔''

''یہ بات تم نے بہت آسانی سے کہہ دی۔ اس لیے کہ تم یہاں کے موسم سرما کی سفاکی سے ناواقف ہو۔'' قیصر نے خشک لہجے میں کہا ''اس کے علاوہ بھی ایک وجہ ہے۔ جب ابراہیم صاحب یہاں رہتے تھے تو یہ علاقہ اینسو کے مضافات میں شمار ہوتا تھا۔ اب اینسو کی آبادی بڑھ رہی ہے۔ علاقے تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ چنانچہ تعمیر نو کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ روسی حکومت نے موسم خزاں تک اس علاقے پر بلڈوزر پھیر دینے کا پروگرام بنایا ہے۔ ہمیں ان سے پہلے بکس وہاں سے نکالنا ہے۔ ورنہ بعد میں ہم بکس ڈھونڈتے ہی رہ جائیں گے۔''

''افسوس۔ اتنی عظیم دریافت سے پہلے ہی ڈاکٹر یعقوب دنیا چھوڑ گئے'' احمد نے متاسفانہ لہجے میں کہا ''ایک بات بتائیں۔ کیا اب وہ گھر خالی پڑا ہے؟''

''نہیں۔ وہاں ایک روسی فیملی رہتی ہے۔ مرد کسی کاغذ کی فیکٹری میں فورمین ہے۔ مرد کا نام کینود ہے۔ ایک بیوی' تین بچے' ایک بلی' کتا کوئی نہیں'' قیصر نے تفصیل بتائی۔

''تو ہم دن کی روشنی میں اس کے باغیچے کی کھدائی کیسے کریں گے؟ احمد نے فوٹو گراف میز پر ڈالتے ہوئے کہا ''یہ تو ناممکن ہے۔''

قیصر نے پرسکون لہجے میں کہا ''ناممکن کچھ بھی نہیں ہے میرے بیٹے۔ کاغذات کسی دھاتی بکس میں ہیں اور میرے پاس ایک حساس آلہ ہے۔ اسے تم دھات کا سراغ رساں کہہ سکتے

ہو۔ چھوٹا سا مگر بے حد کارآمد آلہ۔''

''جیسا کانیں تلاش کرنے والوں کے پاس ہوتا ہے؟''

''ہاں۔ ویسا ہی۔ لیکن نسبتاً چھوٹا۔ اتنا چھوٹا کہ ہم اسے چھپا کر سرحد پار لے جا سکتے ہیں۔ میں نے اس مہم کے لیے یہ آلہ بطور خاص بنوایا ہے۔ یعقوب نے بتایا تھا کہ بکس زمین میں دو فٹ تک کی گہرائی میں دفن ہے۔ جبکہ میں نے اس آلے کی مدد سے تین فٹ کی گہرائی میں دفن ایک بکس تلاش کرنے کا کامیاب تجربہ کیا ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہمارا مطلوبہ بکس زمین میں تین فٹ نیچے بھی دفن ہوا تو میرا آلہ بہت واضح سگنل دے گا۔'' قیصر مسکرایا۔

''تو سگنل ملتے ہی ہم کھدائی شروع کر دیں گے۔ لیکن اس دوران اس گھر کا مکین کینود کیا کر رہا ہوگا؟''

قیصر بدستور مسکراتا رہا ''وہ بے حد مستعد اور فرض شناس فورمین ہے'' اس نے کہا ''وہ اس دوران ٹوائلٹ پیپر یا اس سے ملتا جلتا کوئی ردی کاغذ بنانے مصروف ہوگا۔''

''لیکن اس کی بیوی' بچے اور پڑوسی؟'' احمد نے اعتراض کیا۔

''اور بلی بھی'' قیصر نے ہنستے ہوئے کہا ''تم فکر نہ کرو۔ ہم صورت حال کے مطابق عمل کریں گے۔ ممکن ہے' ہم خود ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں باغیچے میں لے آئیں۔''

☆☆☆☆

رات کی میٹنگ کے لیے امائرا سے چند فرلانگ کے فاصلے پر ایک مکان کا انتخاب کیا گیا تھا۔

''وہ تین افراد ہوں گے'' قیصر نے راستے میں احمد کو بتایا ''لاسی ورٹنین' اس کا بیٹا ٹارمو اور ہیکی ہیوی نن۔''

احمد نے بچوں کی طرح تالیاں بجا کر اظہار مسرت کیا۔ یہ شاید اپنے اندرونی تناؤ کو کم کرنے کی کوشش تھی ''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کبھی لاسی کے بیٹے سے میری ملاقات ہوگی۔'' اس نے چہک کر کہا۔

''اگر تمہارے ذہن میں اسی طرح کے اور فقرے بھی ہیں تو انہیں اس وقت تک ذہن میں ہی رکھو' جب تک مہم سے فارغ نہیں ہو جاتے'' قیصر نے خشک لہجے میں کہا ''یہ لوگ حس مزاح سے محروم ہوتے ہیں اور برا بھی مان سکتے ہیں۔ لاسی ورٹنین زمانۂ جنگ میں ہوا باز تھا۔ وہ اب بھی خود کو اتنا ہی مستعد سمجھتا ہے۔ اسے جرمنوں سے ہمدردی ہے اور روسیوں سے نفرت۔ اس کا بیٹا اس

کا اپنا عکس ہے۔ ہیکی نسبتاً معتدل مزاج ہے لیکن روسیوں سے شدید نفرت بہر حال ان کے خمیر میں شامل ہے۔ ہمیں اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔ سمجھے؟ ورنہ ہم زندگی بھر اپنے مطلوبہ مقام تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

احمد کو لگا' قیصر نے اس پر بالٹی بھر یخ بستہ پانی انڈیل دیا ہے۔ "ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا" اس نے آہستہ سے کہا "منصوبہ کیا ہے؟"

"فنی کاغذ بنانے میں ماہر ہیں۔ کاغذ کے مل روسیوں کے پاس چلے گئے لیکن ہنر مند فن لینڈ میں رہ گئے۔ روسی' فنی لوگوں کی مہارت کا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ اینسو میں انہوں نے ایک نئی پیپر مل لگائی ہے۔ اس میں تمام مشینری بھی فنی ہے اور کام کرنے والے بھی فنی۔ بیشتر مزدور یہاں امارا میں رہتے ہیں اور روز سرحد پار جاتے اور آتے ہیں۔

احمد کے دماغ میں روشنی کی پھلجھڑیاں سی پھوٹیں "اوہ۔ گویا ہم مزدورں کے روپ میں آسانی سے سرحد پار کریں گے۔"

قیصر غرایا "یہ کام اتنا آسان بھی نہیں' جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ گاڑی اس طرف موڑ لو۔"

احمد نے کار اس کی بتائی ہوئی سمت میں موڑ لی۔

"یہ تینوں اسی پیپر مل میں کام کرتے ہیں" قیصر نے انکشاف کیا۔

احمد چند لمحے سوچتا رہا "اگر یہ لوگ روسیوں سے اتنی ہی نفرت کرتے ہیں تو پھر کاغذ سازی میں ان کی مدد کیوں کر رہے ہیں؟"

"ان لوگوں کا تعلق دائیں بازو کی ایک ایسی تنظیم سے ہے' جسے تقریباً کچلا جا چکا ہے۔ ان بچے کھچے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جاسوسی کر کے انقلاب کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے ان کا آخری وقت قریب آ چکا ہے۔ فنی حکومت انتہا پسندوں کو کچلنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ موجودہ حکومت کی پالیسی میں ایک خرابی ہے۔ وہ غیر جانبداری کا بھرم نہیں رکھ سکتی۔ بائیں بازو کے انتہا پسندوں کے خلاف روسی دباؤ کی وجہ سے کارروائی نہیں ہو سکتی۔ لیکن دائیں بازو کے انتہا پسند نازیوں کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ چنانچہ حکومت انہیں توازن قائم رکھنے کے لیے دانستہ ڈھیل دیتی ہے۔ البتہ وہ حد سے بڑھنے کی کوشش کریں تو ان پر چھری چل جاتی ہے۔ اب ہمیں بھی ان لوگوں کو استعمال کرنا ہے۔"

☆☆☆☆

• لاسی ورٹینن ادھیڑ عمر اور مضبوط تن و توش کا مالک تھا۔ اس کی چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ

تھی۔ اس کا بیٹا تیس بتیس سال کا تھا۔ وہ بے حد پر جوش نظر آتا تھا۔ اس کی نظر میں مہم کی یا کسی بھی چیز کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ تو بس جیسے سنسنی کا شائق تھا۔ ہیکی ہیوی نن بردبار نظر آتا تھا۔

وہ سب ایک میز کے گرد بیٹھ گئے۔ میز پر بیئر کی دس بارہ بوتلیں رکھی تھیں۔ بیئر اسکنڈے نیوین تھی۔ بوڑھے لاسی نے سب کو جام سرو کئے۔ پھر اپنے جام میں بیئر انڈیلی اور ایک ہی سانس میں چڑھا گیا۔ قیصر نے بھی اس کی تقلید کی۔ جام خالی کر کے اس نے کہا "بری نہیں ہے" وہ احمد کی سہولت کے پیش نظر وہاں کی دو نمبر زبان سوئڈش بول رہا تھا۔ ورنہ اس کی فنی استعداد بھی اچھی خاصی تھی۔

ٹارمو ہنسا۔ "ہاں یہ دوسری طرف سے جو آئی ہے۔"

لاسی نے دوبارہ گلاس بھرتے ہوئے کہا "ہیکی پریشا ہے۔" "قیصر نے پوچھا "وہ کس لیے؟"

"یہ کچھ اتنا آسان کام تو نہیں۔" ہیکی منمنایا۔

"بہر حال اتنا مشکل بھی نہیں۔" لاسی نے کہا "تم مت پریشان ہو۔"

"تمہارا کیا ہے' تم تو وہاں ہو گے نہیں۔" ہیکی بولا "تمام مشکلات تو مجھے پیش آئیں گی۔" وہ قیصر کی طرف مڑا "تین دن تک تو یہ کام ہو ہی نہیں سکتا۔"

"کیوں؟"

"تم اور تمہارا دوست' لاسی اور ٹارمو کی جگہ لیں گے۔ یہ پیپر مل میں کام کرتے ہیں۔ میں ان کا فورمین ہوں۔ ٹارمو کا کام ختم ہو چکا ہے لیکن لاسی آج کل اسکرینگ پلیٹ پر کام کر رہا ہے۔ ٹارمو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اسے نیا کام ملنا ہے اور پھر پہلی بار ایسا ہو گا کہ یہ دونوں کام سے غیر حاضر ہوں۔ مجھ سے ان کی بابت سیکڑوں سوالات کئے جائیں گے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا کہ مجھے کتنے بہانے گھڑنے' کتنے جھوٹ بولنے ہوں گے۔"

قیصر کو مشن کے سلسلے میں ہیکی کا رویہ سرد محسوس ہوا لیکن یہ بھی تھا کہ ہیکی اس کا براہ راست اظہار کرنے سے بھی بچ رہا تھا۔

"کیا خیال ہے لاسی؟" قیصر لاسی کی طرف مڑا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" لاسی نے کہا "لیکن ہیکی یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ تم کچھ ایسا کرو کہ کل اسکرینگ کا کام نہ ہو یا کوئی چیز توڑ ڈالو' کام نکل آئے گا۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔ وہ خبیث روسی ہر وقت میرے سر پر سوار رہتا ہے۔" ہیکی کے لہجے

میں جھنجلاہٹ تھی۔

''اس کا عہدہ کیا ہے؟'' قیصر نے پوچھا۔

''جب مل معمول کے مطابق کام شروع کرے گی تو وہ خبیث انجینئر ہوگا۔ وہ ہر کام ٹھیک ٹھاک چاہتا ہے اس لیے سائے کی طرح مجھ سے چپکا رہتا ہے۔''

''کسی توڑ پھوڑ کی ضرورت نہیں۔'' قیصر نے سپاٹ لہجے میں کہا ''میں بھی ہر کام ٹھیک ٹھاک چاہتا ہوں۔''

ہیکی نے جلدی سے سر کو تائیدی جنبش دی ''صرف تین دن کی بات ہے۔ پھر میں آسانی سے ان کی غیر حاضری کو چھپا سکتا ہوں۔'' اس نے باپ بیٹے کی طرف اشارہ کیا۔

''تو ہم پرسوں رات یہاں آجائیں گے۔'' قیصر نے کہا ''رات یہیں گزاریں گے اور صبح انہی لوگوں کے معمول کے مطابق یہاں سے روانہ ہوں گے۔ مگر ایک بات ہے' اجنبی مزدور ں کو دیکھ کر دوسرے مزدور حیران نہیں ہوں گے؟''

''اس کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں وہ حیران ہوتے رہیں لیکن وہ استفسار نہیں کریں گے۔'' ہیکی نے فخریہ لہجے میں کہا ''وہ سب فنی ہیں...... کیریلیا کے فنی۔''

''اور تم فورمین ہو؟'' قیصر نے لہجے میں ستائش سموئی۔

''ہاں' ان کی خاموشی کا ایک سبب یہ بھی ہوگا۔'' ہیکی مسکرایا۔

قیصر' لاسی اور تارمو کی طرف متوجہ ہوا ''اور اس روز تم دونوں اس مکان تک محدود رہو گے۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی یہ سوال کرے کہ تم دونوں بیک وقت امائرا اور اینسو میں کیسے ہو سکتے ہو۔''

''ہماری طرف سے تم بے فکر رہو۔'' لاسی نے یقین دلایا۔ ''کپڑے لے لئے ہیں تم نے؟''

''ہاں۔'' قیصر نے کہا اور جیب سے دو کارڈ نکالے ''یہ ہمارے پاس ہیں' ذرا چیک کر کے دیکھ لو۔''

ہیکی نے دونوں کے پاس لئے اور اپنی جیب سے اپنا پاس نکال کر موازنہ کیا ''نقل تو زبردست ہے۔ بالکل اصل جیسی۔'' اس نے داد دی ''لیکن یہ بالکل نئے ہیں' ضرورت سے زیادہ صاف۔''

''ہم انہیں کچھ پرانا کر سکتے ہیں نہایت آسانی سے۔'' قیصر نے کہا۔

ہیکی نے کندھے جھٹکے ''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عام طور پر سرحدی گارڈ پاس

دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کرتے۔''

''مجھے بھی یہی امید ہے۔'' قیصر نے کہا۔

''بس تو طے ہوگیا'' لاسی نے گلاس اٹھایا ''مجھے نہیں معلوم کہ تمہارے وہاں جانے کا اصل مقصد کیا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ جو کچھ بھی ہوا' روس کے حق میں برا ہی ہوگا۔'' وہ سب بیئر پیتے اور باتیں کرتے رہے۔

قیصر اور احمد مکان سے نکلے تو رات کافی گزر چکی تھی۔ انہیں تمام وقت لاسی اور ٹینن کے جنگی کارنامے بڑی دلجمعی سے سننا پڑے تھے اور بیئر میں بھی مسلسل اس کا ساتھ دینا پڑا تھا۔

اب وہ جان چھوٹنے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔

احمد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور سوالیہ نظروں سے قیصر کو دیکھا۔

''میں جانتا ہوں۔'' قیصر نے گمبھیر آواز میں کہا ''نشے میں انفرادی اور اجتماعی دکھ ڈبونے والے لوگ ناقابل اعتبار ہوتے ہیں لیکن تم تصور نہیں کر سکتے کہ یہ اپنے ماضی میں کتنے سچے ہیں۔''

''یہ لوگ اب تک ماضی میں رہ رہے ہیں۔'' احمد نے کہا۔ ''حال سے ناتا توڑ کر اپنی مرضی کے مستقبل کے خواب دیکھنا حماقت ہے۔''

''یہاں' فن لینڈ میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جواب بھی حالت جنگ میں ہیں اور زمانہ جنگ میں رہتے ہیں۔ تم ان کی طرف سے پریشان نہ ہو' ہمیں ہیکی ہیوی نن کے ساتھ سرحد پار کرنا ہوگی۔''

''ہیکی ہیوی نن۔'' احمد نے آہ بھر کر کہا ''اس کے انداز سے لگتا ہے کہ وہ طوعاً و کرہاً ہمارا ساتھ دے رہا ہے۔''

''اس کی پرواہ بھی مت کرو۔ ہمارے لیے یہی بہت کافی ہے کہ وہ ہمارا ساتھ دے رہا ہے۔'' قیصر نے اپنا پائپ بھرتے ہوئے کہا ''معلوم نہیں فرید اینڈ کمپنی کس حال میں ہوگی۔'' اس نے پائپ سلگایا ''بہر حال وہ ہم سے اچھے رہے۔''

☆☆☆☆

''میں تھک گیا ہوں۔'' ڈاکٹر نیازی نے کہا ''لیکن مجھے نیند نہیں آئے گی۔''

ذیشان نے سطح زمین کا جائزہ لیا۔ وہ اپنے سلیپنگ بیگ کے لئے مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا ''کیوں؟ نیند کیوں نہیں آئے گی؟'' اس نے پوچھا۔

"میں اتنی تیز روشنی میں سو ہی نہیں سکتا۔" نیازی نے رد دینے والے لہجے میں کہا "غضب خدا کا، یہاں رات ہی نہیں ہوتی، ہر وقت سورج نکلا رہتا ہے۔"

ذیشان مسکرایا "تو نیند کی گولی کیوں نہیں لے لیتے۔"

"اب تو یہی کرنا پڑے گا۔" نیازی نے گھاس نوچتے ہوئے کہا۔ "تم سناؤ، آج کل نیند کیسی آ رہی ہے؟"

"ٹھیک ہی ہے۔"

"خواب وغیرہ؟"

"دیکھتا تو ہوں لیکن صبح ہوتے ہوتے بھول جاتا ہوں۔ کیوں؟"

"میں اکثر تمہارا ذہن پڑھتا ہوں۔" ڈاکٹر مسکرایا "آج کل وہاں ایک نام نظر آتا ہے۔"

اس نے ماریہ کی طرف اشارہ کیا جو کچھ دور بیٹھی چائے بنا رہی تھی۔

ذیشان نے اپنا سلیپنگ بیگ بچھایا اور اس پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا "تمہارا کیا خیال ہے اس کے بارے میں؟" اس نے پوچھا۔

"ذاتی رائے پوچھ رہے ہو یا پیشہ ورانہ؟"

"دونوں ہی بتا دو۔"

"اچھی، پیاری اور متوازن لڑکی ہے۔" ڈاکٹر کے لہجے میں ستائش در آئی "اس نے قیصر جیسے شخص کو بے بس کر کے رکھ دیا۔ مجھے اس بے ہودہ مقام تک لے آئی۔ میں اس کی صلاحیتوں کا معترف ہوں۔"

"لیکن باپ کی موت کی اطلاع پر اس کا ردعمل بہت غیر فطری تھا۔"

"میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔ دراصل تم یعقوب سعید سے واقف بھی تو نہیں ہو۔ ان کے تعلقات بس واجبی ہی سے تھے۔ پھر صورت حال بھی ایسی تھی کہ اسے ٹھیک طرح سے سوچنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ سوچنے کو اور جو بہت کچھ موجود تھا۔ باپ کی موت کی اطلاع اس کے وجود کی گہرائیوں کو چھو ہی نہیں سکی۔"

"ہاں۔ یہ تو ہے۔" ذیشان نے آہستہ سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں ماریہ کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ نہ صرف اپنے بلکہ دوسروں تک کے مسائل سے نمٹنے کی اہلیت رکھتی ہے۔"

ایک اونچے ٹیلے کے پیچھے سے شیلا نمودار ہوئی۔ اس کے چہرے پر بشاشت تھی۔

ذیشان محسوس کر رہا تھا کہ شیلا کے انداز میں اس کے لیے اب وہ گرم جوشی نہیں رہی جو اوسلو میں تھی۔

شیلا نے ایک نظر مصروف ماریہ کی طرف اچھالی اور پھر ان دونوں کی طرف چلی آئی

"ذیشان، اب اپنا تھیوڈولائٹ نکال لو۔" وہ بولی۔

"ذیشان نے پیر پھیلاتے ہوئے پوچھا" کیا وہ اب بھی ہمارے ساتھ لگے ہیں؟"

"ہاں۔ بلکہ اب تو ایک پارٹی بھی نمودار ہو گئی ہے۔ لگتا ہے ہماری شہرت پھیل رہی ہے۔" شیلا نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ذیشان اٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے کیس سے تھیوڈولائٹ نکالا۔ تین پایوں والی بھاری میز اور نقشہ اٹھا کر وہ شیلا کے بتائے ہوئے مقام کی طرف چل دیا۔

نیازی نے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور مسکرایا۔ اس کا خیال تھا کہ ماریہ، ذیشان کا علاج کسی بھی ڈاکٹر سے بہتر طور پر کر سکتی ہے۔ ایک سائیکاٹرسٹ ہونے کی حیثیت سے یہ اس کے لیے ایک دلچسپ اور کارآمد تجربہ ہوتا۔ وہ ماریہ سے علیحدگی میں ایک ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ اس کا عندیہ لینا چاہتا تھا۔

وہ اٹھا اور اس کی طرف چل دیا جہاں ماریہ پمپ کے ذریعے اسٹوو میں ہوا بھر رہی تھی۔

ذیشان چٹانی چھجے کے اوپر پہنچ کر رکا۔ اس نے تھیوڈولائٹ سیٹ کر کے جیب سے مڑا تڑا کاغذ نکالا جو مسلسل جیب میں رہنے کی وجہ سے اب خاصا بوسیدہ ہو چکا تھا۔ اس نے پہلے کاغذ کا جائزہ لیا اور پھر گرد و پیش کو بغور دیکھا، وہ کاغذ قیصر نے دھوکے کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے دیا تھا۔ اس پر چوڑی نب کے قلم سے چند اشارے دیے تھے۔ ۱۹۴۴ء میں بال پوائنٹ نہیں ہوتے تھے۔ قیصر نے کہا تھا، دوسرے قلم کی یہ تحریر اس کاغذ کو قدامت کا تاثر دیتی ہے، کاغذ پر کچھ لفظ تھے، کچھ لکیریں تھیں اور چند ڈگریاں تھیں۔

اس کا مطلب تو کچھ نہیں، قیصر نے کہا تھا، لیکن یہ اس بات کا ثبوت ضرور ہے کہ تم بے وجہ مارے مارے نہیں پھر رہے ہو۔ اور سنو، کوئی اس کاغذ کو چھیننا چاہے تو مزاحمت بالکل نہ کرنا۔

ذیشان نے پھر نیچے دیکھا۔ نیچے بہتا ہوا دریا سفید دھاگے جیسا لگ رہا تھا۔ دور ایک تنگ وادی میں جھیل کا نیلگوں پانی چمک رہا تھا۔ اس نے سر جھکایا اور تھیوڈولائٹ میں سے جھیل کی طرف دیکھا۔ جب بھی وہ ایسا کرتا اسے احساس ہوتا جیسے کوئی بھولا بسرا منظر یاد آ رہا ہو، جیسے وہ

پہلے بھی یہی کچھ کرتا رہا ہو۔

''کیا میں ماضی میں بھی سرویئر تھا؟'' اس نے سوچا۔

اس نے اسکیل پر ریڈنگ چیک کی' پھر اس نے نیچے وادی میں دیکھا اور پھر ریڈنگ لی۔ جیب سے نوٹ بک نکال کر اس نے پہاڑی اور جھیل کے زاویے نوٹ کیے۔ اسے یہ سب حماقتیں اچھی لگ رہی تھیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کچھ لوگ اسے دیکھ رہے ہیں۔

قیصر کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔

☆☆☆☆

پہلے ہی روز دوپہر کے کھانے کے وقت شیلا نے اعلان کیا'' ہم لوگوں کو دیکھا جا رہا ہے۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟'' ذیشان نے اعتراض کیا'' مجھے تو کوئی نظر نہیں آیا اب تک۔''

''مجھے فرید نے اطلاع دی ہے۔'' شیلا نے بتایا۔

ہیلسنکی کے بعد سے اب تک فرید کو ان میں سے کسی نے دیکھا بھی نہیں تھا۔ ذیشان نے پوچھا'' وہ کہاں ہے؟ تم کب ملیں اس سے؟''

شیلا نے اشارے سے بتایا اور کہا'' وادی کے اس طرف دریا پار۔ اور اس نے بتایا ہے کہ تین افراد کی ایک پارٹی ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔''

''تم نے واکی ٹاکی پر اس سے بات کی تھی؟'' ذیشان نے پوچھا۔

شیلا نے نفی میں سر ہلایا'' اس کے ذریعے۔'' اس نے بیگ سے تین انچ لمبی اسٹیل کی چپٹی سی پلیٹ نکالی۔ پلیٹ کے درمیان میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا'' یہ ہیلیو گراف ہے۔ چھوٹا' سادہ اور کارآمد۔''

ذیشان نے اس کے ہاتھ سے ہیلیو گراف لے کر اس کا معائنہ کیا۔ وہ اوپر نیچے دونوں جانب سے شیشے کی طرح چمک دار تھا۔'' اس کے ذریعے تم فرید سے کیسے رابطہ کرتی ہو؟'' اس نے شیلا سے پوچھا۔

''میں جانتی ہوں کہ فرید اس وقت کہاں ہے۔'' وہ بولی'' وہ مجھے سگنل دیتا ہے۔ اگر مجھے جواب دینا ہو تو میں اس کا رخ اس کی پوزیشن کی طرف کر کے سوراخ سے دیکھتی ہوں۔ مجھے اپنا عکس نظر آتا ہے اور جہاں دھوپ سوراخ سے گزرتی ہے' وہاں مجھے اپنے رخسار پر روشنی کا دائرہ دکھائی دیتا ہے۔ میں پلیٹ کو اس طرح جھکاتی ہوں کہ روشنی کا دائرہ سوراخ میں آ جائے۔ ایسا

ہوتے ہی اس کی روشنی فرید کی پلیٹ پر منعکس ہوتی ہے۔ اس کے بعد کا مرحلہ سیدھا سادا ہے۔ ہم مورس کوڈ استعمال کرتے ہیں۔''

ذیشان اس پر تجربہ کرنے ہی والا تھا کہ شیلا نے وہ اس سے جھپٹ لیا'' میں نے بتایا نا کہ ہم پر نظر رکھی جا رہی ہے۔ میری بات اور ہے۔ میرے بارے میں تو وہ یہ سوچیں گے کہ میں میک اپ کر رہی ہوں۔ میں ظاہر بھی یہی کرتی ہوں۔ لیکن تمہاری بات مختلف ہوگی۔''

''فرید نے کچھ بتایا کہ ہمارا تعاقب کرنے والے کون ہیں؟''

''وہ ان کے قریب نہیں گیا۔'' شیلا نے جواب دیا'' اور میرا خیال ہے اب تم تھیوڈولائٹ اٹھا کر اپنا کام شروع کر دو۔''

ذیشان اٹھا۔ اس نے تھیوڈولائٹ' چوکی اور دوسری چیزیں اٹھائیں۔ اب وہ اس کام میں کچھ ماہر ہوتا جا رہا تھا۔ دو دن میں اس نے متعدد بار زمین کی پیمائش کی تھی۔ مختلف زاویوں سے معائنہ کیا تھا اور جو کچھ دیکھا تھا' اسے نوٹ بک میں لکھتا بھی گیا تھا۔

اس نے تیسری بار ریڈنگ لی اور نوٹ بک میں لکھی۔ کچھ دیر وہ نوٹ بک پر جھکا حساب کرتا رہا پھر اس نے نوٹ بک جیب میں رکھی اور نقشے پر جھک گیا۔ وہ نقشے میں محو تھا کہ ماریہ اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی'' کھانا تیار ہے۔'' چند لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

ذیشان چونکا'' اوہ' یہ پکڑو ذرا۔'' اس نے تھیوڈولائٹ ماریہ کو تھما دیا'' شیلا نے پیچھا کرنے والی دوسری پارٹی کے بارے میں کچھ بتایا؟''

ماریہ نے اثبات میں سر ہلایا'' وہ تیزی سے قریب آتے جا رہے ہیں۔''

''پہلا گروپ کہاں ہے؟''

''وہ لوگ آگے بڑھ گئے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے ہم دونوں پارٹیوں کے درمیان سینڈوچ کے گوشت کی طرح ہو گئے ہیں۔'' ذیشان نے خوش دلی سے کہا'' اور ممکن ہے یہ شیلا کا وہم ہی ہو۔ میں نے تو ابھی تک کسی کو اپنا تعاقب کرتے نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی مجھے فرید کی کوئی جھلک نظر آئی ہے۔''

''میں نے آج اسے سگنل دیتے دیکھا تھا۔'' ماریہ نے بتایا'' وہ دریا کے اس پار موجود ہے۔ جب اس نے سگنل دیا' میں شیلا کے پاس ہی بیٹھی تھی۔''

ذیشان نے چوکی پیٹھ پر لادی' باقی سامان اٹھایا اور چٹانی چھجے سے اترنے لگا'' تم اور ڈاکٹر نیازی بہت دیر سے سر جوڑے بیٹھے تھے۔ بہت دلچسپ گفتگو ہو رہی تھی؟''

ماریہ نے کن انکھیوں سے ذیشان کو دیکھا ''ہم تمہارے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔''

اس نے پرسکون لہجے میں کہا ''جو باتیں میں تم سے نہیں پوچھ سکتی وہ میں نے ان سے پوچھ لی ہیں۔''

''امید ہے اچھی ہی ہوں گی وہ باتیں۔''

وہ مسکرائی ''کم از کم بری تو نہیں تھیں۔''

''یہی بہت ہے۔'' ذیشان نے کہا پھر پوچھا ''کھانا کیا ملے گا آج؟''

''بھنا ہوا گوشت۔''

اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری ''اب میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ تیزی سے نیچے اترنے لگا۔

☆☆☆☆

فرید بری طرح تھک چکا تھا۔ وہ پہاڑی پر جھاڑیوں کے درمیان لیٹا ان چاروں کو دیکھ رہا تھا جو دریا کے پار وادی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ گزشتہ دو دن میں فرید بہت کم سویا تھا' اب اس کی متورم آنکھیں جل رہی تھیں۔ اب وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس کام کے لیے دو آدمیوں کی ضرورت تھی۔ اس نے دوربین آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے پلکیں جھپکائیں پھر اس نے ہتھیلیوں سے آنکھیں ملیں اور کیمپ کی طرف دیکھا کیمپ کے اوپر والی چٹان پر کوئی کھڑا نظر آیا۔ وہ شاید ذیشان تھا۔

اس وقت صبح کے تین بجے تھے لیکن روشنی کافی تھی۔ آدھی رات کے وقت سورج نے افق سے سر ابھارا تھا اور اب تو خاصا چڑھ چکا تھا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ شیلا کے اصرار کی وجہ سے کیمپ میں نگرانی کی ڈیوٹیاں لگ رہی ہوں گی۔

وہ کہنیوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے جھکا اور وادی کے بلند ترین حصوں کا جائزہ لیا۔ اچانک وہاں نقل و حرکت کا احساس کر کے اس کے ہونٹ بھنچ گئے۔ پہلی پارٹی کے تین افراد دریا کے ساتھ ساتھ نیچے اتر رہے تھے۔

کچھ دیر پہلے فرید دریا پار کر کے سن گن لینے کی غرض سے ان کے کیمپ کے خاصا قریب گیا تھا لیکن اتنا قریب بھی نہیں کہ ان کی گفتگو صاف سن سکتا۔ تاہم آوازوں سے اسے اتنا معلوم ہو گیا تھا کہ وہ فنی نہیں ہیں۔ ان کے لہجوں میں اکھڑپن تھا۔ بوجھ کے اعتبار سے وہ بے حد ہلکے پھلکے تھے۔ ان کے پاس خیمے حتیٰ کہ سلیپنگ بیگ تک نہیں تھے۔

اس نے پھر چار افراد کے دوسرے گروپ کو دیکھا جو وادی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

دونوں گروپ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس نے اندازہ لگایا کہ اگر دونوں گروپ اسی رفتار سے بڑھتے رہے تو جہاں ایک اونچے ٹیلے کے گرد دریا ختم ہوتا ہے وہاں ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے۔ یعنی ذیشان کے عین نیچے۔

فرید دونوں گروپس کو دیکھتا رہا۔ ایک فرق بے حد نمایاں تھا۔ ایک پارٹی سامان کے اعتبار سے مفلس تھی تو دوسری اس اعتبار سے کوئی شاہی قافلہ معلوم ہوتی تھی۔ دو آدمیوں پر رسے کے لچھوں کا بوجھ تھا جسے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ کوئی کوہ پیمائی کی امید کر رہے ہیں۔ اس نے سوچا' ممکن ہے وہ فنی ہوں۔ لیکن وہ یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔

جب اس نے پہلی بار دوسرے گروپ کو دیکھا تھا تو اس سے اتنا دور تھا کہ چہرے شناخت نہیں کر سکتا تھا مگر اب اسے اس کا موقع ملنے والا تھا۔ وہ بیٹھا سوچتا رہا' دونوں پارٹیوں کے درمیان فرق کرتا رہا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ دونوں گروپ ایک دوسرے سے بے تعلق بھی ہیں اور لاعلم بھی۔

دو منٹ بعد جب اس نے چار گروپ کے لیڈر کا چہرہ واضح طور پر دیکھا تو اس بات کی تصدیق ہو گئی۔

وہ باتونی امریکن جیک کڈر تھا جو پہلے اچانک اوسلو میں اور پھر ہیلسنکی میں ذیشان سے مل بیٹھا تھا۔

پہلا گروپ جو زبان بول رہا تھا وہ نہ انگلش تھی نہ فنی۔

اور اب بیس منٹ کے اندر اندر دونوں پارٹیوں کا ٹکراؤ ہونے والا تھا۔

فرید نے دوربین ایک طرف رکھی اور اپنا سامان کا تھیلا کھولا۔ اس میں سے اس نے اپنی رائفل کے بکھرے ہوئے حصے نکال کر بڑی پھرتی سے جوڑے۔ تیس سیکنڈ میں رائفل تیار تھی۔

اس نے رائفل کو بڑی محبت سے سہلایا۔ وہ اسپیشل رائفل تھی جس کا وزن تین پونڈ سے زیادہ نہیں تھا۔ پانی میں وہ ڈوبتی نہیں تھی بلکہ تیرتی رہتی تھی۔ سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ پرزے علیحدہ کرنے کے بعد اس کی لمبائی صرف ''۱۷'' انچ رہ جاتی تھی۔ اسے آرام سے سفری تھیلے میں رکھا جا سکتا تھا۔

اس نے آٹھ راؤنڈ کا میگزین رائفل میں لگایا اور ایک کلپ جیب میں بھی ڈال لیا۔ پھر وہ رینگتا ہوا درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھا اور اس گھاٹی کے ذریعے دریا کی سمت اترنے لگا جسے

اس نے پہلے ہی اس کام کے لیے چن رکھا تھا۔ وہ ٹیلے کے اس پار دریا کے کنارے پہنچا۔ وہ دریا کے خم کی داہنی جانب تھا۔ وہ ان بڑے گول پتھروں کے پیچھے چھپ گیا جو گلیشیئر نے پھسلتے پھسلتے راستے میں چھوڑ دیے تھے۔

وہ اس پوزیشن میں تھا کہ دونوں پارٹیوں کو دیکھ سکتا تھا۔ اور دونوں پارٹیاں ابھی تک ایک دوسرے کی موجودگی سے بے خبر تھیں۔

اس نے سر اٹھا کر ٹیلے کی طرف دیکھا لیکن ذیشان زیادہ اوپر ہونے کی وجہ سے اسے نظر نہیں آ سکتا تھا۔

اس نے صورت حال کو پیچیدہ تر بنانے کے لیے فائر کرنے کی غرض سے رائفل تان لی۔

دونوں پارٹیاں موڑ مڑ کر ایک دوسرے کے مقابل میں آنے ہی والی تھیں کہ اس نے فائر کر دیا۔ فائر اس نے عین جیک کڈر کے سامنے کی سمت کیا تھا۔ جیک کڈر سے دو قدم آگے زمین سے ریت اُڑی۔ کڈر نے چیخ ماری اور زمین پر گر کر لڑھکنا شروع کر دیا۔ چاروں آدمی جیسے جادو کے زور پر غائب ہو گئے۔

فرید منظر کو تبدیل ہوتے نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ ایک فائر کے فوراً بعد اس نے تین والی پارٹی کے لیڈر کے سر کے عین اوپر چٹان پر دوسرا فائر کیا تھا۔ وہ تیزی سے زمین پر گرا لیکن گرتے گرتے بھی اس نے ریوالور نکال لیا۔

فرید نے اپنا سر پیچھے ہٹایا اور کچھوے کی طرح خول میں گھس گیا۔ اب اسے صرف تماشا دیکھنا تھا۔

☆☆☆☆

ذیشان نے نیچے فائر کی آواز سنی اور چونکا۔ وہ کیمپ کی طرف دو قدم بھی نہیں ہٹا تھا کہ دوسرے فائر کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد چٹانوں پر دوڑتے ہوئے قدموں کی گونج کے سوا کچھ نہیں تھا۔

وہ شیلا کے سلیپنگ بیگ پر جھکا لیکن وہ پہلے ہی جاگ چکی تھی ”نیچے فائرنگ ہو رہی ہے۔“ اس نے شیلا کو بتایا۔

”مجھے معلوم ہے، دوسروں کو جگاؤ۔“

ذیشان نے ماریہ کو جگایا پھر وہ نیازی کی طرف گیا۔ وہ بے خبر سو رہا تھا۔ ذیشان نے

اسے جھنجوڑا تو وہ منمنایا ”کیا مصیبت ہے؟“

اس دوران دو فائر اور ہوئے نیازی گھبرا کر اٹھ بیٹھا ”یہ کیا......؟“

شیلا بے تابانہ اشارے کر رہی تھی ”ٹیلے کی طرف“ اس نے پکارا ”دریا سے ہٹ کر۔“

نیازی نے جلدی سے بوٹ پہنے۔ وہ سوتے ہوئے ڈسٹرب کرنے والوں کے آباؤ اجداد کی تاریخ مسلسل بیان کر رہا تھا جو اخلاقی نکتہ نگاہ سے پردے میں رکھنی چاہیے تھی۔

ذیشان، شیلا کی طرف لپکا ”سامان کا کیا کریں؟“

”اسلحے کے سوا سب کچھ یہیں چھوڑ دو۔ جلدی کرو۔“

ذیشان نے ماریہ کو سہارا دیا۔ وہ چٹانی چھجے پر ہوتے ہوئے اور اوپر کی طرف بھاگے۔ کوئی تین سو گز اوپر جا کر وہ رکے۔ ان کی سانسیں سینے میں سما رہی تھیں۔ آخر کار شیلا اور نیازی بھی ان تک پہنچ گئے۔

تسلسل کے ساتھ تین فائر اور ہوئے ”یہ تو اچھی جنگ ہو رہی ہے۔“ ذیشان بڑبڑایا۔

”ہمیں چھپ جانا چاہیے۔ وہاں آڑ ہے اچھی خاصی۔“ شیلا نے کہا۔

وہ چاروں اس طرف دوڑ پڑے۔

☆☆☆☆

دریا کے اس پار پانی کے کنارے فرید نے تماشا دیکھا اور بڑی طمانیت سے مسکرایا۔ اس کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ دونوں پارٹیوں کو یہ سوچنے کی مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ گولیاں کس طرف سے آئی ہیں۔ انہیں پہلی فکر اپنی جان بچانے کی ہوئی تھی۔

اور اب وہ ٹیلے کی دونوں جانب پوزیشنیں لیے ہوئے تھے۔ کڈر اور اس کے ساتھی ٹیلے کے بائیں جانب تھے۔ کڈر نے ٹیلے کی داہنی سمت کسی کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو فوراً ہی فائر کر دیا۔ اس کا نشانہ خطا ہوا۔ دوسری طرف اس فائر نے اس کی پوزیشن عیاں کر دی۔ چنانچہ دوسری پارٹی کے ایک فرد نے اس پر فائر کر دیا۔ وہ بھی خطا ہوا۔

کڈر نے پیچھے ہٹتے ہوئے اپنی پشت پر لٹکا ہوا تھیلا اتارا کہ وہ اس کے لیے رکاوٹ بن رہا تھا۔ دوسرے بھی اس کی تقلید کر رہے تھے۔

فرید مسکرایا۔ وہ چھوٹی موٹی جنگ کی سی صورت حال بن رہی تھی۔ کڈر اپنی نقل و حرکت کی رفتار بڑھانے کے لیے سامان کے بوجھ سے پیچھا چھڑا رہا تھا۔ یہ اچھی حکمت عملی تھی کیونکہ اسے مخالفین پر عددی برتری حاصل تھی۔ یہ الگ بات کہ کڈر کو اس برتری کا علم نہیں تھا لیکن اس میں ایک

قباحت تھی۔ شکست کی صورت میں اگر وہ پسپا ہوا تو اپنے سامان سے محروم ہو جائے گا۔

فرید نے اپنی رائفل کو تھپتھپایا اور دراڑ کے راستے چڑھتا ہوا اپنی پرانی پوزیشن پر پہنچ گیا۔ اس دوران تین فائر ہوئے تھے۔

اوپر درختوں کے پاس پہنچ کر اس نے دوربین نکالی اور صورت حال کا جائزہ لیا۔ ذیشان چٹانی چھجے پر موجود نہیں تھا کیمپ بھی خالی پڑا تھا۔ امکان یہی تھا کہ وہ لوگ اوپر چلے گئے ہوں گے۔

اس نے نیچے دریا کی سمت دیکھا۔ ٹیلے اور پانی کے درمیان کی ریتلی پٹی پر دونوں جانب دو دو آدمی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ دونوں پارٹیاں پہلو سے حملہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ کڈر ایک آدمی کے ساتھ بائیں جانب سے ٹیلے پر چڑھ رہا تھا۔ وہاں سے انہیں بلندی کا فائدہ پہنچتا۔

لیکن مسئلہ یہ تھا کہ دوسری پارٹی بھی اسی چکر میں تھی۔ دوسری طرف سے ایک آدمی ٹیلے پر چڑھ رہا تھا اور اسے یہ فوقیت بھی حاصل تھی کہ ٹیلے پر چڑھ کر بلندی سے فائدہ اٹھانے کا خیال پہلے اسے آیا تھا۔ فرید کو ایسا لگ رہا تھا کہ وہ گیلری میں بیٹھ کر کوئی فلم دیکھ رہا ہے۔ وہ بڑی دلچسپی سے دونوں پارٹیوں کو ٹیلے کے حصول کی کوشش کرتے دیکھتا رہا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ ٹیلے کے اوپر خالی کیمپ ممکنہ طور پر اگلا میدان جنگ ہوگا۔ اگر دوسری پارٹی کا آدمی ٹیلے کی چوٹی پر کڈر اور اس کے ساتھی سے پہلے پہنچ جاتا تو ۱-۲ کے فرق کے باوجود اس کی پوزیشن بہتر ہو جاتی۔

ٹیلے کے نیچے ریتلی پٹی پر دونوں پارٹیوں کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ جاری تھا۔ اس فائرنگ کا مقصد مخالفین پر دباؤ ڈالنا نہیں بلکہ محض اپنی موجودگی کا احساس دلانا تھا۔

فرید اپنی رائفل کو چمکارتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ جنگ شروع کرانا کتنا آسان ہوتا ہے۔ اگر یہی آئیڈیا جو اسے سوجھا تھا' کسی چھوٹی قوم کو سوجھ جائے اور وہ رائفل کی گولیوں کے بجائے ایٹمی میزائل استعمال کر بیٹھے تو؟"

دائنی سمت سے ٹیلے پر چڑھنے والا چوٹی پر پہنچا تو کڈر اور اس کا ساتھی چوٹی سے بیس گز دور تھے۔ اوپر چڑھ کر اس نے سنسان کیمپ کی طرف دیکھا اور پھر جلدی سے ایک چٹان کے پیچھے چھپ گیا۔ شاید اس نے کڈر اور اس کے ساتھی کو آتے دیکھ لیا تھا۔

کڈر چوٹی پر پہنچا تو اس نے بھی کیمپ کا جائزہ لیا پھر اس نے اپنے ساتھی کو اپنی تقلید کرنے کا اشارہ کیا۔

کڈر اور اس کا ساتھی بھاگتے ہوئے کھلے میں آئے تو چھپے ہوئے شخص نے فائر کر دیا۔

کڈر کا ساتھی لٹو کی طرح گھوما اور چٹانوں کے درمیان ڈھیر ہو گیا۔ نیچے پھر فائرنگ شروع ہو گئی۔

کڈر چٹان کی اوٹ کی طرف لپکا تھا۔

فرید بھی نیچے دیکھنے لگا۔

نیچے بھی کسی کو گولی لگی تھی اور زخمی جس طرح ہاتھ پکڑے ہوئے تھا' اسے دیکھ کر فرید کو یقین ہو گیا کہ اس کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ کچھ دور سے اسے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ کڈر چٹانوں کے درمیان جھکائیاں دیتا اپنے زخمی ساتھی کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اچانک ٹیلے پر قابض شخص نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔

پندرہ منٹ بعد دونوں پارٹیاں مختلف سمتوں میں پسپا ہو رہی تھیں۔ کڈر کی پارٹی واپس جا رہی تھی۔ اس کا ایک ساتھی لنگڑا کر چل رہا تھا۔ اس کی ٹانگ میں گولی لگی تھی۔ دوسری پارٹی بھی واپس ہو رہی تھی۔

دونوں پارٹیوں میں سے کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہوا ہے۔

☆☆☆☆

شیلا نے آخری فائر کے بعد ایک گھنٹے انتظار کیا۔ پھر اس نے کہا "میں جا کر صورت حال دیکھتی ہوں۔"

"میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔" ذیشان بولا۔

وہ چند لمحے ہچکچائی' پھر بولی "ٹھیک ہے' میں بائیں سمت سے جاتی ہوں' تم دائنی سمت چلو۔ ہم ایک دوسرے کو کور دیتے ہوئے چلیں گے۔ پہلے میں چلوں گی تو تم رک جاؤ گے۔ تم چلو گے تو میں رک جاؤں گی۔" پھر وہ ڈاکٹر نیازی اور ماریہ کی طرف مڑی "تم لوگ' ہم دونوں کو کور دو گے۔ اگر کوئی ہم پر فائر کرے تو مسلسل جوابی فائر کرنا۔ گولی کسی کو لگے نہ لگے ہنگامہ ہو جائے۔ سمجھ گئے؟"

ان دونوں نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔

پہلے شیلا بڑھی۔ ذیشان اسے آڑا ٹیڑھا بھاگتے دیکھتا رہا۔ اس کا رخ چٹانی چھجے کی طرف تھا۔ آدھا فاصلہ طے کر کے وہ رک گئی' پھر اس نے ذیشان کو اشارہ کیا۔ ذیشان نے بھی بھاگتے ہوئے اپنے طور پر اس کی نقل کی۔ شیلا کے متوازی پہنچ کر وہ رک گیا۔

شیلا نے دوبارہ اسٹارٹ لیا۔ اس بار وہ چٹانی چھجے پر پہنچ گئی جہاں سے وہ نیچے کیمپ کی طرف دیکھ سکتی تھی۔ اس کے اشارے پر ذیشان بھی آگے بڑھا اور اس نے محتاط انداز میں چٹان

کے پیچھے سے سر اٹھا کر کیمپ کی طرف دیکھا۔ کیمپ سنسان تھا۔ بظاہر ہر چیز اپنی جگہ موجود تھی۔ تھیوڈولائٹ کا کیس جو وہ جلدی میں بند نہیں کر سکا تھا اب بھی کھلا پڑا تھا۔

شیلا اس کے پاس چلی آئی ''میں پھر بائیں سمت جاؤں گی۔'' اس نے کہا ''تم داہنی سمت سے آؤ۔ ہم دو مختلف سمتوں سے کیمپ میں پہنچیں گے اور ہاں جلد بازی نہ کرنا۔ پہلی حرکت دیکھتے ہی فائر نہ کر دینا۔ وہ میں بھی ہو سکتی ہوں۔''

ذیشان نے اثبات میں سر ہلایا۔ شیلا نے اسٹارٹ لیا ہی تھا کہ ذیشان کو کیمپ کی طرف حرکت کا احساس ہوا۔ اس نے شیلا کا ٹخنہ پکڑ لیا اور جھک گیا ''نیچے کوئی ہے۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

''کہاں؟'' شیلا نے پلٹ کر پوچھا۔

''اس چٹان کے پاس جہاں بیٹھ کر ہم باری باری پہرہ دیتے تھے۔''

شیلا چند لمحے کیمپ کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی ''مجھے تو کچھ نظر نہیں آیا۔''

''میں نے چٹان کے پاس کسی کو حرکت کرتے دیکھا تھا۔''

وہ کچھ دیر چھپ کر کیمپ کو دیکھتے رہے' آخر کار شیلا نے کہا ''تمہیں وہم ہوا ہوگا۔''

ذیشان نے گہری سانس لے کر کہا ''ممکن ہے'' پھر اچانک شیلا کے ہاتھ پر اس کی گرفت سخت ہو گئی ''نہیں' وہ دیکھو۔ اب وہ دوسری طرف ہے۔''

ٹیلے کے اوپر ایک مرد نظر آیا۔ اس نے محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر آہستگی سے کیمپ کی طرف بڑھا۔ وہاں پہنچ کر وہ کھلے سامان کا جائزہ لیتا نظر آیا۔

شیلا نے ہونٹوں پر زبان پھیری ''یہ تو فرید ہے۔'' اس نے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

کیمپ میں پہنچ کر ایسا لگا جیسے فرید ڈھیر ہو گیا ہو۔ اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے' جوتوں کا بھی یہی حال تھا۔ اس نے انہیں آتے دیکھا لیکن اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اب وہ اپنے بھیگے ہوئے جوتے اتار رہا تھا ''لعنت ہو اس دریا پر۔ ابھی میں نے تیسری بار اسے پار کیا ہے۔''

''یہ فائرنگ کیسی تھی؟'' شیلا نے پوچھا۔

فرید نے انہیں تفصیل سنائی۔ پھر بولا ''ایک پارٹی امریکیوں کی تھی' دوسری کے متعلق مجھے علم نہیں۔ لہجے سے تو روسی لگتے تھے۔ اگر یہ یہاں ہمارا تعاقب کر رہے ہیں تو یہ اچھی علامت ہے۔ اس کا مطلب ہے ان کی توجہ قیصر صاحب کی طرف نہیں ہے۔''

''تو ان دونوں پارٹیوں کو تم نے لڑوایا تھا؟'' ذیشان نے کہا ''مجھے تمہارا طریق کار پسند

نہیں آیا۔ وہ یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ لڑنے والے ہم ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو اگلی بار ان کی فائرنگ کا ہدف ہم ہوں گے۔''

فرید نے سر ہلایا ''یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ بہرحال اب ہمیں ان کی نظروں سے اوجھل ہو جانا چاہیے۔ بہتر ہے' دریا پار کر کے دوسری طرف چلیں۔ ابھی ہمیں تین دن اور گزارنے ہیں کسی طرح۔ اس عرصے میں قیصر صاحب اپنا کام کر گزریں گے۔''

''لیکن ہمیں تو کام ہی یہی سونپا گیا ہے کہ متعاقبین کی نظروں کے سامنے رہیں۔'' شیلا نے اعتراض کیا۔

''میں بھی جانتا ہوں یہ بات'' فرید نے کہا ''لیکن اپنے پیچھے نشانات چھوڑتے جائیں گے جن کے سہارے وہ لوگ تعاقب جاری رکھ سکیں گے۔ اگر دونوں پارٹیوں کے درمیان ایک اور جھڑپ ہو گئی تو کیا کہنے۔''

شیلا کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولی ''ٹھیک ہے''

فرید نے نیم دراز ہوتے ہوئے کہا ''ذیشان' ایک بات سن لو' امریکی پارٹی کی قیادت تمہارا دوست جیک کڈر کر رہا تھا۔''

''کڈر؟'' ذیشان کا منہ حیرت سے کھل گیا ''کمال ہے! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔''

''ہیلسنکی میں مجھے اس پر شبہ ہوا تھا۔'' شیلا بولی ''لیکن وہ اس قدر بے وقوف نظر آتا تھا کہ میری کسی پر شبہ ظاہر کرنے پر ہمت نہیں ہوئی۔''

''میں نے بھی اسے احمق اور بے ضرر سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔'' فرید نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا ''اس کا مطلب سمجھتے ہو۔ یعنی سی آئی اے بھی زور آزمائی کر رہی ہے۔'' اس نے اپنا بیگ کھول کر خشک موزے نکالے۔ ''یہ الگ بات ہے کہ وہ ڈبل ایجنٹ ہو۔'' اس نے ذیشان کو دیکھا جو کسی گہری سوچ میں گم تھا ''تم کس فکر میں ہو۔ یہ مٹی کے مادھو بن کر کیوں بیٹھ گئے؟''

''خدا کی پناہ۔ وہ جیک کڈر تھا۔'' ذیشان کے منہ سے بے ساختہ نکلا ''سونا میں بے ہوش ہونے کے بعد مجھ سے سوالات کرنے والا جیک کڈر تھا۔ مجھے آواز جانی پہچانی لگی تھی لیکن میں یاد نہیں کر پا رہا تھا کہ آواز کس کی ہے۔ اب یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ میں آواز کیوں نہیں پہچان پایا۔ مجھ سے سوالات کرتے وقت اس کا لہجہ امریکیوں جیسا نہیں تھا۔''

''تمہیں یقین ہے؟'' شیلا نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"بالکل یقین ہے۔ مجھے اس لیے بھی اس کا خیال نہیں آیا کہ اسے ہم اوسلو میں چھوڑ کر آئے تھے۔ اور اس وقت تک وہ ہیلسنکی میں مجھ سے ٹکرایا بھی نہیں تھا۔ کیوں، کیا اس بات کی بہت اہمیت ہے؟"

"اہمیت ہو سکتی ہے۔" فرید نے جواب دیا "دراصل ایک پارٹی کو علم ہے کہ تم ڈاکٹر یعقوب نہیں ہو۔ یہ وہ پارٹی ہے جس نے تمہیں اسلام آباد سے اغوا کیا لیکن جس شخص نے تم سے پوچھ گچھ کی تھی وہ تمہیں ڈاکٹر یعقوب سمجھ رہا تھا یا کم از کم ظاہر کر رہا تھا۔ اگر وہ جیک کڈر تھا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمہارے چہرے کی تعمیر نو میں سی آئی اے ملوث نہیں۔ سمجھ رہے ہو نا؟"

"ڈاکٹر نیازی اور ماریہ یہ سوچ کر الجھ رہے ہوں گے کہ نہ جانے ہمارا کیا حشر ہوا۔" شیلا نے یاد دلایا۔

ذیشان نے پلٹتے ہوئے کہا "میں انہیں لے کر آتا ہوں۔" وہ چٹانی چھجے کی طرف جانے لگا مگر اس چٹان کی طرف مڑ گیا جہاں وہ لوگ پہرہ دیتے رہے تھے۔ کوئی چیز اس کے دماغ میں کھٹک رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا، فرید کیمپ کی ایک سائیڈ سے دوسری سائیڈ تک کیسے آ گیا۔ پہلی بار اس نے چٹان کے پاس نقل و حرکت دیکھی تھی جبکہ فرید دوسری جانب سے..... دریا کی طرف سے کیمپ تک پہنچا تھا۔

چٹان کے گرد گھومتے ہوئے اس کی نظریں زمین پر جمی ہوئی تھیں۔ اسے یاد تھا کہ فرید کے جوتے گیلے تھے بلکہ ان میں پانی بھرا ہوا تھا اور اس کے جوتوں کے نشانات بھیگے ہوئے ہوں گے۔ یہاں گھاس مسلی ہوئی تو تھی لیکن جوتوں کا نشان نہیں تھا۔

چٹان کی دوسری طرف پہنچ کر وہ شیلا اور فرید کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اچانک اس کے سر سے کوئی چیز پوری قوت سے ٹکرائی۔ درد کی لہر اتنی شدید تھی کہ وہ کچھ دیکھنے کے قابل نہیں رہا اور گھٹنوں کے بل جھکتا چلا گیا۔ کانوں میں عجیب سی سنسناہٹ تھی۔

سر پر دوسری ضرب لگنے سے پہلے ہی اس کا ذہن اندھیرے میں ڈوب چکا تھا۔

☆☆☆☆

بس نیم پکی سڑک پر ہچکولے کھاتی بڑھ رہی تھی۔ صبح کا وقت تھا، ہوا خاصی سرد تھی۔ قیصر نے کوٹ کو جسم سے اور قریب کر لیا۔ احمد اس کے برابر بیٹھا تھا اور مسلسل کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کا مرکز آبزرویشن ٹاور تھا جو لمحہ بہ لمحہ قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔

بس فنیوں سے بھری ہوئی تھی۔ ان میں سے بیشتر خاموش بیٹھے تھے۔ قیصر سے دو سیٹ

آگے ہیکی ہیوی نن بیٹھا تھا۔ اس نے سر گھما کر پیچھے قیصر کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں بے تاثر تھیں لیکن قیصر کو ان میں تشویش کی ہلکی سی جھلک محسوس ہوئی۔ ہیکی نے گزشتہ رات خوب ہی پی تھی۔ قیصر کو فکر تھی کہ اس کی خمار کی کیفیت اس کی مستعدی کو متاثر نہ کر دے۔

بریک چیخے اور بس رک گئی۔ قیصر نے بے تعلقی سے کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔ فنی فوج کی وردیوں میں ملبوس ایک فوجی بس میں آیا اور کچھ دیر ڈرائیور سے باتیں کرتا رہا۔ پھر وہ مسکرایا اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے بس کو آگے بڑھانے کی اجازت دی۔ بس آگے بڑھ گئی۔

قیصر نے اپنا پائپ نکالا اور اسے بھرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس نے احمد کو ٹہوکا دیتے ہوئے کہا "سگریٹ کیوں نہیں پیتے؟ چھوڑ دی ہے کیا؟"

احمد نے حیرت سے اسے دیکھا اور کندھے جھٹک دیے۔ قیصر اس سے سگریٹ پینے کو کہہ رہا تھا تو یقیناً اس کا کوئی سبب ہوگا۔ وہ تو بس تعمیل کرنے والا تھا۔ اس نے جیب سے فنی سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔

بس کچھ آگے جا کر پھر رک گئی۔ ڈرائیور نے روسی فوجی سے روسی زبان میں کچھ کہا۔ فوجی نے سر ہلایا اور بس میں آ گیا۔ اس نے مزدوروں کا جائزہ لیا۔ انداز ایسا تھا جیسے محض گنتی کر رہا ہو۔

قیصر نے دیا سلائی جلائی اور اسے ہاتھوں کے پیالے میں لے کر پائپ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔ اس طرح اس نے اپنا نچلا چہرہ چھپا لیا تھا۔ احمد نے بھی تیزی سے اس کی تقلید کی۔

روسی فوجی بس سے اتر گیا۔ بس پھر چل پڑی۔ احمد پھر کھڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ بس ایک پولیس آفیسر کے قریب سے گزری۔ چوڑے چکلے اور درشت چہرے کا مالک روسی۔ یہ خیال ہی رونگٹے کھڑے کر دینے والا تھا کہ اس وقت وہ روس میں ہیں "ہم روس میں قانونی طور پر بھی آ سکتے تھے۔" اس نے قیصر سے کہا "غیر قانونی طور پر کیوں آئے؟"

"اس لیے کہ ہم جو کچھ کرنے آئے ہیں، وہ بھی غیر قانونی ہے۔" قیصر نے جواب دیا "قانونی طور پر ہم اینسو میں داخل ہو بھی نہیں سکتے تھے۔ روسی اپنی سرحدوں کے معاملے میں بہت حساس ہیں۔ لینن گراڈ میں وہ غیر ملکیوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں۔ کوئی وقت پر اپنے ٹھکانے نہ پہنچے تو پوچھ گچھ شروع کر دیتے ہیں۔ میں نے بالکل درست راستہ چنا ہے۔ سرحد پار کی، کام کیا اور واپس گئے۔ مختصر اور تیز ترین۔ ان کے علم میں لائے بغیر۔"

فیکٹریوں کی چمنیوں سے دھواں نکل کر فضا میں پھیل رہا تھا۔ سڑک کے اختتام پر ایک

بڑا گیٹ نظر آ رہا تھا۔ گیٹ سے اندر داخل ہو کر بھی ایک سڑک تھی۔ اس سڑک کا اختتام ایک وسیع و عریض عمارت کے سامنے ہوتا تھا۔ بس عمارت کے بالکل سامنے رکی۔ تمام مزدوروں نے اپنا اپنا سامان سنبھالا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ قیصر نے ہیکی کی طرف دیکھا جو تائید میں سر ہلا رہا تھا۔ قیصر نے احمد کو ٹہوکا دیا اور ہیکی کے پیچھے چل دیا۔

ایک نامکمل دیوار سے گزر کر وہ ایک بڑے ہال میں داخل ہوئے۔ پہلے پہل تو احمد کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ سب کچھ نامانوس تھا' لیکن وہ ہیکی ہیوی نن کے پیچھے چلتا رہا۔ ہیکی جس طرف بڑھ رہا تھا وہاں بہت ساری بڑی مشینیں تھیں........ ایک سنسان جگہ پہنچ کر وہ رک گیا۔ اس کا جسم پسینے میں نہا رہا تھا۔

''میرا معاوضہ کیا طے ہوا ہے؟'' اس نے قیصر سے پوچھا۔

''اس طرف سے بے فکر رہو۔'' قیصر نے اسے اطمینان دلایا۔ ''یہ بتاؤ اب کرنا کیا ہے۔؟''

''میں ایک گھنٹے کے بعد واپس آؤں گا۔ ہیکی نے بتایا ''مجھے معمول کے دو ایک کام کرنے ہیں۔ پھر چیف انجینئر کے ساتھ پندرہ منٹ کی کانفرنس ہوگی۔''

''تو ہمیں ایک گھنٹا یہاں گزارنا ہوگا' مگر کہاں؟'' قیصر نے پوچھا۔

ہیکی نے مشینوں کی طرف اشارہ کیا ''ان مشینوں میں..... اور کہاں۔''

قیصر نے مشینوں کا جائزہ لیا۔ کچھ مشینیں نامکمل بھی تھیں۔ وہ کاغذ سازی میں استعمال ہونے والی جدید اور بھاری مشینیں تھیں۔ انہوں نے بہت جگہ گھیر رکھی تھی۔ ایک مشین تین سو گز لمبی اور پچاس فٹ چوڑی تھی ''مشین کے بیچ میں گھس جاؤ' کوٹ اتار دینا۔'' ہیکی ہیوی نن نے کہا ''میں ابھی دس منٹ میں تمہیں کچھ اوزار لا دیتا ہوں۔ کوئی مشین میں جھانکے تو بولٹ کسنے شروع کر دینا۔ یا ایسا ہی کوئی کام پکڑ لینا۔''

قیصر نے سر اٹھا کر کرین کو دیکھا جس کے ایک سرے پر اسٹیل کا بھاری رولر لٹک رہا تھا ''چلو ٹھیک ہے لیکن ایک گھنٹے سے زیادہ نہ لگانا۔ آؤ احمد۔''

احمد قیصر کے پیچھے پیچھے مشین کے اندر گھس گیا۔ ہیکی چلا گیا۔ انہوں نے اپنے لیے ایک مناسب جگہ تلاش کی اور کوٹ اتار دیا۔ جہاں وہ بیٹھے تھے وہ بے حد کشادہ اور محفوظ جگہ تھی۔

قیصر نے چاروں طرف دیکھا ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کی صورت حال میں مزدور کیا کرتے ہیں!'' وہ بڑبڑایا۔

احمد نے سر نکال کر باہر کا جائزہ لیا ''سب کام کر رہے ہیں۔'' اس نے اطلاع دی۔

قیصر غرایا ''تو ہمیں بھی کام کرنا چاہیے لیکن ہمارے پاس کام ہی نہیں ہے۔''

قدموں کے قریب آتی ہوئی آہٹ سنائی دی۔ کوئی مشین کے پاس آ کر رکا۔ جوتوں کی چرچراہٹ سے اس کے دور جانے کا اندازہ ہوا۔

''اوزار آ گئے۔'' قیصر نے کہا ''جاؤ اٹھا کر لے آؤ۔''

احمد پھسلتا ہوا نیچے اترا اور ایک بھاری ہتھوڑا اور دو پانے اٹھا لایا۔ قیصر نے تجرباتی طور پر قریب والا بولٹ کسا ''اب غور سے سنو۔ پہلے ہم ایک بولٹ کو ڈھیلا کریں گے پھر اسے کسا جائے گا۔ یہ کام ہم اس وقت تک کریں گے جب تک ہمارے جانے کا وقت نہیں ہو جاتا۔''

وہ ایک نٹ کھولنے میں مصروف ہو گیا۔ اس کے چہرے پر گہری سوچ تھی ''ذرا دیکھو احمد' اس نٹ کے کھولنے سے مشین پر کیا اثر پڑتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ مشین میں کوئی سنگین گڑبڑ ہو جائے۔''

☆☆☆☆

کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ اینسو کی سڑک پر چل رہے تھے۔ احمد نے اوور آل پہن رکھا تھا اور اس کے کندھوں پر بھاری اوزاروں کا تھیلا لٹک رہا تھا۔ قیصر عام لباس میں تھا۔ اس نے احمد کو بتایا تھا کہ اس کا لباس مقامی محکمۂ آب کے انسپکٹر جیسا ہے۔ اسٹیل کا چھوٹا آلۂ دھات کا سراغ رساں' اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے ساتھ اسٹیل کی ایک روسی ساخت کی پلیٹ بھی نصب تھی۔ وہ یہ تاثر دینے کے لیے تھی کہ وہ آلہ روس کا بنا ہوا ہے۔

احمد علاقے کا جائزہ لے رہا تھا۔ سڑکیں' مکان' عمارتیں ہر چیز پرانے طرز کی تھی۔ احمد کئی بار روس آ چکا تھا مگر ہر بار روس میں اسے یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں سانس لے رہا ہے۔

''جب وہ خوفناک شخص یہ پوچھنے آیا کہ ورٹینن باپ بیٹے کہاں رہ گئے تو مجھ پر ہارٹ اٹیک ہوتے ہوتے بچا'' احمد نے کہا۔

وہ لمحہ واقعی بے حد نازک تھا۔ چیف انجینئر ان کے عین نیچے کھڑا ہیکی سے سوالات کر رہا تھا ''یہ اسکرین ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''ورٹینن اپنا کام دل لگا کر نہیں کر رہا ہے۔'' وہ روسی زبان میں بول رہا تھا۔ ایک ترجمان بھی موجود تھا' یہ طرزِ عمل درست نہیں ہے۔'' چیف انجینئر کا کہنا تھا۔

"ورٹینن کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" ہیکی نے مترجم کے ذریعے چیف انجینئر سے کہا "وہ محض فرض شناسی کے تحت کام کرتا رہا ہے۔ جنگ کے زمانے کا ایک زخم بہت تکلیف دے رہا ہے اسے۔ آج تو وہ بستر سے اٹھ بھی نہیں سکا۔"

چیف انجینئر دیر تک بڑبڑاتا رہا لیکن اس سے زیادہ کچھ کر نہیں سکتا تھا "اس سے کہہ دو جلد از جلد کام پر آ جائے۔" اس نے کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا واپس چلا گیا۔

"میں ہاتھ بڑھا کر اسے چھو سکتا تھا۔" احمد نے وہ منظر یاد کرتے ہوئے کہا۔

"ہیکی کو ورٹینن کی غیر حاضری کا کوئی بہتر بہانہ تلاش کرنا چاہیئے تھا۔" قیصر نے کہا "اگر چیف انجینئر چیک کرے اور اسے معلوم ہو کہ بس میں مزدور تو پوری تعداد میں آئے ہیں تو کیا ہوگا۔"

"اب تو ہم کچھ کر بھی نہیں سکتے؟" احمد نے کہا

پانچ منٹ تک وہ خاموشی سے چلتے رہے پھر احمد نے پوچھا۔ "اور کتنی دور چلنا ہے؟"

"زیادہ نہیں۔ بس اس موڑ کے بعد ہماری منزل آ جائے گی۔" قیصر نے اس کا بازو تھپتھپاتے ہوئے کہا "اور بیٹے اب تم ایک عام مزدور ہو۔ صورت حال سے اور لوگوں سے نمٹنے کا کام مجھ پر چھوڑ دو۔ تمہیں صرف مزدوری کرنی ہے۔" اس نے بیلچے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہیرو ٹائپ کا مزدور؟"

"ہاں۔ اور میں سپروائزر ہوں، ٹیکنیشن سپروائزر۔"

موڑ مڑتے ہی قیصر نے کہا "لو، وہ ہماری منزل آ گئی ہے۔" اس نے مکان کو ناقدانہ نگاہوں سے دیکھا "دیکھنے میں تو اچھا لگ رہا ہے۔ مضبوط بھی ہے۔"

"تو پھر انہیں ڈھایا کیوں جا رہا ہے؟"

"ہوگی کوئی وجہ۔" قیصر نے سڑک کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "ہم یہاں باہر ہی سے کام شروع کریں گے تاکہ ہمیں معمولی خرابیاں دور کرنے والا سرکاری ٹیکنیشن ہی سمجھا جائے۔ یہ جگہ مناسب رہے گی" اس نے جیب سے دو ایئر فون نکالے اور ان کے تار ایک ساکٹ سے جوڑ دیئے۔ ساکٹ دھات کے بنے ہوئے پلیٹ نما سراغ رساں سے منسلک تھی "میں ٹیکنیشن لگ رہا ہوں نا؟"

"بہت زیادہ۔" احمد نے اسے توصیفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

قیصر نے کنٹرول کو ایڈجسٹ کیا۔ ڈیٹیکٹر کو اس نے زمین کے قریب یوں رکھا کہ وہ کیبوم گلیز معلوم ہونے لگا۔ احمد بیلچہ زمین پر ٹکائے جھک کر کھڑا تھا۔ قیصر پچاس گز آگے تک اسی

پوزیشن میں بڑھتا گیا۔ پھر وہ دھیرے دھیرے واپس آیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کا تاثر تھا "اس سڑک میں دھات کی آمیزش ہوگی۔" اس نے پرتشویش لہجے میں کہا "مجھے سگنل موصول ہو رہے ہیں۔ اب کیا کریں؟"

"دعا کریں کہ آمیزش کی ہو۔ کچھ تو فائدہ ہوگا ہمیں۔" احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔" قیصر غرایا "خدا کرے مکان کے باغیچے میں یہ پوزیشن نہ ہو۔"

"بات سنو کھڑکی کا پردہ سرکا ہے۔ میرا خیال ہے مکین ہم میں دلچسپی لے رہے ہیں۔" احمد نے سرگوشی کی۔

"میں ایک بار پھر دیکھتا ہوں۔" قیصر نے کہا اور ڈیٹیکٹر کو اسی طرح لے کر آگے بڑھا۔ عین کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے جیب سے نوٹ بک نکالی اور کچھ دیر تک بظاہر حساب کتاب میں الجھا رہا۔

احمد گھٹنوں کے بل بیٹھا زمین کا معائنہ کر رہا تھا۔ مکان سے ایک چھوٹا سا لڑکا نکلا "یہ شخص کیا کر رہا ہے؟" اس نے سویڈش میں پوچھا۔

"پانی کا پائپ تلاش کر رہے ہیں ہم؟" احمد نے حسب ہدایت جواب دیا۔

"یہ چیز کیا ہے؟ بچے نے ڈیٹیکٹر کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ پانی کے پائپ تلاش کرنے کی مشین ہے۔ نئی ایجاد ہے۔" احمد نے لڑکے کو بغور دیکھا "تمہارے ڈیڈی گھر پر ہیں؟"

"نہیں۔ وہ تو کام پر گئے ہیں۔" بچے نے کہا۔ اس کی توجہ قیصر کی جانب تھی جو گھر کے باغیچے کو دیکھ رہا تھا "اب یہ کیا کرے گا؟" اس نے پوچھا۔

"یہ مجھے معلوم نہیں۔ سپروائزر وہ ہے۔" احمد نے قیصر کی طرف اشارہ کیا "تمہاری ممی ہیں گھر پر؟"

"ہاں۔ برتن دھو رہی ہیں۔ ان سے ملو گے؟"

قیصر ان کی طرف آ رہا تھا "میرا خیال ہے پائپ یہاں سے گزرتا ہے۔" اس نے قریب آ کر اعلان کیا۔

"ہاں ہمیں ان سے ملنا ہے۔ بھاگ کر جاؤ اور انہیں بتاؤ۔" احمد نے لڑکے سے کہا۔

لڑکا تیزی سے گھر کی طرف چلا گیا۔

احمد کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا" کامریں کینو رکام پر گئے ہوئے ہیں' مسز کینو برتن دھو رہی ہیں۔" اس نے رپورٹ دی۔

"گڈ ہوم ورک۔" قیصر نے کہا" آؤ اب چلتے ہیں۔"

وہ دونوں کھلے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھے۔اسی وقت ایک دبلی پتلی عورت آتی ہوئی نظر آئی۔قیصر نے نوٹ بک نکال کر ایک صفحہ پلٹا" یہ...... یہاں کامریڈ کینو واس مکان کے مالک ہیں؟" اس نے عورت سے پوچھا۔

"جی ہاں۔لیکن وہ اس وقت گھر میں نہیں ہیں۔"

"تو آپ مادام گراز ڈینک کینو وہوں ہوگی۔"

عورت چوکس نظر آنے لگی" جی ہاں۔"

قیصر نے خوش خلقی سے کہا" پریشانی کی کوئی بات نہیں مادام' ہم ایک کام سے آئے ہیں۔ جیسا کہ آپ جانتی ہیں' عنقریب اس علاقے کو ڈھایا جانے والا ہے۔اسی سے متعلق کام ہے ہمارا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" عورت کے لہجے میں برہمی در آئی" ہم نے برسوں کی محنت کے بعد اس گھر کو سنوارا۔اور اب' ہمیں یہاں سے بے دخل ہونا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے مادام۔لیکن ہم ملازم لوگوں کو اپنا کام کرنا ہے۔" قیصر نے معذرت طلب لہجے میں کہا" دراصل آپ کے باغیچے سے بہت سے پائپ گزر رہے ہیں۔گیس کے' پانی کے' ڈرینج کے' بجلی کے۔ہمارا تعلق پانی کے پائپ سے ہے۔جب علاقہ ڈھایا جائے گا تو یہاں بلڈوزر چلائے جائیں گے۔ہمارا محکمہ نہیں چاہتا کہ اس وقت پانی کے پائپ ٹوٹیں اور علاقہ تالاب بن جائے۔"

"تو جس وقت یہاں تخریب کاری ہو اس وقت تم پانی کی لائن بند کر دینا۔آسان سی بات ہے۔" عورت عقل مند ثابت ہو رہی تھی۔

قیصر لمحہ بھر کو پریشان ہوا مگر اس نے فوراً ہی سنبھالا لے لیا۔" دراصل یہ بات اتنی سادہ بھی نہیں۔آپ جانتی ہوگی کہ یہ ایک بہت قدیم علاقہ ہے۔سویٹو گورسک کا۔پہلی جنگ عظیم کے بعد اسے فنیوں نے تعمیر کیا تھا۔اس کا ریکارڈ بیس بائیس سال پہلے ضائع ہو چکا۔اب ہمیں نہیں معلوم کہ پائپ کہاں کہاں سے گزر رہا ہے۔میرا مطلب ہے' کچھ پائپ ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں ہمیں کچھ علم نہیں۔ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمارے نئے سسٹم سے ان کا تعلق ہے بھی یا نہیں۔یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں کچھ پانی امائرا سے آتا ہو۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ ہم فنیوں کا پانی چھین رہے ہیں؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا۔" ضرورت کے مطابق قیصر نے لہجہ سخت کر لیا" ہم تو بس پائپ تلاش کرنے آئے ہیں۔"

عورت نے قیصر کے پیچھے کھڑے احمد کو اور پھر اس کے ہاتھ میں بیلچے کو دیکھا" تو تم اس کے لیے میرے باغیچے کو تباہ کرو گے؟" اس کا لہجہ بھی سخت تھا۔

"نہیں مادام۔" قیصر نے نرم لہجے میں کہا" ہمارے پاس جدید مشین ہے۔" اس نے دھات کے سراغ رساں کی نمائش کی۔" اس کے ذریعے ہمیں زمین کھودے بغیر پائپ کی موجودگی کا علم ہو جائے گا۔اور صحیح جگہ کا پتا چلنے پر ہمیں زیادہ گہرا گڑھا نہیں کھودنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" عورت نے ناگواری سے کہا" لیکن میرے پھولوں کی روشوں کو ہرگز نہ چھیڑنا۔میں جانتی ہوں کہ ہمیں اس سال یہاں سے بے دخل ہونا ہے' لیکن ہمارے پھول اس وقت نشو ونما کے نازک دور میں ہیں۔ہم انہیں نقصان پہنچائے بغیر اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کریں گے۔"

"آپ بے فکر رہیں۔آپ کے پھولوں کے کسی پودے کو نقصان نہیں پہنچے گا۔اب ہم کام شروع کریں گے۔" قیصر نے کہا اور احمد کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔چھوٹا لڑکا ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔

وہ عقبی باغیچے میں پہنچے تو احمد نے سرگوشی میں قیصر سے کہا۔" ہمیں اس بچے سے پیچھا چھڑانا ہوگا۔"

"کوئی بات نہیں۔" قیصر نے بے فکری سے کہا" بس خود کو بور ثابت کر دو۔"

باغیچے میں پہنچ کر وہ رک گئے۔وہاں ایک شیڈ بھی تھا۔قیصر نے کہا" یہ اصل نقشے میں نہیں ہے۔امکان یہ ہے کہ ہماری مطلوبہ چیز اس طرف نہیں ہوگی۔"

احمد نے اپنا بیلچہ ایک کیاری میں گاڑ کر کھڑا کر دیا۔قیصر نے باغیچے کا نقشہ نکال کر پھیلایا" وہ درخت یہ ہے جس کے متعلق یعقوب نے بتایا تھا۔" اس نے کہا" میں پہلے یہیں ٹرائی کروں گا۔"

اس نے ایئر فون کانوں میں لگائے اور دھاتی سراغ رساں کا سوئچ آن کر دیا۔پھر وہ آہستہ آہستہ درخت کی طرف بڑھا۔وہ کچھ دیر درخت کے گرد گھومتا رہا۔لڑکا اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"یہاں کچھ نہیں ہے۔" قیصر نے پکار کر کہا۔

"ہوسکتا ہے پائپ درمیان میں ہو۔" احمد نے کہا۔

"ممکن ہے۔ مجھے شاید پورا باغیچہ چیک کرنا پڑے گا۔" قیصر نے کہا اور اس پر عمل بھی شروع کر دیا۔ وہ ڈیٹیکٹر لے کر پورے لان میں دوڑنے لگا۔ لڑکے کو دکھانے کے لیے وہ باری باری کوئی نمبر پکارتا اور احمد بڑی مستعدی سے اسے نقشے پر درج کر لیتا آدھے گھنٹے کے بعد لڑکا بور ہو کر چلا گیا۔

قیصر نے مسکرا کر احمد کو آنکھ ماری اور اپنا کام جاری رکھا۔

مزید آدھے گھنٹے بعد وہ احمد کی طرف بڑھا "دو امکانات سامنے آئے ہیں۔" اس نے کہا "لان سے کمزور سگنل موصول ہو رہے ہیں۔" اس نے بتایا "میرا خیال ہے ہمیں کنارے سے اسٹارٹ لینا چاہئے۔"

احمد نے اس کی پشت کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی میں کہا "مادام کینو آ رہی ہیں۔"

وہ اسی وقت مکان سے نکلی تھی۔ قریب آ کر اس نے پوچھا "کچھ ملا؟"

"جی ہاں۔ ایک جنکشن ملا تو ہے۔" قیصر نے اشارہ کرتے ہوئے کہا "ہمیں بس ایک چھوٹا سا گڑھا کھودنا ہوگا۔ اور یہ میرا وعدہ ہے کہ ہم آپ کے باغیچے کو صاف ستھری حالت میں چھوڑ کر واپس جائیں گے۔"

مادام کینو نے باغیچے کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور یاس انگیز لہجے میں بولی "میں نہیں سمجھتی کہ اس سے کوئی فرق پڑتا ہے۔ خیر چھوڑو' تمہارے لیے کھانے کو کچھ لاؤں چائے پیو گے؟"

"سینڈوچ تو ہم ساتھ لائے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں تمہارے لیے۔" عورت نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر واپس چل دی۔

"اچھی خاتون ہے۔" قیصر نے تبصرہ کیا "سنو یہ لنچ ٹائم ہے۔ دنیا بھر میں مزدور اس وقت کم از کم آدھے گھنٹے کے لیے اوزار رکھ دیتے ہیں۔"

انہوں نے لان میں بیٹھ کر سینڈوچ کھائے اور مادام کینو کی لائی ہوئی چائے پی۔ قیصر شکر گزار تھا کہ وہ رسمی گفتگو کے لیے نہیں رکی۔

قیصر نے سینڈوچ میں دانت گاڑتے ہوئے کہا "یہ وہ جگہ ہے جہاں یعقوب اور اس

کے باپ کے علاوہ ان کے گھر کے تمام افراد ہلاک ہوئے تھے۔" اس نے مکان کی طرف اشارہ کیا "یہ حصہ باقی مکان کے مقابلے میں نیا معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا یہاں بہت شدید بمباری ہوئی تھی؟" احمد نے پوچھا۔

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ ارے بھائی یہ جگہ تو ایک زمانے میں محاذ جنگ کی حیثیت رکھتی تھی۔ یہاں کا آسمان تو بمبار طیاروں سے اٹا رہتا ہوگا۔"

احمد نے بغیر دودھ کی لیموں والی چائے کا ایک گھونٹ لیا۔ "ہمیں یہ یقین کیوں ہے کہ بکس اب بھی یہیں دفن ہوگا ممکن ہے کسی مالی نے کھدائی کی ہو اور اسے نکال لیا ہو۔ کیا پتا وہ کینو ہی کے ہاتھ لگ گیا ہو۔"

"ایسی ڈپریشن کی باتیں مت کرو' قیصر نے کہا "اب وقت آ گیا ہے کہ تم کھدائی شروع کر دو۔ میں تمہیں ریڈنگ دیتا رہوں گا کہ میرے عہدے کا یہی تقاضہ ہے۔" وہ دھاتی سراغ رساں کو لے کر لان کی طرف بڑھا۔ پھر اس نے ایک جگہ جھک کر زمین پر انگلی رکھ دی "یہ جگہ ہے۔ مٹی ذرا احتیاط سے نکالنا۔" اس نے کہا۔

احمد نے کھدائی شروع کر دی۔ نکالی ہوئی مٹی وہ ایک طرف ڈھیر کرتا رہا۔ قیصر ایک درخت کے سائے میں بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ اس کی پیالی میں ابھی چائے باقی تھی۔

"کتنا گہرا کھودوں؟" کچھ دیر بعد احمد نے پکار کر پوچھا۔

"دو فٹ۔"

"میں تو ڈھائی فٹ کھود چکا ہوں اور کچھ بھی نہیں نکلا۔"

"جاری رکھو' یعقوب سے غلطی بھی ہو سکتی تھی۔"

احمد مزید زمین کھودتا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا "مزید ایک فٹ زمین کھود لی ہے' نتیجہ اب بھی صفر۔"

"اب میں اپنے سراغ رساں سے پوچھتا ہوں۔" قیصر نے کہا اور ائیر فون اپنے کانوں میں لگا کر ڈیٹیکٹر کو گڑھے میں اتارا "یہیں ہے۔" اس نے ڈیٹیکٹر کا سوئچ آف کرتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے محض چند انچ کی بات ہے۔ میرے تو کانوں کے پردے پھٹتے پھٹتے بچے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اور کھدائی کر لیتا ہوں۔" احمد نے کہا "لیکن گڑھے کو چوڑا کئے بغیر یہ مشکل ہے۔"

اس بار جو احمد نے بیلچہ مارا تو ٹھن کی آواز سنائی دی "وہ مارا" اس نے نعرہ لگایا۔ اس نے

بیلچہ بھر کر مٹی نکالی‘ اپنے دونوں ہاتھ جھاڑے اور گڑھے میں جھانکا۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور قیصر سے پوچھا ”جانتے ہو ہم نے کیا تلاش کیا ہے؟“

”کیا؟“

احمد ہنسنے لگا ”پانی کا پائپ‘ سچ مچ کا پانی کا پائپ۔“

”خدا کے لیے گڑھے سے نکلو اور مجھے دیکھنے دو۔“

احمد باہر نکلا تو وہ خود گڑھے میں اترا۔ اس نے ہاتھوں سے مٹی ہٹائی تو کچھ اور دھات نمایاں ہوئی۔

وہ گڑھے سے نکل آیا۔ احمد اب بھی منہ دبا کر ہنس رہا تھا۔

”اس گڑھے کو بہت احتیاط سے مٹی سے بھر دو۔“ قیصر نے اس سے کہا ”نیچے ایک بے پھٹا بم موجود ہے۔“

احمد کی ہنسی دم توڑ گئی‘ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

”کم از کم ڈھائی سو کلوگرام کا بم ہے۔“ قیصر نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

☆☆☆☆

وہ سب ذیشان کے گرد جمع تھے جو زمین پر بے سدھ پڑا تھا۔

”اسے ہلانا مت۔“ ڈاکٹر نیازی نے انہیں خبردار کیا ”کیا پتا‘ سر کی چوٹ کے سوا بھی کچھ ہوا ہو۔“ پھر اس نے ذیشان کا سر چھوا۔ ”سر میں زبردست چوٹ آئی ہے۔“ اس نے کہا۔

شیلا نے فرید کی طرف دیکھا ”یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے؟“

جواب میں فرید کندھے جھٹک کر رہ گیا۔

ڈاکٹر نیازی ذیشان کا جسم ٹٹول رہا تھا ”اسے سیدھا کرو احتیاط سے۔“ اس نے کہا۔

انہوں نے ذیشان کو سیدھا کیا۔ ڈاکٹر نے اس کے پپوٹے اٹھا کر آنکھوں کا معائنہ کیا۔ پتلیاں اوپر چڑھی ہوئی تھیں۔

ماریہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

”ایکسکیوزمی ڈاکٹر۔“ شیلا نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے کہا اور ذیشان کی جیبوں کی تلاشی لی۔ پھر وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی اور فرید کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔ دونوں کیمپ کی طرف بڑھ گئے۔

”نقشہ اور نوٹ بک دونوں غائب ہیں۔“ شیلا نے فرید کو بتایا۔ ”سوال یہ ہے کہ یہ کس

کی حرکت ہو سکتی ہے؟“

”یہ مجھے ان دونوں پارٹیوں کا کام تو معلوم نہیں ہوتا جنہیں میں نے لڑوا دیا تھا۔ ان دونوں کو تو میں نے خود پسپا ہوتے دیکھا ہے۔“

”تو پھر؟“

فرید نے سر جھٹکا اور جھلاتے ہوئے کہا ”یہاں یقیناً کوئی اور بھی موجود ہے جو مجھ سے زیادہ مستعد اور چالاک ہے۔“

”بہتر ہے میں اس پر تبصرہ ہی نہ کروں۔“ شیلا نے ترش لہجے میں کہا ”تم ناراض ہو جاؤ گے۔“

”درحقیقت یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہمیں اس کی امید تھی‘ لیکن کسی اور طرح سے۔“

”ہم اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ اپنے مخالفین کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔“

شیلا نے انگلی سے فرید کا سینہ ٹھونکتے ہوئے کہا ”اس کا مطلب سمجھتے ہو؟ ہمارے پیچھے تین پارٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ ایک امریکن‘ دوسرے ممکنہ طور پر روسی اور تیسرے وہ جن کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ جو ذیشان سے نقشہ اور نوٹ بک چھین کر لے گئے ہیں۔“

”تو کیا قیصر صاحب کو اس کی امید نہیں تھی؟ یہ بکھیڑا پھیلایا ہی اسی لیے گیا تھا بی بی۔“

”ہاں یہ تو ہے۔“ شیلا نے کہا ”خیر چلو ذیشان کو دیکھیں چل کر۔“

وہ واپس چٹان پر پہنچے جہاں ماریہ پریشان لہجے میں ڈاکٹر نیازی سے پوچھ رہی تھی ”صرف سر کی چوٹ ہے نا؟“

”کچھ کہا نہیں جا سکتا۔“ ڈاکٹر نے کہا ”جلدی سے میرا کالا بیگ لے کر آؤ۔“

ماریہ دوڑتی ہوئی کیمپ کی طرف چلی گئی۔ فرید‘ ذیشان کے قریب بیٹھ گیا ”سر کی چوٹ کے علاوہ بھی اسے کچھ ہوا ہے؟“ پوچھتے ہی اسے احساس ہوا کہ اس نے بھی بلا ارادہ ماریہ کا سوال دہرا دیا ہے۔

”نبض بہت سست ہے۔ مجھے بلڈ پریشر لینا ہوگا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”لیکن سر کی چوٹ کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ یہ دیکھو۔“ اس نے ذیشان کا ہاتھ پہلو سے اٹھایا اور اسے غیر فطری حد تک موڑ کر کہنی تک لے آیا۔

فرید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ”تم جادوگر ہو۔ انسانی اعضا کو بڑی طرح موڑ بھی سکتے ہو۔“

"یہ کیٹالیپسی کی ایک قسم ہے۔"

فرید کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا' "کیا سر کی چوٹ کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے؟"

"سر کی چوٹ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ کم از کم میرے تجربے میں تو کبھی ایسا کوئی کیس نہیں آیا۔ میں اسے غیر معمولی قرار دوں گا۔"

ماریہ واپس آئی اور اس نے کالا بیگ ڈاکٹر کی طرف بڑھا دیا۔

ڈاکٹر نے بیگ سے بینڈ ایج کا سامان نکال کر ڈریسنگ کی' پھر اس نے بلڈ پریشر لیا

"بلڈ پریشر بہت نیچے ہے۔" اس نے چیک کرنے کے بعد کہا "میں اسے کیمپ میں لے جا کر لٹانا چاہتا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے' ہم اب یہاں سے کہیں نہیں جا سکتے؟" فرید نے پر تشویش لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔ جب تک صورت حال واضح نہ ہو جائے' نقل و حرکت اس کے لیے خطرناک ہو گی اور مجھے ڈر ہے کہ مسئلہ صرف ایک نہیں' پہلو دار ہے۔"

فرید کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔ یہیں ٹھہرے رہنے کا مطلب تھا کہ وہ تین طرف سے گھیر لیے جاتے۔

"یہ ہوش میں ہے یا نہیں؟" ماریہ نے پوچھا۔

"یہ بے ہوش ہے۔"

لیکن ڈاکٹر نیازی کا خیال غلط تھا۔ ذیشان سن سب کچھ رہا تھا لیکن کر کچھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے ہاتھ ہلانے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ وہ تو انگلی بھی نہیں ہلا سکتا۔ ایسا لگتا تھا کہ دماغ اور اعضا کے درمیان رابطہ منقطع ہو گیا ہے۔ اس نے نیازی کو اپنا ہاتھ موڑتے ہوئے محسوس کیا لیکن وہ خود کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

سر میں دکھن کے سوا کوئی احساس باقی نہیں تھا۔

اس نے محسوس کیا کہ اسے بہت نرمی سے اٹھایا جا رہا ہے۔ پھر اسے نرم گرم سلیپنگ بیگ میں لٹا دیا گیا۔ چند ہی منٹ میں وہ خود کو پرسکون کر دینے کی حد تک گرم محسوس کرنے لگا۔

اچانک آوازیں گڈمڈ ہونے لگیں۔ جیسے وہ سب ایک ساتھ بول رہے ہوں۔ اس نے بولنے کی کوشش کی لیکن اس کی زبان ہل بھی نہ سکی۔ وہ حلق سے بے معنی آواز تک نکالنے کے قابل

نہیں تھا۔

وہ اپنی بیماری کے متعلق استفسارات اور ڈاکٹر کی وضاحتیں ہی سنتا رہا۔ گہری گہری سانس لیتا رہا۔ اس کی زبان چیک کی جا رہی تھی۔ اس نے سوچا' ہو نہ ہو یہ ڈاکٹر نیازی ہے۔

کچھ ہی دیر بعد وہ سو گیا۔ اب وہ خواب دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا' وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں تھیوڈولائٹ ہے۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ میں موجود چیز تھیوڈولائٹ نہیں۔ وہ تو کیمرا تھا اور وہ اس کا نام بھی جانتا تھا۔ ایری فلیکس!

دور نیچے سبز دریا دو جھیل جیسی آنکھوں میں تبدیل ہو گیا۔

یادوں پر جمی ہوئی گرد کی تہ آہستہ آہستہ صاف ہونے لگی۔

"نہیں ذیشان' یوں کام نہیں چلے گا۔" انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ کا ڈائریکٹر کہہ رہا تھا۔ "تمہاری کارکردگی دن بہ دن خراب تر ہوتی جا رہی ہے۔ ہمارا پیسہ بھی برباد ہو رہا ہے اور وقت بھی۔ میں اوپر والوں سے کب تک معذرت کروں گا۔ تم کام کیسے کر سکتے ہو' ہر وقت تو نشے میں دھت رہتے ہو اور جب نشے میں نہیں ہوتے تو کسی کی یادوں میں ڈوبے غرق رہتے ہو۔ سوری ذیشان' تمہیں ملازمت سے نکال دیا گیا ہے۔"

ذیشان خواب میں بھی اپنے رخساروں پر نمی محسوس کر رہا تھا۔

اب وہ کار چلا رہا تھا۔ دو رویہ درختوں کے درمیان جانی پہچانی سڑکیں۔ ثمینہ اس کے برابر بیٹھی تھی۔ تیز ہوا اس کے بالوں کو اڑا رہی تھی۔ تیز..... اور تیز۔ زندگی کی طرح! ثمینہ اسے اکسا رہی تھی۔ مجھے پھس کاریں اچھی نہیں لگتیں۔ پھس پھسی زندگی بھی اچھی نہیں لگتی۔ تیز' اور تیز!

اس نے پوری قوت سے ایکسلیریٹر پر دباؤ ڈالا۔ اس نے ایک بس کو اوورٹیک کیا۔ سامنے سے ایک اسکوٹر آتا نظر آیا۔ زندگی! زندگی کو بچانا ضروری تھا۔ اس نے گاڑی سائیڈ میں کی اور اسی بس سے ٹکرایا جسے ایک لمحے پہلے اوورٹیک کیا تھا۔

دھماکا۔ ثمینہ کی دل خراش چیخ' بھاگتے قدموں کی آواز' ٹوٹتے شیشوں کی صدائے مرگ اور پھر سناٹا' گہرا سناٹا۔

"مجھے افسوس ہے ذیشان بھائی' کیمرا مین کہہ رہا تھا' آپ کے ساتھ بہت اچھا وقت گزارا ہے میں نے۔ اب آپ کیا کریں گے؟"

"گھر جاؤں گا۔ اور خوب پیوں گا۔"

تنہا گھر..... چیختی خاموشی' بکھری بوتلیں..... ہر طرف خالی بوتلیں..... اور پھر.....

اب وہ سسک سسک کر رو رہا تھا۔

اس کی پلکیں لرزیں، پپوٹے تھرتھرائے اور آنکھ کھل گئی۔

''ڈاکٹر......ڈاکٹر نیازی، انہیں ہوش آ گیا۔''

وہ اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

''نہیں۔جلدی مت کرو، آرام سے لیٹے رہو۔'' ماریہ نے اسے دوبارہ لٹاتے ہوئے ہدایت کی۔''

''میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے کمزور آواز میں کہا۔

ڈاکٹر نیازی آ گیا ''ماریہ....ذرا ہٹو، مجھے دیکھنے دو۔'' وہ ذیشان پر جھک گیا ''کیسا محسوس کر رہے ہو ذیشان؟''

''بس ٹھیک ہوں، سر بہت دکھ رہا ہے۔'' بے اختیار اس کا ہاتھ سر کی طرف گیا۔اس ہاتھ پٹی سے ٹکرایا تو اس نے پوچھا ''یہ کیا ہوا؟''

''کسی نے تم پر حملہ کیا تھا۔''

اس نے جیب ٹٹولی ''وہ نقشہ بھی لے گئے۔''

''تو اس میں پریشان ہونے کی کون سی بات ہے؟''

''میں جانتا ہوں۔'' وہ کہنی کے زور پر ذرا سا اٹھا اور ڈاکٹر کی دی ہوئی نیند کی گولیاں پانی کے ساتھ نگل لیں ''ڈاکٹر، میرا خیال ہے میں تمہیں ایک شاک دے سکتا ہوں۔''

''تو ہوش میں تھے؟'' ڈاکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں۔اور ایک اطلاع اور ہے۔میری یادداشت واپس آ گئی ہے۔''

''پوری طرح؟''

''یہ میں یقین سے کیسے کہہ سکتا ہوں۔'' ذیشان کا منہ بن گیا۔

''اس پر بعد میں بات کریں گے۔'' ڈاکٹر نے بڑی ہشیاری سے اسے ٹالا ''فی الوقت جسمانی طور پر کیسا محسوس کر رہے ہو؟''

''کھڑا ہوں تو بتاؤں۔'' ذیشان نے کہا اور سلیپنگ بیگ سے باہر آ گیا۔ڈاکٹر کے سہارے سے وہ پوری طرح کھڑا ہو گیا۔چند لمحے ڈگمگایا پھر سنبھل گیا۔پھر وہ دو تین قدم آگے بڑھا ''میں ٹھیک ہوں۔بس میرے سر میں درد ہے۔'' اس نے کہا۔

''میں نے دوا دی ہے، سر کا درد بھی ٹھیک ہو جائے گا۔لیکن میں تمہاری ہمت کو داد دیے

بغیر نہیں رہ سکتا۔''

''کیا وقت ہوا ہے؟'' ذیشان نے پوچھا ''اور لوگ کہاں ہیں؟''

''آدھا دن گزر چکا ہے۔'' ماریہ نے بتایا ''شیلا اور فرید گرد و پیش کا جائزہ لے رہے ہیں کہ کوئی مشکوک قسم کی نقل و حرکت تو نہیں ہو رہی ہے۔لیکن سنو ذیشان، تمہیں آرام کرنا چاہیے۔''

ذیشان چلتے چلتے چٹان تک آ گیا۔فرید کی آواز الفاظ سمیت اس کی سماعت میں گونج رہی تھی۔جس وقت فرید نے وہ بات کہی تھی اس وقت وہ جواب نہیں دے سکتا تھا مگر اب.....

''میں دریا پار کر سکتا ہوں۔'' اس نے کہا ''مجھ میں اتنی ہمت ہے۔''

☆☆☆☆

احمد دوسرا گڑھا کھود رہا تھا۔پہلے کو انہوں نے پاٹ دیا تھا۔گھاس چھانٹنے کا کام قیصر نے سنبھال لیا تھا۔وہ بہت صفائی سے کام کر رہے تھے لیکن مسئلہ یہ تھا کہ لان غیر ہموار تھا اور یہ دھڑکا الگ تھا کہ نجانے کب اور کہاں بیلچہ کسی بے پھٹے بم سے ٹکرا جائے۔

احمد پھولوں کے تختوں میں کھدائی کر رہا تھا۔

''کچھ ملا؟'' قیصر نے پوچھا۔

''ابھی نہیں۔'' احمد نے جواب دیا۔

احمد محتاط انداز میں بیلچہ چلاتا رہا۔پھر اس نے ہیجانی آواز میں کہا ''ایک منٹ، میرا خیال ہے یہاں کچھ ہے۔''

اس کا جملہ ختم ہونے سے پہلے ہی قیصر لپک کر وہاں پہنچ گیا۔''مجھے دیکھنے دو۔'' اس نے ہاتھ ڈال کر گڑھے کی نچلی سطح کو چھوا۔کوئی سخت سی چیز اس کے ہاتھ سے ٹکرائی۔اس نے ہاتھ باہر نکالا۔بھوری سی کوئی چیز اس کی انگلیوں پر لگی ہوئی تھی۔

زنگ!

''یہی ہے'' اس نے احمد سے کہا ''احتیاط سے۔بیلچہ زور سے نہ مارنا۔''

اس نے مکان کی طرف دیکھا۔خوش قسمتی سے مادام کینو خریداری کے لیے بازار گئی ہوئی تھی۔اس کا لڑکا بھی ساتھ گیا تھا۔

''اگر ٹرنک زیادہ گلا ہوا ہو تو صرف ڈھکنا ہٹانے کی جگہ بنا لو۔ٹرنک کے بجائے صرف کاغذات بھی نکالے جا سکتے ہیں۔'' قیصر نے کہا۔

''میں اپنا ٹن اوپنر بھول آیا ہوں۔'' احمد نے کہا ''مگر یہ کام اس کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔''

اس نے ایک ہاتھ گڑھے سے نکال کر اوورآل کی جیب میں ڈالا اور تیز دھار والا چاقو نکالا۔ یہ چاقو اس نے ہیلسنکی میں یہ سوچ کر خریدا تھا کہ کبھی بوقت ضرورت کام ہی آئے گا۔

قیصر نے چاقو دیکھ کر منہ بنایا اور ہاتھ میں لے کر اس کا معائنہ کیا۔ ''کسی فنی یا روسی سے اس کے بل پر نہ الجھ بیٹھنا۔ وہ اس فن میں طاق ہوتے ہیں۔ بہر حال اس سے کام چل جائے گا۔''

اس نے ٹرنک کے اوپر کی مٹی اچھی طرح صاف کی۔ یہاں تک کہ ٹرنک کا تقریباً آدھے فٹ کا حصہ نظر آنے لگا۔ اس نے چاقو سے ٹرنک کا اوپری حصہ کاٹنا شروع کر دیا۔ دھات گل چکی تھی۔ چاقو بہت روانی سے چل رہا تھا۔ جلد ہی ٹرنک میں اتنا بڑا سوراخ ہو گیا کہ اس کا ہاتھ اندر جا سکتا تھا۔ اس نے انگلیاں اندر ڈال کر ڈھکنے پر زور لگایا۔ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ کٹا ہوا حصہ پھیلتا چلا گیا۔

پانچ منٹ بعد اس نے ہاتھ ڈال کر کاغذات کو چھوا۔ اس کی انگلیاں کسی سخت چیز سے ٹکرائیں۔ وہ کتاب تھی۔ اس نے کتاب کھینچ کر نکالنے کی کوشش کی تو احساس ہوا کہ کتاب سوراخ سے خاصی بڑی تھی۔ لہٰذا وہ کتاب چھوڑ کر سوراخ بڑا کرنے میں جت گیا۔

آخر کار وہ کتاب نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسکول کی عام کتابوں کی طرح وہ سخت جلد والی کتاب تھی۔

قیصر نے کتاب کھول کر دیکھی۔ اس میں تقریباً ہر صفحے پر کسی کی تحریر میں حسابی مساواتیں درج تھیں۔

دوسری چیز کاغذات کا ایک پلندہ تھا۔ ان کاغذات کو رول کر کے ربڑ بینڈ سے باندھا گیا تھا۔ ربڑ بینڈ تقریباً گل چکا تھا۔ ہاتھ لگتے ہی چرمرا گیا۔ کاغذات بمشکل سیدھے ہوئے۔ پہلا صفحہ فنی زبان میں تھا۔ تحریر پختہ تھی۔

پہلی حسابی مساوات چوتھے صفحے پر تھی۔ اس کے بعد تھوڑی وضاحتوں کے بعد اور حسابی مساواتیں بھی تھیں۔ آخری صفحے تک یہی کچھ تھا۔

''ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ یہی ہمارے مطلوبہ کاغذات ہیں؟'' احمد نے کہا۔

''اس کی کوئی ضرورت نہیں'' قیصر نے کہا ''کیا اتنا کافی نہیں کہ ہم اس بکس کے لیے ہی اتنی کٹھنائیاں جھیل کر یہاں پہنچے ہیں۔'' اس نے بکس بالکل خالی کر دیا۔ کاغذات کا ڈھیر جمع ہو گیا۔

قیصر نے جیب سے پیپر فولڈر نکال کر کاغذات اس میں رکھے۔ ''تم یہ گڑھا بھرو۔ میں اس خزانے کو محفوظ کرتا ہوں'' اس نے ہاتھ پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا۔ پریشانی کا ہلکا سا

سایہ اس کی آنکھوں میں لہرایا ''وقت زیادہ نہیں ہے ہمارے پاس۔''

اس نے ایک تھیلے میں کتاب اور دو میں کاغذات بھر کر تھیلے سیل کر دیے۔

''گڑھا پورا نہیں بھر رہا ہے'' احمد نے بتایا ''مٹی کم پڑ گئی۔ ٹرنک نے زمین کا خاصا حصہ گھیرا ہوا تھا۔''

''یہ میں کر لوں گا۔'' قیصر بولا ''تم جلدی سے جاؤ اور وہ ہتھ گاڑی لے آؤ۔ معلوم ہے نا' کہاں ہے وہ؟''

''سڑک کے کنارے خالی مکان میں۔ امید تو ہے کہ لاسی نے منصوبے کے مطابق اسے وہاں پہنچا دیا ہو گا۔''

''ٹھیک ہے۔ اب جاؤ۔''

قیصر باغیچے کے ایک خالی حصے سے مٹی لا کر گڑھا بھرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس کام میں اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ وہ اچھی طرح گڑھا برابر کر چکا تو اسے احساس ہوا کہ احمد ابھی تک نہیں آیا ہے۔

وہ کاغذات کے تھیلوں کو جھاڑیوں کے جھنڈ سے نکال لایا اور انہیں گھنی جھاڑیوں میں چھپا دیا کہ وہاں وہ نسبتاً زیادہ محفوظ تھے۔ پھر اس نے گھڑی دیکھی۔ گھڑی بتا رہی تھی کہ نکل بھاگنے کا وقت ہو گیا ہے۔ انہیں پیپر مل واپس جانا تھا۔ مل کی بس کے ذریعے یہ کاغذات اسمگل ہو کے سرحد پار پہنچ جاتے۔ لیکن اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے صحیح وقت پر پیپر مل پہنچنا ضروری تھا۔ اور اب وقت بہت کم رہ گیا تھا۔

وہ بے صبری سے سامنے گیٹ کی طرف بڑھا۔ سامنے احمد جلدی جلدی ہتھ گاڑی کھینچتا ہوا آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر قیصر نے سکون کی سانس لی۔ ''اتنی دیر کیوں لگا دی؟''

''بے وقوف گدھوں نے گاڑی چھپا دی تھی'' احمد کے لہجے میں وحشت تھی۔ ''آپ نے کیا کہا تھا ان سے؟''

''یہ کہا تھا کہ دیوار کی آڑ میں اس طرح رکھ دیں کہ پہلی نظر میں کسی کو اس کی موجودگی کا احساس نہ ہو۔''

''ان عقل کے دشمنوں نے اسے تہ خانے میں چھپا دیا تھا۔ مجھے پورا گھر چھاننا پڑا۔''

غلط فہمی ہو گئی ہو گی۔ خیر اب چلو۔ گاڑی مل تو گئی۔''

انہوں نے ہتھ گاڑی میں کاغذات بھر کے ان کے اوپر مٹی کے تھیلے رکھ دیے۔ احمد نے

بیلچہ اور ڈیٹیکٹر سب سے اوپر رکھ دیا۔

وہ گاڑی دھکیلتے ہوئے آگے بڑھے ہی تھے کہ رکنا پڑا ''کوئی آرہا ہے'' احمد نے سرگوشی میں کہا۔

قیصر نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک شخص لمبے ڈگ بھرتا باغیچے کی طرف آرہا تھا۔ وہ مکان سے برآمد ہوا تھا۔ قدموں کی تیزی اس کے شک کا اظہار کر رہی تھی ''اے! یہ تم لوگ میرے باغیچے میں کیا کر رہے ہو؟'' قریب آتے ہوئے اس نے کہا۔

قیصر اس کی طرف بڑھا ''کامریڈ کینو و؟''

''ہاں۔''

قیصر نے پانی کی پائپ لائن والی کہانی دہرا دی۔ آخر میں کہا۔ ''ہم نے آپ کی وائف سے وعدہ کیا تھا کہ باغیچے کو کم سے کم ڈسٹرب کریں گے۔''

''تم نے گڑھے کھودے ہیں؟ کہاں کہاں!''

قیصر نے اشارے سے بتایا ''وہاں لان کے قریب'' وہ نہیں چاہتا تھا کہ کینو و کی توجہ پھولوں کے تختوں کی طرف ہو۔

کینو و اس کی بتائی ہوئی سمت گیا اور گڑھے پر کھڑے ہو کر اسے پیروں سے دبا کر دیکھا ''ہوں' کام تو تم نے صفائی سے کیا ہے۔'' وہ زور زور سے نرم مٹی کو دبا رہا تھا۔ نیچے موجود بم کا تصور کر کے احمد پر تھرتھری چڑھنے لگی ''اس کا مطلب ہے تم لوگ جلدی آ گئے۔'' اس نے کہا۔

''کیا مطلب؟'' قیصر نے ناخوش گوار لہجے میں پوچھا۔

''بلڈوزرز سے پہلے۔''

''مجھے بلڈوزرز کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔'' قیصر نے کہا۔ ''ہمارا محکمہ اور ہے۔ میرا تعلق صرف پانی کے پائپوں سے ہے۔''

کینو و نے مکان کی طرف دیکھا ''میں یہاں رہتا ہوں۔ یہ میرا گھر ہے اور مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ اور ہمیں یہاں سے بے دخل کیا جا رہا ہے۔ مجھے کسی اور فیکٹری میں بھیج دیا جائے گا۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کامریڈ! یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کیا یہ درست ہے؟''

قیصر نے کندھے اچکائے ''ملکی مفاد کے لیے قربانیاں بھی دینا پڑتی ہیں۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔'' کینو و نے غصے سے کہا ''مجھے شہر سے دور غیر آباد علاقے میں زبردستی بھیجا جا رہا ہے۔ ایک سستا تباہ شدہ مکان مجھے الاٹ کیا گیا ہے۔ وہ مکان کسی اعتبار سے

اس کا ہم پلہ نہیں ہے۔ فنی لوگ جانتے تھے کہ مکان کس طرح کے بنائے جانے چاہئیں۔''

''تمہارا مطلب ہے کامریڈ کہ روسی کاریگر فن تعمیر میں جاہل ہیں۔'' قیصر نے غصے میں کہا۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا۔'' کینو و نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ وہ ہتھ گاڑی کی طرف بڑھا اور ڈیٹیکٹر اٹھا لیا ''یہ تمہارا پائپ تلاش کرنے کا آلہ ہے؟''

قیصر کے ہونٹ بھنچ گئے ''ہاں۔''

''کانوں میں استعمال ہونے والے ڈیٹیکٹر جیسا ہے۔ میں جنگ کے دنوں میں استعمال کر چکا ہوں۔ میں اسٹالن گراڈ میں کان کنی کر چکا ہوں۔ اس وقت میری عمر صرف ۱۴ سال تھی۔'' وہ باڑھ کی طرف بڑھا۔ وہ باڑھ دو مکانوں کے درمیان حد بندی کا کام کرتی تھی۔ ڈیٹیکٹر اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا ''بورس آئنوچ! تم گھر میں موجود ہو؟'' اس نے پکارا۔

''خدا کی پناہ!'' احمد بڑبڑایا ''اب کیا کریں؟''

باڑھ کے دروازے پر ایک عورت نمودار ہوئی۔ ''بورس کام پر جانے کی تیاری کر رہا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''شام بخیر آرینا' بورس سے کہنا یہاں ہوتا ہوا جائے۔ میں اسے کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔''

''اسے یہیں چھوڑ دو۔'' احمد نے پریشان ہو کر قیصر سے کہا۔

''ہم ڈیٹیکٹر لیے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتے۔'' قیصر نے دانت پیستے ہوئے سرگوشی کی ''یوں تو ہم مشکوک قرار پائیں گے۔''

کینو و باڑھ کے پاس سے ہٹ آیا۔ اس نے ائرفون کانوں میں لگا لئے تھے ''یہ تو کام بھی کانوں کے ڈیٹیکٹر کی طرح کرتا ہے۔ البتہ اس کی نسبت چھوٹا اور ہلکا ہے۔ آج کل الیکٹرونکس میں بڑی ترقی ہو رہی ہے۔''

''یہ مختلف اصول سے کام کرتا ہے۔'' قیصر نے کہا ''سنو کامریڈ ہم اپنا کام ختم کر چکے ہیں۔ اب ہمیں جانا ہے۔''

''ایسی بھی کیا جلدی کامریڈ۔'' کینو و نے بے پروائی سے کہا وہ تازہ بھربھری مٹی کے پاس جا کھڑا ہوا ''یہاں سے تمہیں پانی کا پائپ ملا ہے۔ یہی کہا ہے نا تم نے؟'' اس نے پوچھا۔

''پائپ جنکشن۔'' قیصر نے دانت پر دانت جماتے ہوئے کہا۔

کینو و نے سوئچ آن کیا اور سامنے سے آ گئے۔ کئی بار زمین پر جھک جھک کر کچھ

سننے کی کوشش کرتا رہا" یہ کام بھی کرتا ہے؟" اس نے پوچھا" میں اس جنکشن کو محسوس نہیں کرسکتا۔ کوئی آواز نہیں ہے۔ دیکھو مجھ سے کوئی غلطی تو نہیں ہو رہی ہے۔ دیکھو صحیح جگہ پر ہوں نا؟"

"ہاں۔ یہی مقام ہے۔" احمد نے جواب دیا۔

"اور بورس آئنوچ" کینو نے ان دونوں کے عقب میں کسی کو دیکھتے ہوئے کہا" تم یقیناً اس میں دلچسپی لو گے۔"

قیصر نے پلٹ کر دیکھا۔" اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ احمد کے پیٹ میں بھی گرہیں سی پڑنے لگیں۔

بورس آئنوچ پولیس مین تھا!

☆☆☆☆

"دلدلی زمین پر ریسرچ کے لیے اس سے زیادہ مناسب مقام کوئی نہیں۔" ڈاکٹر متی منرمانے کہا" شمالی فن لینڈ میں دلدلی علاقوں کی کمی نہیں۔ اس کی وجہ سوکھتی ہوئی جھیلیں ہیں۔ سومپیو کو اسی لیے حفاظت گاہ فطرت' کی حیثیت سے منتخب کیا گیا ہے کہ یہاں صرف دلدلی علاقے ہی نہیں سطح سمندر سے ۵۰۰ میٹر بلند زمین بھی ہے۔ اور لوکا جھیل کا کچھ علاقہ بھی اس میں شامل ہے۔ چنانچہ یہاں مختلف جانور، خاص طور پر پرندے بکثرت ہیں۔"

"بہت خوب۔" فرید نے لہجے میں دلچسپی لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا حالانکہ وہ مرجانے کی حد تک بور ہو رہا تھا۔

"میں خود علم الطیور کا ماہر ہوں۔" ڈاکٹر متی نے کہا" میں ہجرت کرنے والے پرندوں پر خصوصی ریسرچ کر رہا ہوں۔"

فرید نے ڈاکٹر کے آفس میں لگے رائفلوں کے ریک کی طرف اشارہ کیا" آپ شکار بھی کھیلتے ہیں؟"

"یہ ضروری ہے۔ ریسرچ کے سلسلے میں ہم انڈے بھی توڑتے ہیں۔" ڈاکٹر ہنسنے لگا" میری پرندوں سے کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہے۔ پرندوں کے شکار سے مجھے دلچسپی ہے"

"میں بھی پرندوں کے شکار کا شوقین ہوں۔" ڈاکٹر نیازی نے جلدی سے کہا۔

"لیکن سومپیو میں شاٹ گن لے کر نہ جانا۔" ڈاکٹر متی نے گمبھیر لہجے میں کہا لیکن اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی چمک اس لہجے میں متصادم تھی" بہرحال اب میں نقشہ دیکھ کر آپ لوگوں کے لیے بہتر پروگرام ترتیب دیتا ہوں۔" وہ اٹھا اور دیوار پر آویزاں نقشے کے پاس گیا" یہاں

نا سیٹ میں ایک ہٹ بھی ہے۔ وہاں آپ کو بستر بھی ملیں گے اور کھانا پکانے کی سہولتیں بھی۔ ہٹ اگرچہ پرانا ہے لیکن کچھ نہ ہونے سے بہت بہتر ہے۔"

"تعاون کا شکریہ۔" فرید نے کہا۔

"اس ہٹ میں ہمارے آلات وغیرہ موجود ہیں۔ انہیں ڈسٹرب نہ کیجیے گا۔"

"ہم کسی چیز کو نہیں چھوئیں گے۔" فرید نے وعدہ کیا۔

"اگر راشن ختم ہو جائے تو آپ ہٹ میں موجود خشک غذا کے ڈبے استعمال کرسکتے ہیں، واپس آکر ادائیگی کر دیجیے گا۔" ڈاکٹر متی نے کہا۔

فرید اور ڈاکٹر نیازی دفتر سے نکل آئے۔ ویوٹسو کی مرکزی سڑک پر چلتے ہوئے نیازی نے کہا" بہت تعاون کرنے والا آدمی ہے۔"

"لیکن ہمیں شاٹ گن لے جانے کی اجازت نہیں ملی۔" فرید نے سوگوار لہجے میں کہا "جبکہ مجھے مشین گن کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔"

"تمہارے خیال میں وہاں تک تعاقب کیا جائے گا ہمارا؟"

"یہ تو یقینی ہے۔ ہم قدم قدم پر نشان چھوڑتے ہوئے آئے ہیں۔ قیصر صاحب کا منصوبہ کام کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ ان کے لیے بہت بھلا ہوگا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہم بڑی مصیبت میں ہیں۔" فرید کے لہجے میں برہمی در آئی" قیصر صاحب نے ہمیں بطور چارہ دشمنوں کے سامنے ڈالا ہے لیکن بلاوجہ گولی کھانا کون پسند کرتا ہے۔ انہوں نے مجھے باہر رہ کر تم لوگوں کی حفاظت کرنے کا رول دیا تھا مگر وہ منصوبہ تو خاک میں مل چکا۔ درحقیقت یہ ایک آدمی کا کام ہی نہیں تھا۔ آدمی سوتا بھی تو ہے۔"

"تو اب تم ہمارے ساتھ ہی رہو گے؟"

فرید نے اثبات میں سر ہلایا، پھر پوچھا" ذیشان کا کیا حال ہے؟"

"اس کی قوت مدافعت کا تو میں قائل ہو گیا۔" ڈاکٹر نیازی نے کہا" سر کی چوٹ نے اس کے دماغ میں موجود رکاوٹوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ماضی کی یادیں متحرک ہو گئی ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی حالت بہتر ہوتی جائے گی۔"

"اس کی یادداشت پوری طرح واپس آ گئی تو کیا ہوگا؟" فرید نے تلخ لہجے میں کہا" کیا وہ پھر بلانوشی شروع کر دے گا؟"

"میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ رات میں نے اسے شراب پیش کی تھی لیکن لگتا ہے اب اسے

شراب سے رغبت نہیں رہ گئی ہے۔‘‘

’’کاش......وہ ایسا ہی رہے۔‘‘ فرید نے آہ بھر کے کہا۔

☆☆☆☆

ذیشان درحقیقت خود کو بہت بہتر محسوس کر رہا تھا۔ سومیپو کی حفاظت گاہِ فطرت‘ میں وہ اپنی خوش طبعی کی وجوہات تلاش کرنے کی کوشش کرتا رہا اور آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے وہ ماضی کو ٹٹولتا تھا تو اسے گھبراہٹ ہونے لگتی تھی‘ اب ایسا نہیں تھا۔ دوسرے ماحول کی تبدیلی تھی۔ تازہ ٹھنڈی ہوا میسر تھی۔

اس وقت وہ نثا سیٹ کے پہاڑی علاقے میں تھے۔ نیچے ایک بہت حسین وادی تھی جس کی خوب صورتی دیکھ کر سانسیں رک رک جاتی تھیں۔ جہاں جہاں سخت زمین تھی‘ سبزہ نظر آ رہا تھا جبکہ برفانی چٹانوں کے درمیان پھوٹ نکلنے والے چشمے آسمان کی رنگت منعکس کر رہے تھے۔

ذیشان نے پلٹ کر دیکھا۔ کوئی آدھا میل پیچھے فرید آ رہا تھا۔ پھر ذیشان نے اسے رک کر آنکھوں سے دوربین لگاتے دیکھا۔ وہ نجانے کیا دیکھ رہا تھا کیونکہ اسے مناظر کے حسن سے تو کوئی دلچسپی تھی نہیں۔

ذیشان نے پہلو بدل کر اپنی پیٹھ سے بندھے تھیلے کو درست کیا اور اپنی رفتار تیز کر دی تا کہ دوسروں تک پہنچ سکے۔

ماریہ کے قریب پہنچ کر اس نے کہا ’’شکر ہے کیون سے نکلتے وقت کوئی مڈبھیڑ نہیں ہوئی‘ ورنہ میری حالت اتنی خراب تھی کہ میں کوئی مدد کرنے کے بجائے الٹا بوجھ بن کر رہ جاتا۔‘‘

ماریہ نے فکرمند نگاہوں سے اسے دیکھا ’’اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟‘‘

’’جیسے جیسے یادداشت بہتر ہو رہی ہے میں بھی خود کو بہتر محسوس کر رہا ہوں۔‘‘

’’تمہیں یاد ہے کہ تم ڈائریکٹر تھے؟‘‘ ماریہ نے پوچھا۔

’’ہاں۔ لیکن یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ میں کمرشل گلیمر سے بھرپور فلمیں بناتا تھا۔‘‘ وہ خوش دلی سے ہنس دیا ’’میں معلوماتی‘ دستاویزی فلمیں بناتا تھا۔‘‘ اچانک اس کا منہ بن گیا ’’پھر مجھے ملازمت سے جواب مل گیا۔‘‘

’’اب یہ سوچ کر پریشان نہ ہو۔‘‘

’’میں پریشان نہیں ہو رہا ہوں۔ فی الوقت تو ماضی کی کسی بات پر پریشان ہونے کی مہلت نہیں میرے پاس۔‘‘ اس نے چند لمحے توقف کیا پھر بولا ’’ایسا لگتا ہے کہ میں ماضی میں اچھا انسان نہیں تھا۔‘‘

’’بھول جاؤ یہ سب۔‘‘ ماریہ نے چڑچڑے پن سے کہا۔ اس کا لہجہ سخت تھا۔

ذیشان نے غور سے اسے دیکھا ’’تم میری فکر کرتی ہو۔ میرے لیے پریشان رہتی ہو‘ ہے نا؟‘‘ اس کے لہجے میں استعجاب تھا۔ بہت عرصے کے بعد ایسا ہوا تھا کہ کوئی اس کے لیے فکرمند تھا ورنہ لوگوں کو تو صرف اس بات سے غرض تھی کہ وہ اپنا کام ٹھیک طرح سے کر رہا ہے یا نہیں۔ پہلے محکمۂ اطلاعات والوں کا یہ رویہ تھا اور اب قیصر اینڈ کمپنی کا بھی یہی حال تھا۔ اس پر کیا بیت رہی ہے اس کی کسی کو پروا نہیں تھی۔

’’تو تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟‘‘ ماریہ نے کہا ’’تمہارے سر پر چوٹ لگے تو خوش ہوں میں۔ تمہیں اس مہم میں شامل ہونے کے لیے رضامند ہونا ہی نہیں چاہئے تھا۔‘‘

’’قیصر میں قائل کرنے کی اہلیت بہت زیادہ ہے۔ دیکھو‘ تمہیں بھی تو قائل کر لیا اس نے۔ اب تم بتاؤ‘ تمہیں تو کسی نے کہا بھی نہیں تھا۔ پھر تم کیوں شامل ہو گئیں اس میں؟‘‘

وہ مسکرائی ’’تم شیکسپیئر کے مشہور کردار ہیملٹ کی طرح ہو۔ لوگوں کو زبردستی قبول کر لیتے ہو۔‘‘

ذیشان مسکرا دیا۔

’’مجھے اس مسکراہٹ سے مت بہلاؤ۔‘‘ وہ تند لہجے میں بولی۔ ذیشان پر ڈپریشن طاری ہونے لگا ’’تو تم میری رہنمائی کرنا چاہتی ہو؟‘‘

’’میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم اوروں کا کھلونا نہ بنو۔ قیصر کی ہر بات پر یقین نہ کیا کرو۔ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ تمہارا نہیں قیصر کا کام ہے۔‘‘

ذیشان کچھ دیر خاموش رہا ’’مجھے اس کام کے معاملے میں کوئی خوش فہمی نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ مجھے اس میں زبردستی الجھایا گیا ہے لیکن میں نے کھلی آنکھوں سے سوچ سمجھ کر اسے قبول کیا ہے۔ مجھے معلوم ہے مجھے استعمال کیا جا رہا ہے اور مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی۔ جس وقت قیصر نے مجھے پیشکش کی میں بہت الجھا ہوا تھا۔ قیصر نے میری ذہنی ابتری سے فائدہ اٹھایا لیکن میں اسے الزام نہیں دیتا۔ اس کے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا۔‘‘

’’لیکن اب تم بہتر ہو رہے ہو‘ اپنے فیصلے خود کر سکتے ہو۔‘‘

’’دیکھیں گے۔‘‘ ذیشان نے کہا اور تھیلا پھر درست کیا۔ ’’دیکھیں گے۔‘‘ اس نے دہرایا ’’آخر ہم اس ہٹ تک کب پہنچیں گے؟‘‘

☆☆☆☆

وہ رات میں بھی سفر کرتے رہے شیلا جلد از جلد ہٹ تک پہنچنا چاہتی تھی'' جب چھت میسر ہے تو کھلے آسمان کے نیچے کیوں رہا جائے۔'' اس نے کہا تھا۔

وہاں رات میں سفر کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ روشنی آسمان سے کبھی رخصت نہیں ہوتی تھی۔ رات اور دن میں کچھ زیادہ فرق نہیں تھا۔

آخر کار رات دو بجے وہ ہٹ تک پہنچ گئے۔

لکڑی کا بنا ہوا وہ ہٹ ان کی توقع سے زیادہ بڑا تھا۔ وہ انگریزی حرف ایچ کی شکل میں تھا۔ انہوں نے اپنا اپنا بوجھ اتار کر پٹخا اور سکھ کی سانس لی۔

خواتین کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔ مرد پانی لانے چلے گئے۔

ڈاکٹر نیازی اور ذیشان بالٹیاں لے کر نکلے۔ ہٹ کے باہر ڈاکٹر نیازی نے رک کر دلدلی علاقے کی سمت دیکھا۔ لگتا تھا علاقہ پانی کو ترس رہا ہے۔

ذیشان نے اپنی گردن پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا'' مچھر بہت ہوں گے یہاں۔''

''فکر مت کرو یہاں ملیریا والے مچھر نہیں ہوسکتے۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ان کا کاٹنا خوش گوار تو نہیں ہوسکتا۔''

وہ پانی کے پاس پہنچے۔ نیازی نے پانی کا قدانہ جائزلیا'' لگتا تو ٹھیک ٹھاک ہے لیکن بہتر ہوگا کہ اسے ابال کر استعمال کیا جائے۔''

انہوں نے بالٹیاں بھریں۔ چلتے چلتے ڈاکٹر نیازی نے کہا'' یہ کیا بلا ہے؟''

ذیشان نے اس کے اشارے کی سمت دیکھا۔ کوئی سو گز دور پانی کے کنارے ایک چھوٹا سا کیبن نظر آرہا تھا۔

''ممکن ہے سونا ہو۔'' ذیشان نے کہا'' یہ فنی لوگ تو ہر جگہ سونا باتھ بنا دیتے ہیں۔ میں تو اب زندگی میں کسی سونا میں قدم نہیں رکھوں گا۔''

''اتنا نیچا سونا نہیں ہوسکتا۔ اتنی نیچی چھت۔ ایک نظر دیکھا تو جائے۔''

''وہ لوگ پانی کے لیے چیخ رہی ہوں گی۔''

''دیر تھوڑا ہی لگے گی۔'' ڈاکٹر نے کہا اور پانی کے ساتھ ساتھ کیبن کی طرف چل دیا۔

ذیشان کندھے جھٹک کر رہ گیا۔ اس نے پانی کی بالٹی اٹھائی اور ہٹ کی طرف چل دیا۔

''اتنے پانی سے کیا ہوگا؟'' ماریہ نے اعتراض کیا۔

ذیشان دوسری بالٹی اٹھا کر لانے کی غرض سے چل دیا۔ وہ بالٹی تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ

ڈاکٹر نیازی نے اسے پکار لیا'' ذیشان! یہاں تو آؤ۔ دیکھو میں نے کیا دریافت کیا ہے۔''

ذیشان چھوٹے کیبن کی طرف چل دیا۔ کیبن کی چھت واقعی بہت نیچی تھی۔ اتنی نیچی کہ وہاں کھڑا ہونا تو در کنار بیٹھا بھی بمشکل جا سکتا تھا۔

ڈاکٹر نیازی کسی چیز کو گھور رہا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' ذیشان نے پوچھا۔

''شکاری کشتی کہہ لو۔''

کیبن صرف اس کشتی کو رکھنے کے لیے بنایا گیا تھا۔

''کیا مطلب؟''

''ڈاکٹر متی کہہ رہا تھا کہ شاٹ گن لے جانے کی اجازت نہیں ہے جبکہ یہاں پہلے ہی سے زوردار گن موجود ہے۔'' نیازی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

ذیشان بھی اس چپٹی کشتی پر جھک گیا'' اس میں اتنا خوش ہونے کی کون سی بات ہے؟''

''ایک زمانے میں انگلینڈ میں پرندوں کے شکار کے لیے ایسی کشتیاں ہوتی تھیں۔ اب تو یہ متروک ہو چکیں۔ مجھے یہاں فن لینڈ میں یہ عجوبہ ہی لگ رہی ہے۔'' نیازی نے باہر نکلتے ہوئے کہا'' آؤ واپس چلیں۔''

وہ دوسری بالٹی لے کر ہٹ پہنچے تو فرید بھی آچکا تھا۔ وہ بہت تھکا ہوا اور چڑچڑا ہو رہا تھا

''کہیں کوئی نظر نہیں آیا۔'' اس نے کہا'' لیکن اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔'' اس نے دلدل کی طرف اشارہ کیا'' کیا خیال ہے پانی کتنا گہرا ہوگا یہاں؟'' اس نے نیازی سے پوچھا۔

''پانی زیادہ گہرا نہیں۔ کنارے پر زیادہ سے زیادہ تین فٹ گہرا ہوگا۔''

فرید نے سر ہلایا'' جھاڑیاں اتنی گھنی ہیں کہ ان میں پوری فوج چھپ جائے تو پتا نہ چلے۔ خیر یہ بتاؤ کھانے میں کیا ہے؟''

ذیشان مسکرایا'' میں ایک لاکھ کی شرط لگا سکتا ہوں۔ تلے ہوئے گوشت کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔''

''تو اس میں اتنا خوش ہونے کی کون سی بات ہے۔'' فرید نے چڑچڑے پن سے کہا۔

کھانے کے بعد فرید کا چڑچڑا پن دور ہو گیا۔ اس کی آنکھیں مندنے لگیں۔ اس نے کونے میں لگے دیواری بستروں کی طرف دیکھا۔ شیلا اور ماریہ سو چکی تھیں۔

''رات کا پہرہ دینا بہت ضروری ہے۔'' اس نے کہا

"تم کچھ نیند لے لو۔ میں اور ڈاکٹر پہلی بار کے لیے ٹاس کر لیتے ہیں۔" ذیشان نے تجویز پیش کی۔

"ڈاکٹر ہے کہاں؟"

"باہر اس کے ہتھے ایک گن چڑھ گئی ہے۔"

"گن؟" فرید کی نیند اڑ گئی۔

"ہاں۔ ایک کشتی ڈھونڈ نکالی ہے اس نے۔ شکاری کشتی۔ اسی پر گن نصب ہے۔ تم تو جانتے ہی ہو اسے پرندوں کے شکار کا شوق ہے۔ ایسی کشتی اس نے انگلینڈ میں دیکھی تھی۔ میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا۔"

"اوہ' شکاری گن!" فرید کی دلچسپی ختم ہوگئی۔ اس نے اپنے کپ میں کافی انڈیلی اور ذیشان سے پوچھا "تمہارے لیے نکالوں؟"

"شکریہ میں پی چکا ہوں۔"

"وسکی؟"

"نہیں بھئی۔"

"کیوں؟ اچھی نہیں لگتی؟" فرید نے پوچھا۔

"بری لگتی ہے۔"

فرید نے جلدی سے موضوع بدلا "تم ہٹ میں رہ کر نگرانی کر سکتے ہو۔ ہر آدھے گھنٹے بعد ہٹ کا ایک چکر لگا لینا۔ پہاڑی پر خاص طور پر نظر رکھنا۔"

کوئی خدشہ؟"

"آج نہیں تو کل' کوئی نہ کوئی ہمارے پیچھے ضرور آئے گا۔ وہ جو مانگیں گے ہم انہیں دے دیں گے۔ ممکن ہے اس طرح جان چھوٹ جائے۔ میں کاغذ کے ایک فضول پرزے کے لیے مرنا پسند نہیں کروں گا۔ ویسے بھی اس کی وجہ سے اور محتاط رہنا ہوگا۔" اس نے سوئی ہوئی ماریہ کی طرف اشارہ کیا۔

"اس محبت کا بہت بہت شکریہ۔"

"خواہ مخواہ طنز مت کرو۔ ہمیں اسے ساتھ لانے کا شوق نہیں تھا۔ خود آئی ہے وہ۔" فرید نے پاؤں پھیلائے "اب میں سو رہا ہوں۔"

ذیشان نے دوربین اٹھائی "میں ذرا باہر کا جائزہ لے لوں۔"

ٹہلتے ٹہلتے وہ چھوٹے کیبن کی طرف نکل گیا۔ ڈاکٹر نیازی ابھی تک شکاری کشتی اور اس کی توپ جیسی گن میں الجھا ہوا تھا۔ گن اتنی بڑی اور دہشت ناک تھی کہ ذیشان کو اس سے خوف آنے لگا۔

"بھائی.... اس میں کارتوس کون سے استعمال ہوتے ہیں؟" ذیشان نے پوچھا۔

"اس سائز کے کارتوس کسی اسلحہ فروش سے مانگو گے تو وہ تمہیں پاگل سمجھے گا۔" نیازی نے ہنستے ہوئے کہا "سیاہ پوڈر کی مدد سے خود کارتوس بنانے پڑتے ہیں اس کے۔ کاش' سیاہ پوڈر بھی مل جائے۔"

نیازی دیر تک ذیشان کو گن استعمال کرنے کا طریقہ سمجھاتا رہا۔ ذیشان بے دلی سے سنتا رہا۔

"اچھا' اب تم سو جاؤ۔" ذیشان نے سب کچھ سننے کے بعد اپنی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا "میں تمہیں دو گھنٹے بعد جگا دوں گا۔ پھر تم پہرہ دینا۔"

☆☆☆☆

ذیشان جاگ اٹھا' کوئی پیہم اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔ وہ احتجاجاً منمنایا' مگر آنکھیں کھولنا ہی پڑیں۔ شیلا اس پر جھکی ہوئی تھی "جاگ جاؤ مہمان آئے ہیں ہمارے ہاں۔"

ذیشان اٹھ بیٹھا "کون مہمان؟" اس نے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔

"آؤ۔ خود دیکھ لو۔"

فرید دوربین آنکھوں سے لگائے کھڑکی میں کھڑا تھا۔ ذیشان اس کی طرف بڑھ گیا "یہ تو وہی کیون والا ہے؟" فرید نے کہا "امریکی نہیں' دوسری پارٹی میں تھا یہ۔"

ذیشان نے دیکھا' وہ شخص ہٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہٹ سے کوئی چار سو گز دور تھا وہ۔

"یہ اکیلا ہے؟" ذیشان نے پوچھا۔

"کوئی اور تو نظر نہیں آیا مجھے۔ میں تو اس کے اعصاب کو داد دے رہا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے اسے یہاں ہماری موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔"

وہ شخص بڑے اعتماد سے ہٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دس منٹ میں وہ اتنا نزدیک آ گیا کہ اسے پکارا جا سکتا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ ہٹ کے دروازے سے دس گز دور وہ رک گیا اور انتظار کرتا رہا۔

"وہ ہماری موجودگی سے لاعلم نہیں۔" فرید نے کہا اور جھپٹ کر اپنے تھیلے سے پستول

نکالا' وہ اندر آئے تو تم اس کے پیچھے موجود رہنا۔'' اس نے شیلا سے کہا'' جاؤ دروازہ کھول دو۔''

باہر موجود شخص ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔

''کیا چاہتے ہو تم؟ فرید نے پوچھا۔

''میں ڈاکٹر یاکب سے ملنا چاہتا ہوں۔'' لہجے سے وہ انگریز یا امریکی نہیں لگ رہا تھا۔

''اور اگر ڈاکٹر تم سے بات کرنے کا خواہش مند نہ ہو تو؟'' فرید نے کہا۔

''تم اس کا فیصلہ ڈاکٹر کو کرنے دو نا۔''

''کیا نام بتاؤں تمہارا؟''

''شمٹ۔''

''لگتے تو تم چیکوسلواکیہ کے ہو لیکن نام جرمن ہے۔''

''چیکوسلواکیہ میں جرمن نام بھی ہوتے ہیں لوگوں کے۔'' اس شخص نے کہا اور جب فرید نے کوئی جواب نہیں دیا تو بولا'' میرے ہاتھ تھک رہے ہیں۔''

''تم نے خود ہی اٹھائے تھے۔ خود ہی گراؤ گے انہیں لیکن ابھی نہیں۔'' فرید کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا'' ٹھیک ہے مسٹر شمٹ' تم اندر آ سکتے ہو۔''

شمٹ مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھ اب بھی اٹھے ہوئے تھے۔ وہ اندر داخل ہوا لیکن چار قدم بڑھنے کے بعد رک گیا۔ فرید نے اچانک ہی اس پر ریوالور تان لیا تھا۔ عقب سے شیلا نے دروازہ بند کر دیا۔

''اس کی تلاشی لو۔'' فرید نے کہا۔

شمٹ نے پلٹ کر دیکھا۔ شیلا کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر وہ مسکرایا'' اتنے سارے ریوالور' جبکہ میں غیر مسلح ہوں۔'' اس نے شوخ لہجے میں کہا۔

''تمہارے کچھ کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' فرید نے کہا۔'' شیلا!''

شیلا نے تلاشی لی لیکن شمٹ کے پاس سے کچھ نہ نکلا۔

''اب بہت آہستگی سے اپنا تھیلا اتار کر نیچے رکھ دو۔'' فرید نے پستول لہراتے ہوئے کہا۔

شمٹ نے پشت پر بندھا تھیلا اتار کر نیچے رکھ دیا اور یوں خوش نظر آیا جیسے کسی اور کے بوجھ سے نجات مل گئی ہو'' میں جانتا تھا کہ تم لوگ ریوالوروں کے آزادانہ استعمال کے قائل ہو۔'' اس نے کہا'' اسی لیے میں ہاتھ اٹھائے ہوئے آیا تھا۔ میں اتفاقاً شوٹ ہونے کا قائل نہیں ہوں۔ ویسے تم لوگوں نے کیون میں مجھ پر فائرنگ کیوں کی تھی۔؟''

''ہم نے نہیں کی تھی۔'' فرید نے کہا'' تم ایک گروہ سے بھڑ گئے تھے۔''

''تمہارا خیال ہے میں اس بات پر یقین کر لوں گا؟''

''کرو یا نہ کرو لیکن یہ حقیقت ہے کہ تم نے امریکا سے جنگ چھیڑی تھی۔ میں سب دیکھ رہا تھا۔ تم تین تھے اور امریکی چار۔ تمہارے ایک آدمی کا ہاتھ ٹوٹا تھا جبکہ ایک امریکی کی ٹانگ میں گولی لگی تھی۔ میں دریا کے اس پار بیٹھا بغیر ٹکٹ کے وہ مقابلہ دیکھ رہا تھا۔''

''تو امریکی بھی اسی چکر میں ہیں۔'' شمٹ نے کہا اور ذیشان کو مسکرا کر دیکھا۔ پھر وہ فرید کی طرف مڑا'' ڈاکٹر یاکب کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ یقیناً بہت زیادہ اہم ہوگا۔''

''تو تمہیں اس سے کیا؟'' فرید نے چڑچڑے پن سے کہا۔

''میں وہ چیز حاصل کرنے آیا ہوں۔'' شمٹ نے نہایت اعتماد سے جواب دیا۔

''ایسی بات ہے؟''

''ہاں' ایسی ہی بات ہے مسٹر فرید'' شمٹ نے دانت نکال دئے'' دیکھ لو' میں تمہارا نام بھی جانتا ہوں۔ تمہارا ہی نہیں یہاں موجود تمام لوگوں کے نام سے واقف ہوں میں۔''

''یہ کوئی بڑی بات نہیں۔'' فرید بھی مسکرایا'' میں تمہارے اس یقین کی بنیاد چاہتا ہوں کہ جو کچھ تم لینے آئے ہو' ڈاکٹر یعقوب وہ تمہیں دے دیں گے۔''

شمٹ نے ذیشان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا'' میں سمجھتا ہوں' ڈاکٹر یاکب اپنی بیٹی کی زندگی کی اہمیت سمجھتے ہیں۔ ایک عظیم تر خزانہ ساتھ لے کر کسی خزانے کی تلاش میں نکلنا عقل مندی تو نہیں۔''

ذیشان نے ماریہ کو دیکھا۔ پھر کھنکھار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا'' لیکن اس وقت تو تم ہمارے قبضے میں ہو مسٹر شمٹ۔''

شمٹ نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا'' دراصل ڈاکٹر یاکب' آپ اس قسم کی صورت حال کو سمجھ نہیں سکتے۔ مجھے یقین ہے مسٹر فرید سب کچھ سمجھ رہے ہیں۔''

''تم لوگوں نے ہٹ کو گھیرے میں لے لیا ہے نا؟'' فرید نے پوچھا۔

''ظاہر ہے۔ اور اس بار ہم صرف تین بھی نہیں ہیں۔'' شمٹ نے اپنی گھڑی دیکھی ''پچیس... نہیں چوبیس منٹ ہیں تم لوگوں کے پاس۔''

کھڑکی کے پاس کھڑے ہوئے ڈاکٹر نیازی نے کہا'' تم بلف کر رہے ہو' مجھے تو باہر کوئی نظر نہیں آیا۔''

"اس کا تو بہت آسان حل ہے' تم میرے بلف کو چیلنج کر دو۔ اگر بیٹھنے کی اجازت ہو تو میں انتظار کر سکتا ہوں۔" شمٹ نے کہا اور قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ لیکن اس نے ایک لمحے کے لیے بھی فرید کے پستول سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔

فرید نے میز سے ٹیک لگالی "اچھا یہ بتاؤ' ڈاکٹر یعقوب کے پاس ایسی کون سی چیز ہے جس میں تمہیں دلچسپی ہے۔" "احمقانہ باتیں مت کرو مسٹر فرید۔" شمٹ نے خشک لہجے میں کہا۔

پھر ذیشان کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولا "ڈاکٹر نے اسٹاک ہوم میں اپنے دوستوں کو بتایا تھا کہ کس طرح انہیں اپنے دادا کی پرانی دستاویزات ملی ہیں اور کہاں سے ملی ہیں۔ تم نہیں جانتے مسٹر فریڈ' یہ سائنس داں پیٹ کے کتنے ہلکے ہوتے ہیں۔ پھر اچانک ڈاکٹر کو اس راز کی اہمیت کا احساس ہوا۔ انہوں نے چپ سادھی اور پہلے انگلینڈ پھر پاکستان چلے گئے۔"

فرید کا چہرہ بے تاثر تھا "کہتے رہو۔" اس نے کہا۔

"مگر اس وقت تک راز فاش ہو چکا تھا۔" شمٹ نے بات آگے بڑھائی "سائنسی انکشافات بہت تیزی سے عام ہوتے ہیں کیونکہ سائنس دانوں کے خیال میں وہ پوری انسانیت کی امانت ہوتے ہیں۔"

"امریکیوں تک کو علم ہو گیا اس کا؟" فرید نے کہا۔

شمٹ نے کندھے اچکا دیے "بڈھے ابراہیم کے بارے میں کون نہیں جانتا۔ اندازہ یہ ہے کہ اس نے کاغذات کہیں محفوظ کر دیے ہوں گے اور آپ لوگوں کے طرز عمل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے کاغذات کہیں دفن کیے ہوں گے۔ شمالی فن لینڈ کے کسی مقام پر۔ چنانچہ یہ تو خزانے کی تلاش ہی ٹھہری۔ تم لوگوں کے پاس ایک نقشہ ہے۔" وہ سیدھا ہو گیا "مجھے وہ نقشہ چاہیے۔"

فرید نے کن انکھیوں سے ذیشان کو دیکھا "اب تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ زیادہ باتیں کرنا کتنا نقصان دہ ہوتا ہے۔"

نقشہ تو انہیں دینا تھا۔ جان چھڑانی تھی۔ لیکن آسانی سے نقشہ دینے میں قباحت یہ تھی کہ ان لوگوں کو شک ہو جاتا۔

"ہمیں جمہوری طرز عمل اختیار کرنا ہو گا۔" چند لمحوں کے بعد فرید نے کہا "ہم رائے شماری کریں گے نیازی؟"

"میرے خیال میں تو یہ شخص بلف کر رہا ہے۔" نیازی نے کہا۔ "باہر کوئی بھی نہیں ہے۔ اس سے کہو کہ ٹھنڈا ٹھنڈا یہاں سے چلا جائے۔"

"شمٹ مسکرایا۔ لیکن اس نے منہ سے کچھ نہیں کہا۔

فرید نے ذیشان کی طرف دیکھا "تمہارا کیا خیال ہے ڈاکٹر؟" اس نے پوچھا "تم اس نقشے کی اہمیت ہم سب سے زیادہ سمجھتے ہو۔"

"یہاں نقشے سے زیادہ اہم معاملہ سامنے لایا گیا ہے۔ میرا کہنا ہے' یہ جو مانگ رہا ہے اسے دے دو۔" ذیشان نے کہا۔

"اسے کہتے ہیں دانش مندی۔" شمٹ نے تبصرہ کیا۔

"شٹ اپ۔" فرید اس پر الٹ پڑا "شیلا تم کیا کہتی ہو؟"

"میں نقشہ دینے کے خلاف ہوں۔"

فرید نے شمٹ کی نظر بچا کر ماریہ کو آنکھ ماری "اور مس یعقوب آپ کی رائے کیا ہے؟"

"میں اپنے ڈیڈی کی رائے سے متفق ہوں۔"

فرید' شمٹ کی طرف مڑا "اب فیصلہ کن ووٹ میرا ہے کیونکہ تمہاری رائے کی کوئی اہمیت نہیں۔"

"میں ووٹ دوں گا۔" شمٹ نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ "اس لیے کہ میرے ووٹ وہاں موجود ہیں۔"

"تو پہلے تمہیں یہ ثابت کرنا ہو گا۔" فرید نے کہا "ممکن ہے تم بلف کر رہے ہو۔ ممکن ہے نہ کر رہے ہو' میں بہرحال تمہیں ووٹ کا حق نہیں دے سکتا۔"

"یہ پوکر سے کہیں زیادہ خطرناک کھیل ہے۔"

فرید مسکرایا "تم نے یہاں آتے ہی کہا تھا کہ تم اتفاقاً شوٹ ہونا نہیں چاہتے۔ اگر باہر تمہارے حمایتی موجود ہیں تو وہ اس ہٹ پر حملہ نہیں کر سکتے کیونکہ تم یہاں موجود ہو۔"

"یہ محض تمہارا اندازہ ہے۔"

"اور داؤ پر تمہاری زندگی لگی ہے۔" فرید نے پستول والا ہاتھ سیدھا کرتے ہوئے کہا "اگر اس ہٹ میں ایک گولی بھی داخل ہوئی تو تم زندہ نہیں رہو گے۔ اگر میں تمہیں ختم نہ کر سکا تو شیلا کر دے گی۔ ڈاکٹر نیازی کو بارھواں کھلاڑی سمجھ لو۔" وہ پراعتماد انداز میں مسکرایا۔

شمٹ نے شیلا کو دیکھا' جس کے پستول کا رخ اس کی طرف تھا۔ پھر اس نے نیازی کو دیکھا۔ نیازی نے پستول نکال لیا تھا۔ "اگر میں سگریٹ جلالوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟" شمٹ نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

فرید خاموش رہا۔شمٹ نے سگریٹ سلگالی۔ہٹ میں خاموشی تھی،چیختی ہوئی خاموشی!

☆☆☆☆

احمد سر سے پیر تک پسینے میں نہا رہا تھا۔اس نے ہتھ گاڑی کا ہینڈل بڑی مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔وہ ہتھ گاڑی کو جس رفتار سے دھکیل رہا تھا وہ اینسو کی پیدل چلنے والی آبادی کے لیے خطرناک ہوسکتا تھا۔قیصر اس کے ساتھ تھا۔وہ اس کا ساتھ دینے کے لیے تقریباً دوڑ رہا تھا۔

ایک موڑ پر احمد کو ٹریفک کی زیادتی کی وجہ سے رکنا پڑا۔

''لعنت ہو بورس آنوچ پر۔''قیصر نے کہا''خدا سب کو باتونی پولیس والوں سے محفوظ رکھے۔خدا کرے،اسے تاخیر سے ڈیوٹی پر پہنچنے کی سخت سزا ملے۔''

''اب تھوڑا ہی فاصلہ رہ گیا ہے۔''احمد نے کہا''پیپر مل یہاں سے بھی نظر آرہی ہے۔''

قیصر نے گردن گھما کر دیکھا''ہاں۔مجھے وہ منحوس بس نظر آرہی ہے۔وہ روانہ ہونے ہی والی ہے۔''اس نے کراہ کر کہا۔

''بس اسی طرف آرہی ہے؟ کیوں نہ اشارے سے رکوالیں۔''

''نہیں۔وہ تو مخالف سمت میں جارہی ہے۔''قیصر نے گھڑی میں وقت دیکھا''اور بالکل ٹھیک وقت پر چلی ہے۔یہ ہیکی ہیوی نن بہت تھڑدلا ثابت ہوا۔چاہتا تو کسی طرح بس کو ذرا دیر کرواسکتا تھا۔''

موقع ملتے ہی انہوں نے ٹریفک میں جگہ بنائی اور سڑک پار کرلی۔

''اب کیا ہوگا؟''احمد نے پوچھا۔

''پتا نہیں۔''قیصر نے بھاری آواز میں کہا''ہمیں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنا ہوگی جہاں ہم نمایاں نظر نہ آئیں۔''

''مل ہی مناسب رہے گی۔''

''نہیں،وہاں چوکیدار ہوگا۔خیر چلتے رہو،اگلے موڑ کے بعد دیکھیں گے کہ کیا کیا جائے۔''

خوش قسمتی سے آگے سڑک کے کنارے انہیں ایک کھدی ہوئی خندق مل گئی۔قیصر نے کہا''بس یہیں رک جاؤ۔یہ جگہ مناسب ہے۔''

احمد رک گیا اور اس نے ہتھ گاڑی جھکا کر کھڑی کردی''یہاں کیوں رک رہے ہو؟''اس نے پوچھا۔

''ہم جس یونیفارم میں ہیں اس کی وجہ سے ہماری یہاں غیرموجودگی موجودگی غیر فطری نہیں۔''

احمد نے ادھر ادھر دیکھا''شکر ہے،مزدور کام ختم کرکے جاچکے ہیں۔''

اب سوچو۔دیکھو کوئی زبردست آئیڈیا سوجھ جائے شاید۔''

''وہ مکان جہاں سے میں یہ ہتھ گاڑی لایا تھا،خالی پڑا ہے۔''احمد نے کہا''ہم وہاں چھپ سکتے ہیں۔''

''کل تک؟''قیصر نے کہا اور کچھ دیر سوچتا رہا۔پھر اس نے نفی میں سر ہلایا''مسئلہ یہ ہے کہ سرحد پر بس کی چیکنگ کے وقت مزدوروں کی گنتی ہوگی تو پتا چلے گا کہ دو مزدور کم ہیں۔ان کی تلاشی بھی شروع کی جاسکتی ہے۔''

احمد نے انگلیاں چٹخائیں''یہاں سے ایک ٹرین امارا جاتی ہے۔ہم اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔''

''نہیں،ناممکن۔ریلوے پولیس کی مستعدی بے مثال رہی ہے۔ایک فون کال کے نتیجے میں وہ چوکنے ہوجائیں گے۔''

''لو.....وہ تمہارے پیچھے ایک پولیس مین آرہا ہے۔''احمد نے سرگوشی میں کہا۔

قیصر نے پلٹ کر دیکھنے کی خواہش کو سختی سے کچل دیا''بورس آنوچ تو نہیں ہے نا؟''اس نے پوچھا۔

''نہیں۔''

''بس تو پائپ کا جائزہ لے کر مجھے صورت حال بتانا شروع کردو۔''

احمد نے ہدایت پر عمل کیا اور بولا''پائپ ٹوٹا ہوا نہیں ہے۔''

''دیکھو،کہیں نہ کہیں سے چٹخا ہوا ہوگا۔''قیصر نے باآواز بلند کہا۔پھر اس نے گویا آہٹ سن کر پلٹ کر دیکھا''شام بخیر کامریڈ۔''اس نے پولیس مین سے کہا۔

پولیس مین کا چہرہ بے تاثر تھا''چھٹی کے بعد بھی کام کررہے ہو؟''

''جب بھی کوئی گڑبڑ ہوتی ہے،مجھے دیر تک کام کرنا پڑتا ہے۔''قیصر نے منہ بنا کر کہا''جب کوئی کام کسی سے نہیں ہوتا تو مجھے پکڑا دیا جاتا ہے۔اب اس پائپ کا لیک کسی کو نہیں مل رہا تھا چنانچہ میری پتلی گردن میں پھندا ڈال دیا گیا۔''

پولیس مین نے گڑھے میں جھانکا''کس چیز کا پائپ ہے؟''

''پیپر مل کا ڈرینج پائپ ہے۔'' قیصر نے مل کی طرف اشارہ کیا۔ اچانک اسے ایک آئیڈیا سوجھ گیا۔ آئیڈیا اتنا اچھا تھا کہ اسے لگا' اس کا دماغ جگمگا اٹھا ہے ''میرا خیال ہے لیک مل میں ہو رہا ہے۔ مجھے وہاں جا کر دیکھنا پڑے گا۔'' وہ اٹھ کر کھڑا ہوا ''اور تم نہیں جانتے کہ رستا ہوا پانی کتنا خطرناک ہوتا ہے۔ بعض اوقات مضبوط دیواروں کو بھی لے بیٹھتا ہے اور مل میں بھاری مشینری موجود ہے۔

''ہاں۔ سنا تو یہی ہے۔ وہ مشینری فن لینڈ سے درآمد کی گئی ہے۔'' پولیس مین بولا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم روسی مشینیں کیوں استعمال نہیں کر سکتے۔'' قیصر نے بدمزگی سے کہا ''بہر حال مجھے کیا۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ ایک ذرا سا سوراخ پورے مل کو بہانے کا بہانہ بھی بن سکتا ہے۔''

''تم بہت مستعد آدمی ہو۔''

''اسی لیے تو اس مقام تک پہنچا ہوں۔'' قیصر نے فخریہ لہجے میں کہا اور انگوٹھے سے احمد کو اشارہ کیا ''اب اس لڑکے کو دیکھو' یہ سو سال میں بھی انسپکٹر نہیں بن سکتا۔ چلو بے کار آدمی۔'' وہ احمد کی طرف پلٹا ''یہ گاڑی اور اپنا بیلچہ لے کر مل کی طرف چلو۔''

وہ مل کی طرف چل دیا۔ پولیس والا اس کے ساتھ تھا۔ احمد ابھی گڑھے سے نکلنے کی تیاری کر رہا تھا۔

''تم نے ٹھیک کہا۔ یہ نوجوان لوگ بڑے ناکارہ ہیں۔'' پولیس مین نے کہا۔

''تمہارے محکمے میں بھی ہیں ایسے نمونے؟''

''ہمارے ہاں زیادہ دن نہیں چلتے ایسے لوگ۔'' پولیس مین ہنس دیا۔ ''لیکن ڈیوٹی کے دوران ایسے لوگوں سے میرا واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ میں نے پندرہ سولہ سال کے لڑکوں کو دیکھا ہے۔ انکے بال پیٹھ تک ہوتے ہیں۔ ہاتھ میں واڈکا کی بوتل ہوتی ہے۔ نجانے کیسے مل جاتی ہے انہیں۔ میں تو اپنی تنخواہ میں ان عیاشیوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔''

قیصر نے اثبات میں سر ہلایا ''ایسا ایک مسئلہ تو میرے گھر میں بھی موجود ہے' میرے بیٹے کے روپ میں۔'' اس نے کہا ''یہ نسل تو بگڑ گئی ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کامریڈ کوئی کیا کر سکتا ہے؟''

''ایک بات بتاؤں۔'' پولیس مین بولا ''اپنے بیٹے سے کہنا' میرے سامنے آنے سے بچے۔ آج کل میرا ہاتھ بہت سخت ہو رہا ہے۔''

مل کے گیٹ پر پہنچ کر وہ رکے ''ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ شاید انہیں ڈنڈے ہی کی

ضرورت ہے۔'' قیصر نے کہا۔

''بالکل۔'' پولیس مین نے زور و شور سے سر ہلایا ''اچھا کامریڈ گڈ لک!''

''ایک منٹ۔'' قیصر نے کہا ''میں سوچ رہا ہوں' ممکن ہے چوکیدار ہمیں اندر جانے کی اجازت نہ دے۔''

پولیس مین مسکرایا ''میں اس سے بات کر لیتا ہوں' پھر وہ تمہیں بالکل پریشان نہیں کرے گا۔''

پولیس مین گیٹ سے اندر چلا گیا۔ قیصر نے احمد کو دیکھ کر آنکھ دبائی ''آدمی برا نہیں ہے۔ آؤ چلیں۔''

''مجھ پر جو تبصرے کئے ان کا بہت بہت شکریہ۔'' احمد نے کہا ''اب اس نااہل اور بے کار آدمی کو ایک بات اور سمجھا دو۔ ہم اندر کیوں جا رہے ہیں؟''

''تم ہتھ گاڑی لے جا کر عارضی دفتر کے باہر کھڑی کر دینا۔ پھر جا کر چوکیدار کو باتوں میں لگانا۔ اتنی دیر میں' میں ہاتھ کی صفائی دکھاؤں گا۔''

''ہاتھ کی صفائی؟ پولیس مین کے سامنے!''

''وہ یہاں ٹکے گا نہیں' اسے اپنی ڈیوٹی دینی ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ تم نے ہاتھ کی صفائی دکھا لی پھر؟''

''پھر روسی خود ہمیں دھکے دے کر روس سے نکال دیں گے۔''

☆☆☆☆

آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں سرحدی چوکی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ قیصر نے کہا ''مجھے صرف کاغذات کی فکر تھی ورنہ روس سے نکلنا اتنا دشوار نہیں تھا۔ لیکن پروفیسر ابراہیم کے کاغذات کے ساتھ ہم روس سے نہیں نکل سکتے تھے۔ پولیس مین سے باتیں کرتے وقت مجھے مل کا خیال آیا اور اس کے ساتھ ہی ایک آئیڈیا سوجھ گیا۔ آج صبح مل کے عارضی آفس میں' میں نے مل کے اور مشینوں کے بلیو پرنٹس دیکھے تھے۔''

احمد ہتھ گاڑی کو دھکیل رہا تھا ''میں دعا ہی کر سکتا ہوں تمہاری اسکیم کے حق میں۔ ہم سرحدی چوکی کے قریب پہنچ گئے ہیں۔''

''یاد رکھنا تم روسی زبان سے نابلد ہو۔'' قیصر نے کہا ''حالانکہ روس میں کام کرنے والے فنی کی حیثیت سے یہ ایک غیر معمولی بات ہے۔''

احمد کو روسی زبان آتی تھی اور اس سے اسے خود کو نابلد قرار دینا تھا۔ اس نے چڑ کر کہا

"اس سے زیادہ غیر معمولی بات یہ ہے کہ مجھے فنی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں آتا۔"

"بس تم اپنا منہ بند رکھنا۔ اگر بولنا ضروری ہو تو سویڈش بولنا لیکن بلا ضرورت نہ بولنا۔ یہ کام مجھ پر چھوڑ دینا اور یہ دعا کرنا کہ پہرے داروں میں کوئی ریاضی یا انجینئرنگ کا سمجھنے والا نہ ہو۔"

وہ سرحدی چوکی پر پہنچے تو احمد بدستور اوور آل پہنے ہوئے تھا لیکن قیصر نے اپنی یونیفارم پر عام لباس پہن لیا تھا۔ اب وہ روسی نہیں فنی تھا' چوکی پر پہرے دار نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

"بس یہاں سے آگے نہیں جا سکتے تم۔" اس نے کہا اور فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔

قیصر نے فنی زبان میں کہا "بس ڈرائیور نے تمہیں نہیں بتایا تھا کہ ہم آئیں گے۔ بے وقوف ہمیں وہیں چھوڑ آیا۔ ہم پیپر مل سے پیدل آ رہے ہیں۔"

پہرے دار نے جو اسے فنی زبان بولتے سنا تو اس کی مسکراہٹ ہوا ہو گئی "تم لوگ کہاں سے ٹپک پڑے۔" اس نے اس بار بھی روسی میں کہا۔

"میں روسی زبان نہیں سمجھتا۔" قیصر نے کہا "کیا تمہیں فنی زبان نہیں آتی؟"

"سارجنٹ!" پہرے دار نے پکارا۔

گارڈ ہاؤس سے ایک سارجنٹ اپنی بیلٹ کستا ہوا آیا "کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔

"یہ فنی اپنی طرف سے آ رہے ہیں۔"

"اوہو!" سارجنٹ نے آگے بڑھ کر کڑی نظروں سے ان دونوں کو سرتاپا دیکھا۔ پھر اس کی نگاہیں چند لمحے ہتھ گاڑی پر ٹکیں۔ اس نے ٹوٹی پھوٹی فنی میں پوچھا "کہاں سے آئے ہو تم لوگ؟"

"پیپر مل سے۔" قیصر نے آہستہ سے کہا "بس ڈرائیور ہمیں چھوڑ آیا تھا۔" اس نے ہتھ گاڑی کی طرف اشارہ کیا "ہمیں یہ کاغذات مل سے اٹھا کر امائرا میں اپنے باس کو پہنچانے تھے۔ انہیں جمع کرنے میں دیر لگ گئی۔ ہم باہر نکلے تو بس جا چکی تھی۔"

"کیسے کاغذات؟"

"مشینوں کی ڈرائنگز اور اعداد و شمار ہیں۔ آپ خود دیکھ لیں۔" قیصر نے گاڑی پر پڑا ہوا کپڑا ہٹایا اور اوپر رکھا ہوا کاغذ سارجنٹ کی طرف بڑھایا۔ وہ بلیو پرنٹ تھا "یہ ڈرائنگ ہے۔" اس نے بتایا۔

سارجنٹ چھوٹی چھوٹی بے شمار لکیروں کو دیکھ کر الجھتا رہا۔ پھر اس نے شک آمیز لہجے

میں پوچھا "تم انہیں امائرا کیوں لے جا رہے ہو؟"

"ردوبدل کے لیے۔ ایسا اکثر ہوتا رہتا ہے۔ جب بھی کوئی پیچیدہ مشین بنائی جاتی ہے تو اس کی فٹنگ میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ کبھی کسی ڈرافٹس مین سے غلطی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ڈرائنگ میں تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں۔"

سارجنٹ نے سر اٹھا کر پہلے قیصر کو اور پھر دوبارہ ڈرافٹس مین کو دیکھا "میں کیسے مان لوں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو درست ہے۔ میں تو مشینری کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"دیکھیں' نیچے دائیں جانب والے کونے میں ہماری کمپنی کا نام ہے اور ڈرائنگ کی تفصیل بھی ہے۔ اتنی فنی تو پڑھ سکتے ہیں آپ؟"

سارجنٹ نے کوئی جواب نہیں دیا اور بلیو پرنٹ قیصر کو واپس کر دیا "یہ سب ایسے ہیں؟" اس کا لہجہ اب بھی شک آمیز تھا۔ "آپ خود دیکھ لیں۔" قیصر نے فراخ دلی سے کہا۔

سارجنٹ نے جھک کر ہتھ گاڑی کو ٹٹولا۔ وہ اٹھا تو اس کے ہاتھ میں سخت جلد والی کتاب تھی۔ اس نے اسے کھولا اور اس میں درج حسابی مساواتوں پر نظر ڈالی "اور یہ کیا ہے؟" اس نے قیصر سے پوچھا۔

"دیکھے بغیر میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" قیصر نے کہا "اس کا تعلق کیمسٹری سے بھی ہو سکتا ہے اور میکانکس سے بھی۔" اس نے جھک کر اس صفحے کو دیکھا جسے سارجنٹ دیکھ رہا تھا "ہاں' یہ رولر اسپیڈ کے اعداد و شمار ہیں۔ یہ جدید ترین مشین ہے اور خاصی پیچیدہ ہے۔ آپ کو معلوم ہے کاغذ بن کر نکلتا ہے تو اس کی رفتار ۷۰ کلومیٹر فی گھنٹا ہوتی ہے۔ اس رفتار پر کام کرتے ہوئے ہر چیز کی درستی کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔"

سارجنٹ نے صفحے پلٹ کر دیکھے۔ پھر کتاب کو گاڑی میں ڈال دیا "اور کیمسٹری کا ان معاملات میں کیا تعلق ہے؟" اس نے معترضانہ لہجے میں کہا۔

"کاغذ سازی صرف میکینکل ہی نہیں کیمیکل عمل بھی ہے۔ اس عمل میں سلفیٹ' سلفائٹ اور چکنی مٹی استعمال ہوتی ہے۔ مختلف اقسام کے کاغذ بنانے کے لیے مختلف فارمولوں پر عمل کیا جاتا ہے۔ میں ابھی آپ کو سمجھاتا ہوں۔ اس نے ہتھ گاڑی میں سے کچھ کاغذ نکالے "یہ دیکھیے' یہ خوشبودار ٹشو پیپر بنانے کا فارمولا ہے اور یہ نیوز پرنٹ کا ہے۔"

سارجنٹ نے بے زاری سے کاغذ ایک طرف ہٹا دیے۔ "سوری' میں اتنا بااختیار نہیں کہ تمہیں سرحد پار کرنے کی اجازت دے سکوں۔ مجھے کیپٹن سے بات کرنا ہوگی۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ آپ نے بس میں آتے وقت ۳۶ مزدور گنے تھے۔ جاتے وقت ۳۴ مزدور گنے ہوں گے۔ سامنے کی بات ہے۔"

سارجنٹ جاتے جاتے رک گیا۔ اس نے آہستگی سے پلٹ کر پہرے دار کی طرف دیکھا۔ پہرے دار نے بے بسی سے کندھے جھٹک دئے۔

"کیوں بھئی؟" سارجنٹ نے سرد لہجے میں پوچھا۔

بے چارے گارڈ کے ستارے ہی گردش میں آ گئے تھے "جی' میں نے ابھی رجسٹر میں اندراج نہیں کیا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"آج شام کتنے مزدور باہر گئے تھے۔؟"

"۳۴ مزدور اور ایک ڈرائیور۔"

"اور صبح آئے کتنے تھے؟"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔ صبح میری ڈیوٹی نہیں تھی۔"

"تمہیں نہیں معلوم۔" سارجنٹ کا لہجہ بے حد خراب تھا۔ "پھر گنتی کا فائدہ؟" اس نے گہری سانس لی اور بے حد سرد لہجے میں کہا "رجسٹر لا کر دکھاؤ مجھے۔"

گارڈ تیزی سے گارڈ ہاؤس کی طرف لپکا۔ کوئی پندرہ منٹ بعد وہ آیا اور رجسٹر سارجنٹ کی طرف بڑھایا۔ سارجنٹ نے رجسٹر کا جائزہ لیا اور گارڈ کو ایسی نظروں سے دیکھا کہ اس بے چارے کی رگوں میں خون منجمد ہو گیا ہو گا۔

"۳۶ مزدور آئے تھے۔" اس نے نرم لہجے میں کہا "اور تمہیں معلوم نہیں۔"

بدقسمت گارڈ نے چپ رہنے ہی میں عافیت جانی۔

سارجنٹ نے گھڑی دیکھی "اور بس یہاں سے گئی کب؟" اس نے پوچھا۔

"کوئی ۴۵ منٹ پہلے۔"

"تمہیں درست وقت بھی معلوم نہیں۔" سارجنٹ نے دہاڑ کر کہا۔ پھر اس نے رجسٹر کا اس روز کا صفحہ تھپتھپایا "تمہیں اس کا اندراج کرنا چاہیے تھا اس میں۔" اس کے جبڑے بھنچ گئے۔

"غضب خدا کا! دو غیر ملکی ۴۵ منٹ تک ہمارے علاقے میں گھومتے رہے اور ہمیں علم تک نہیں۔ کیا یہ اطلاع میں کیپٹن کو پہنچاؤں؟" اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔

گارڈ خاموش کھڑا رہا۔

"بولو۔ جواب دو۔" سارجنٹ پھر دہاڑا۔

"مم.....میں.....میں کک.....کیا....." گارڈ ہکلایا۔

"تمہیں کچھ بھی معلوم نہیں مگر میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ اگر میں کیپٹن کو یہ بات بتا دوں تو میرا......" سارجنٹ نے اپنا سینہ پیٹ ڈالا "میرا کیا حشر ہو گا جانتے ہو؟ ایک ہفتے کے اندر اندر میں چینی سرحد پر ڈیوٹی دیتا نظر آؤں گا۔ ہو گا تو تمہارا بھی یہی حشر مگر میں تو تمہارے اس انجام پر خوش بھی نہیں ہو سکوں گا۔"

قیصر بے تعلق کھڑا رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیونکہ سارجنٹ اور گارڈ کی دانست میں وہ روسی زبان سے نابلد تھے۔ اس نے احمد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوتے دیکھی تو اس کی پنڈلی پر ٹھوکر رسید کر دی۔ احمد سنجیدہ ہو گیا۔

"سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔" سارجنٹ دہاڑا۔

گارڈ بالکل الف ہو گیا۔

سارجنٹ آگے بڑھا۔ اب اس کی اور گارڈ کی ناک کے درمیان صرف چھ انچ کا فاصلہ تھا "مجھے چینی سرحد پر ڈیوٹی دینے کی سزا منظور نہیں۔" سارجنٹ نے کہا "لیکن یقین رکھو ایک ہفتے کے اندر اندر تم یہ خواہش کرتے نظر آؤ گے کہ کاش تم چینی سرحد پر ہی ہوتے۔ میں تمہاری زندگی حرام کر دوں گا۔" وہ پیچھے ہٹا۔ "جب تک میں نہ کہوں یہاں سے نہ ہلنا۔" اس نے گارڈ کو حکم دیا اور قیصر کی طرف متوجہ ہوا "تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے فنی میں پوچھا۔

"رونومینسپا اور اس کا سیمو ویلنگ۔" قیصر نے احمد کی طرف اشارہ کیا۔

تمہارے پاس؟"

قیصر اور احمد نے اپنے پاس اس کی طرف بڑھا دئے' سارجنٹ نے انہیں بغور دیکھا اور واپس کر دیا "کل صبح یہاں آؤ تو مجھے رپورٹ کرنا۔ صرف مجھے اور کسی کو نہیں۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے جناب۔" قیصر نے کہا "اب ہم جا سکتے ہیں؟"

"ہاں۔ تم جا سکتے ہو۔" سارجنٹ نے تھکے تھکے لہجے میں کہا' پھر وہ پلٹ کر بدقسمت گارڈ پر دہاڑا۔ "اب تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟ اپنے ٹخنوں کے درمیان گھاس اگنے کا! ہٹاؤ یہ رکاوٹ۔"

گارڈ کے بدن میں گویا بجلی بھر گئی۔ اس نے جلدی سے رکاوٹ ہٹائی' احمد ہتھ گاڑی کو دھکیلتا ہوا دوسری طرف لے گیا۔ قیصر اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ دونوں نے یوں سانس لی جیسے دوسری

طرف کوئی اور ہوا چل رہی ہو۔

☆☆☆☆

شمٹ نے گھڑی میں وقت دیکھا ''اب صرف ایک منٹ رہ گیا ہے۔'' اس نے سگریٹ کا ٹوٹا فرش پر پھینکا اور اسے جوتے سے مسل ڈالا۔

''ہم انتظار کریں گے۔'' فرید نے کہا ''ڈاکٹر یعقوب، تم ذرا کھڑکی سے دیکھو۔ باہر کوئی ہے یا نہیں۔''

ذیشان نے کھڑکی سے دیکھا۔ کہیں کوئی متحرک نہیں تھا ''مجھے تو کچھ نظر نہیں آیا۔'' اس نے کہا۔

ڈاکٹر نیازی عقبی کھڑکی سے باہر کا جائزہ لے رہا تھا ''اِدھر بھی سناٹا ہے۔'' اس نے اطلاع دی۔

''تم ہمیں بے وقوف بنا رہے ہو۔'' فرید نے شمٹ سے کہا۔ ''اگر باہر صرف ایک آدمی ہوا تو یہ تمہارے لیے ایک سنگین مذاق کے مترادف ہوگا۔''

''انتظار کرو۔'' شمٹ نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

ذیشان کو دلدل کے کنارے والی جھاڑیوں میں نقل و حرکت سی محسوس ہوئی ''کچھ ہے تو۔'' اس نے کہا ''ہاں کوئی ہے۔ ایک آدمی۔ وہ.....''

ایک زبردست دھماکے نے اسے بات پوری نہ کرنے دی۔ ہٹ کے سامنے کی زمین لرز اٹھی۔ زمین سے ایک پتھر اڑا اور اس کھڑکی کے شیشہ سے ٹکرایا جس میں ذیشان کھڑا تھا۔ ذیشان تیزی سے جھکا۔ کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ گیا۔

اب ہر طرف خاموشی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

فرید نے گہری سانس لی ''آٹومیٹک اسلحہ۔ تعداد میں کم از کم تین۔'' وہ بڑبڑایا۔

''گنیں پانچ ہیں اور آدمی سات۔'' شمٹ نے تصحیح کی ''مجھے ملا کر آٹھ۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا ''یہ تو تھا میرا فیصلہ کن ووٹ۔''

فرید نے اپنا پستول میز پر رکھ دیا۔

''مجھے یقین تھا کہ تم سمجھ داری سے کام لوگے۔'' شمٹ نے ستائشی لہجے میں کہا ''اب بتاؤ، نقشہ کہاں ہے؟ نقشہ یا جو کچھ بھی ہے۔''

''دے دو۔'' فرید نے ذیشان سے کہا۔

ذیشان نے جیب سے مڑا تڑا کاغذ نکال کر شمٹ کی طرف بڑھا دیا۔ شمٹ نے اسے کھولا اور بڑی دلچسپی سے اسے دیکھا۔ پھر اس نے حیران لہجے میں کہا ''بس صرف یہی ہے؟''

''ہاں۔ صرف یہی ہے۔'' ذیشان نے کہا۔

شمٹ نے بعض الفاظ اور اشاروں کا مطلب پوچھا۔ ذیشان نے جو کچھ قیصر سے سنا تھا اسے بتا دیا۔

''یہ تو کچھ بھی نہیں۔'' شمٹ نے مایوسی سے کہا ''اور یہ بھی فوٹو کاپی ہے۔''

''اصل نقشہ تو کیون میں ہی چھین لیا گیا تھا۔'' فرید نے کہا۔ ''اور انعام کے طور پر ڈاکٹر یعقوب کے سر کو ایک گومڑ عطا کیا گیا تھا۔ تو وہ تم نہیں تھے؟''

''میں ہوتا تو یہاں کیوں آتا۔'' شمٹ نے برا مان کر کہا ''وہ امریکی ہوں گے۔''

''میرے خیال میں ایسا نہیں ہے۔''

''یقیناً یہی بات ہے۔ اسی لیے وہ یہاں موجود نہیں ہیں۔ اس کا مطلب ہے وہ کینو میں ہوں گے اور ڈاکٹر یاکب کی طرح......'' شمٹ نے ذیشان کی طرف اشارہ کیا ''تھیوڈولائٹ کی مدد سے زاویوں کی پیمائش کر رہے ہوں گے۔''

''ممکن ہے۔'' فرید نے بے نیازی سے کہا۔

''یہ نقشے میں نیچر پارک لکھا ہے۔ نیچر پارک کا نام بھی لکھا جا سکتا تھا۔'' شمٹ نے نقشہ دیکھتے ہوئے اعتراض کیا۔

''کیوں لکھ دیا جاتا۔ یہ نقشہ تو پروفیسر ابراہیم نے محض حافظے کی مدد کے لیے ترتیب دیا ہوگا۔ ورنہ وہ تو جانتے تھے نا کہ کاغذات کہاں دفن ہیں۔'' فرید نے کہا ''یہ زاویے انہوں نے اس لیے نوٹ کیے کہ یہ تمام علاقے اک دوسرے سے بہت ملتے جلتے ہیں۔'' وہ مسکرایا ''اس نقشے کی مدد سے کاغذات تلاش کرنا کارے دارد ہے، خاص طور پر اس صورت میں کہ مداخلت کرنے والے بھی موجود ہوں۔''

شمٹ نے نقشہ تہ کر کے جیب میں رکھ لیا ''تھیوڈولائٹ کہاں ہے تمہارا؟''

''وہ کونے میں رکھا ہے۔''

''میں اسے مستعار لے سکتا ہوں؟'' شمٹ نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

''لے لو۔ ہم دوسرا لے لیں گے۔''

شمٹ اٹھا، دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ کھولا۔ اس نے چیکوسلواکی زبان میں

چیخ کر کچھ کہا۔ پھر وہ ہٹ میں واپس آیا ''تم لوگ اپنا اسلحہ میز پر رکھ دو۔''

فرید ہچکچایا' پھر اس نے کہا ''اپنے اپنے ریوالور میرے ریوالور کے ساتھ رکھ دو۔'' وہ اپنے ساتھیوں سے مخاطب تھا۔

''تم سمجھ دار ثابت ہوئے ہو۔'' شمٹ نے توصیفی لہجے میں کہا ''فائرنگ کے متحمل نہ تم ہو سکتے ہو اور نہ ہم ہو سکتے ہیں۔ دیکھو نا' کوئی مر بھی سکتا ہے۔'' اس نے قہقہہ لگایا ''اسلحہ صرف میرے پاس ہوگا تو دونوں پارٹیاں محفوظ ہوں گی۔''

شیلا نے ہچکچاتے ہوئے اپنا ریوالور میز پر رکھ دیا۔ ڈاکٹر نیازی نے بھی اسکی تقلید کی۔

دروازہ کھلا اور ایک شخص اندر آیا۔ اس وقت میز پر پانچ ریوالور پڑے تھے۔ نووارد کے پاس آٹومیٹک رائفل تھی۔ شمٹ نے دیکھا کہ فرید رائفل کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا ہے۔ وہ ہنس دیا ''یہ تم لوگوں کا ناٹو کا اسلحہ ہے جو ہم نے مستعار لیا ہے۔ برا نہیں ہے۔'' وہ بولا۔ پھر اس نے سامان کے تھیلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے کچھ کہا۔ پھر اس نے پانچوں پستول اٹھائے۔ تین جیب میں رکھ لیے اور دو اس کے ہاتھوں میں رہے۔

''تم نے مداخلت کی بات کی تھی۔'' شمٹ نے فرید کو مخاطب کیا ''اب کم از کم مداخلت نہیں کرو گے۔ تم اس ٹورنامنٹ کے پہلے راؤنڈ میں کٹ چکے ہو۔''

شمٹ کا ساتھی سامان کے تھیلوں کی تلاشی لے رہا تھا۔ اچانک اس کے منہ سے ہلکی سی حیرت بھری چیخ نکلی۔ اسے فرید کی پرزوں والی رائفل مل گئی تھی۔ شمٹ مسکرایا ''تم بہرحال امید کی ڈوری تھامے رہتے ہو۔'' اس نے فرید سے کہا ''مگر میرے لیے یہ بات خلاف توقع نہیں۔ خیر' تم لوگ اس ہٹ تک محدود رہو گے۔ باہر نکلنے کی کوشش کی تو گولیاں تمہارا جسم چھید دیں گی۔''

''کتنی دیر؟'' فرید نے پوچھا۔

''جب تک میرے خیال میں ضروری ہوا۔''

شیلا جلدی سے بولی ''ہمیں پانی کی ضرورت تو پڑے گی۔''

شمٹ نے اسے بڑے غور سے دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔ ''میں برا انسان نہیں ہوں۔ تم اور تم....'' اس نے نیازی اور ذیشان کی طرف اشارہ کیا ''تم دونوں ابھی پانی لاؤ گے' باقی لوگ ہٹ میں ہی رہیں گے۔''

ذیشان نے دونوں خالی بالٹیاں اٹھالیں۔ نیازی نے کہا ''میں کچھ اور برتن لے لیتا ہوں' دو بالٹیوں سے تو کام نہیں چلے گا۔''

شمٹ کے ساتھی نے اپنی رائفل کندھے سے لٹکائی' فرید کی رائفل' تھیوڈولائٹ اور تپائی اٹھائی اور ہٹ سے نکل گیا۔ اس کے پیچھے نیازی' ذیشان اور شمٹ نکلے۔ شمٹ کے دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

فرید نے انہیں دلدل کی سمت جاتے دیکھا اور شیلا کو دیکھتے ہوئے آنکھ دبا کر مسکرایا ''لگتا ہے جب بات بن گئی۔ اب کئی ہفتوں تک فن لینڈ کے نیچر پارکس میں چیکوسلوکین تھیوڈولائٹس لئے پھرتے نظر آئیں گے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ فنی مشکوک ہو جائیں گے۔''

ذیشان دلدل کی طرف بڑھتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے پیچھے آنے والے کے دونوں ہاتھوں میں ریوالور ہیں۔ پانی کے پاس پہنچ کر اس نے جھک کر بالٹیاں بھریں۔ شمٹ نے ایک ایک کر کے دونوں ریوالور دور دلدل میں پھینک دئے۔ اب وہ کسی کام کے نہیں رہے تھے۔

''ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ کب باہر آنا محفوظ ہے؟'' ذیشان نے سیدھا ہوتے ہوئے پوچھا۔

''یہ تو تمہیں پتا نہیں چل سکتا۔'' شمٹ کے لہجے میں سفا کی تھی ''یہ تمہیں خود معلوم کرنا ہوگا خطرہ مول لے کر۔''

ذیشان نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر نیازی کو دیکھا۔ نیاری نے کندھے جھٹک دئے

''چلو ہٹ کی طرف۔'' نیازی نے کہا۔

شمٹ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے انہیں ہٹ کی طرف جاتے دیکھتا رہا۔ ہٹ کا دروازہ بند ہونے کے بعد اس نے اپنے ساتھی کو کچھ ہدایات دیں اور اسی طرف چل دیا جہاں سے آیا تھا۔

☆☆☆☆

وہ سب اس قید بے مشقت کی وجہ سے چڑ چڑے ہو رہے تھے۔ دو گھنٹے گزرے ہوں گے کہ فرید نے کہا ''ہمیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا۔ میں صرف اپنا جوتا باہر نکال کر دیکھتا ہوں۔''

''احتیاط سے'' نیازی نے کہا ''میں غلطی پر تھا۔ شمٹ بلف کرنے والا آدمی نہیں۔''

''لیکن وہ اپنے آدمی یہاں ہمیشہ کے لیے تو نہیں چھوڑ سکتا۔'' فرید نے چڑ چڑے پن سے کہا ''اور اگر باہر کوئی موجود ہی نہیں ہوا تو ہم عمر بھر اپنی بے وقوفی پر کڑھتے رہیں گے۔''

اس نے دروازہ کھولا۔ محض ایک قدم ہی بڑھایا تھا کہ ایک رائفل گرجی۔ گولی اس کے سر سے بمشکل چھ انچ اوپر سے گزری ہوگی۔ وہ تیزی سے پلٹا اور اندر آ کے دروازہ بند کر دیا۔

''تمہارا اندازہ کیا ہے۔ باہر کتنے آدمی موجود ہیں؟'' نیازی نے پوچھا۔

"مجھے کیا معلوم۔" فرید نے بھنا کر کہا۔

"جس نے یہ فائر کیا' اسے میں نے دیکھا تھا۔" کھڑکی میں کھڑے ہوئے ذیشان نے کہا" وہ جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہے۔" وہ فرید کی طرف مڑا" اس نے ختم کرنے کی غرض سے فائر نہیں کیا۔ یہ محض وارننگ تھی۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو' گولی میرے سر کو چھوتی ہوئی گزری ہے۔"

"اس کے پاس آٹومیٹک رائفل تھی۔ وہ چاہتا تو تمہارے جسم میں دو چھید ہو سکتے تھے۔"

فرید کو پہلی بار ذیشان کی اس اہلیت سے سابقہ پڑا تھا جس کے کب سے چرچے ہو رہے تھے' جسے قیصر بھگتتا آیا تھا۔ فرید نے ہچکچاتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی" میرا خیال ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

"اور جہاں تک ان کی تعداد کا تعلق ہے' اس کا اندازہ لگانا بھی کچھ دشوار نہیں۔" ذیشان نے کہا" صرف دو آدمی کافی ہیں۔ ایک سامنے اور دوسرا عقب میں۔ پھر یہ بھی ہے کہ شمٹ ہمیں یہاں کتنے عرصے قید رکھنا چاہتا ہے۔ اگر یہ عرصہ ۲۴ گھنٹے سے زیادہ ہے تو اس نے دو سے زیادہ آدمی چھوڑے ہوں گے تاکہ وہ نیند بھی لے سکیں۔"

"لہٰذا ہم رات کے وقت بھی نہیں نکل سکتے۔" نیازی نے کہا۔

"چنانچہ ہمیں پرسکون ہو جانا چاہئے۔" ذیشان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور کھڑکی سے ہٹ آیا۔

"تو تم سارا حساب کتاب لگا چکے ہو۔" فرید نے کہا۔

ذیشان مسکرایا" تمہیں اس میں کچھ اضافہ کرنا ہو تو بتاؤ۔"

"نہیں" فرید نے تپ کر کہا۔ وہ شیلا کے پاس جا کر سرگوشیوں میں اس سے باتیں کرنے لگا۔

نیازی' ذیشان کے پاس چلا آیا" تو ہم یہاں پھنس چکے ہیں؟"

"لیکن جب تک کوئی حماقت نہیں کرتے محفوظ ہیں۔" ذیشان نے سکون سے کہا۔ اس نے سومپیو کے نیچر پارک کا نقشہ کھولا اور اس میں محو ہو گیا۔

"تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟" نیازی نے اس سے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہوں۔ کیوں؟"

"میرا خیال ہے اب تمہیں علاج کی ضرورت نہیں۔ یادداشت کا کیا حال ہے؟"

وقتاً فوقتاً چھوٹی چھوٹی باتیں یاد آتی رہتی ہیں' کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں کوئی تصویری معما حل کر رہا ہوں۔"

"میں تمہارے نجی معاملات میں تجسس نہیں کرنا چاہتا۔" ڈاکٹر نیازی نے کہا" مگر یہ بتاؤ' تمہیں اپنی بیوی یاد ہے؟"

"ہاں۔ خوب یاد ہے۔"

"تم جانتے ہو وہ مر چکی ہے۔ کچھ اس بارے میں یاد ہے۔"

ذیشان نے نقشہ ایک طرف ہٹایا اور گہری سانس لی" مجھے کار کا وہ منحوس حادثہ یاد ہے۔"

"اس کے بارے میں کیا محسوس کرتے ہو؟"

"تم مجھ سے کن محسوسات کی توقع رکھتے ہو۔" ذیشان نے تند لہجے میں کہا۔" تاسف' پچھتاوا' برہمی! لیکن کوئی شخص مسلسل تین سال تک یہ محسوسات قائم نہیں رکھ سکتا۔ البتہ میں ثمینہ کی کمی ہمیشہ محسوس کروں گا۔ وہ اچھی بیوی تھی۔"

"تاسف' پچھتاوا اور برہمی۔" ڈاکٹر نیازی نے پرخیال لہجے میں دہرایا۔" یہ سب نارمل جذبے ہیں۔" وہ سوچ رہا تھا' انسانی ذہن بھی کیسی عجیب' ناقابل فہم اور پراسرار چیز ہے۔ ذیشان نے ازخود اپنے احساس جرم کو مسترد کر دیا ہے جو طویل عرصے سے اس کی نفسیات کا لازمہ بن کر رہ گیا تھا۔ غلط طور پر! نیازی سوچ رہا تھا' ذیشان کے حوالے سے اس موضوع پر ایک پرمغز مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔

"ڈاکٹر میں نہیں چاہتا کہ تم میرے علاج سے دستبردار ہو جاؤ۔" ذیشان نے اسے چونکا دیا۔

"کیوں کوئی گڑبڑ ہے؟"

"نہیں۔ میری بات نہیں' میں ماریہ کی طرف سے فکرمند ہوں۔" ذیشان نے ماریہ کی طرف دیکھا جو دونوں ہاتھ اپنے سر کے نیچے تکیے کی طرح رکھے دیواری بستر پر لیٹی چھت کو گھور رہی تھی" وہ مجھ سے گریزاں ہے۔ بات ہی نہیں کرتی۔ جہاں میں ہوں اس طرف آنے سے بچتی ہے۔ اب تو یہ چیز نمایاں ہو چکی ہے۔"

نیازی نے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور سگریٹوں کا جائزہ لیا" اب مجھے ان کا راشن کرنا ہوگا۔" اس نے اداسی سے کہا" ماریہ کے بارے میں' میں بھی سوچتا رہا ہوں' وہ تنہائی پسند ہو گئی ہے لیکن اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں۔ وہ بہرحال ایک مسئلے سے دوچار ہے۔"

"کیا مسئلہ ہے؟"

نیازی نے سگریٹ سلگائی "ذاتی مسئلہ ہے۔اس نے مجھ سے اس سلسلے میں بات کی تھی۔ معمے کی شکل میں، ڈھکے چھپے لفظوں میں! یہ بھی طے ہے کہ وہ اسے حل بھی کر لے گی۔" وہ انگلیوں سے میز پر طبلہ بجانے لگا "تمہارا کیا خیال ہے اس کے متعلق؟"

"وہ بہت اچھی ہے، اگرچہ کچھ الجھی ہوئی ہے۔لیکن اس کی پرورش ہی ایسے حالات اور ماحول میں ہوئی ہے۔میرا خیال ہے مسئلہ اس کے باپ کے متعلق ہوگا۔"

"ایک اعتبار سے یہ کہا جاسکتا ہے۔" ڈاکٹر نیازی نے کہا۔"ایک بات بتاؤ تمہاری اور تمہاری بیوی کی عمر میں کتنا فرق تھا؟"

"دس سال۔لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔مگر اس طرح بات آسان ہو جائے گی۔تمہاری بیوی تم سے کافی چھوٹی تھی اور ماضی میں تم نے داڑھی بھی رکھی ہوئی تھی؟"

"ہاں۔لیکن مطلب کیا ہے تمہارا؟"

"اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو پھر داڑھی چھوڑ دیتا۔" نیازی نے ناصحانہ انداز میں کہا "جو چہرہ اس وقت تمہارے پاس ہے وہ اسے الجھا دیتا ہے۔اسے کسی گھنی جھاڑی کے پیچھے چھپا دینا بہتر رہے گا۔"

ذیشان کا منہ حیرت سے کھل گیا "تمہارا مطلب ہے، ماریہ نے اس سلسلے میں.....لیکن نہیں، وہ ایسا نہیں کہہ سکتی۔یہ ناممکن ہے۔" وہ گڑبڑایا ہوا تھا۔

"تم بہت بے وقوف ہو۔" ڈاکٹر نیازی نے آہستہ سے کہا "وہ ذیشان کی محبت میں گرفتار ہے لیکن ذیشان کے پاس چہرہ یعقوب سعید کا ہے۔اس کے باپ کا چہرہ۔یہ سچویشن تو دنیا کی کسی بھی لڑکی کو پاگل کر سکتی ہے۔لہٰذا تمہیں اس سلسلے میں کچھ کرنا چاہیے۔اس سے بات کرو، مگر تیز رفتاری نہ دکھانا۔" نیازی اٹھ کر فرید اور شیلا کی طرف چلا گیا۔

ذیشان عجیب سی نظروں سے ماریہ کو دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆☆

فرید نے سب کی گھڑیاں ملوائیں "یہ بات نہیں کہ کچھ ہونے کی توقع ہو۔" اس نے کہا "لیکن ہمیں الرٹ رہنا چاہیے۔میرا سب کے لیے مشورہ ہے کہ سو جائیں۔" خود اپنے مشورے پر عمل کرتے ہوئے وہ بستر پر دراز ہو گیا۔

نیازی اسٹور روم میں چلا گیا۔ذیشان سومپیو نیچر پارک کے نقشے میں کھو گیا۔اسٹور روم سے کھٹر پٹر کی آوازیں آ رہی تھیں۔نیازی لکڑی کے بکسے ادھر ادھر کر رہا تھا۔شیلا کھڑکی کے پاس کھڑی اپنی دانست میں پہرہ دے رہی تھی۔ماریہ اس کے پاس کھڑی اس سے سرگوشی میں باتیں کر رہی تھی۔

وہ گھنٹے بعد نیازی اسٹور روم سے برآمد ہوا۔اس کا انداز فاتحانہ تھا۔ہاتھ میں ایک ڈبا تھا جو ایک گیلن پینٹ کا معلوم ہوتا تھا "مل گیا مجھے۔" اس نے نعرہ لگایا۔

"کیا مل گیا؟" ذیشان نے پوچھا۔

نیازی نے ڈبا میز پر رکھ دیا "پاؤڈر" اس نے ڈبا کھولتے ہوئے کہا "آؤ خود دیکھ لو۔"

ذیشان نے ڈبے میں جھانکا۔وہ سیاہ پاؤڈر تھا "تو پھر؟"

"اب ہم کشتی والی گن استعمال کر سکتے ہیں۔مجھے کچھ کارتوس بھی ملے ہیں۔"

فرید کی پلکیں پھڑپھڑائیں اور اگلے ہی لمحے وہ اٹھ بیٹھا "کیسی گن؟"

"شکاری کشتی والی گن جس کے بارے میں، میں نے تمہیں بتایا تھا۔" ذیشان نے کہا "اس وقت تم نے اس میں دلچسپی ہی نہیں لی تھی۔"

"اس وقت ہم مسلح تھے۔" فرید نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔"کیسی گن ہے وہ۔شاٹ گن ہے؟"

"ہاں کہہ سکتے ہو۔" نیازی نے کہا۔ذیشان مسکرایا۔

"بہتر ہے کہ میں اسے دیکھ لوں۔" فرید نے اٹھتے ہوئے کہا "وہ ہے کہاں؟"

اس وقت ذیشان کو پتا چلا کہ نیازی گن اٹھا کر ہٹ میں لے آیا تھا "چلو، میں تمہیں دکھاتا ہوں۔" نیازی نے کہا اور فرید کو اسٹور میں لے گیا۔

ذیشان کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔باہر کے منظر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔وہ آہ بھر کے رہ گیا۔

"کیا بات ہے؟ بور ہو رہے ہو؟" شیلا نے پوچھا۔

"سوچ رہا ہوں کہ کیا نگرانی کرنے والے اب بھی موجود ہیں؟"

"یہ معلوم کرنے کی ایک ہی صورت ہے۔باہر نکل کر دیکھو۔"

"ہم میں سے کسی نہ کسی کو تو یہ کرنا ہی ہوگا۔جلد یا بدیر۔میرا خیال ہے میں تجربہ کرتا ہوں۔فرید کی پچھلی کوشش کو تین گھنٹے ہو چکے ہیں۔"

’’نہیں۔‘‘ ماریہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ پھر اس نے بلا ارادہ کہا ’’کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کام ان کے لیے رہنے دو جن کی یہ ذمے داری ہے۔‘‘

شیلا مسکرائی ’’تمہارا اشارہ میری طرف ہے؟ میں تیار ہوں۔‘‘

’’ایک دوسرے سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔‘‘ ذیشان نے کہا۔ ’’پھنسے ہوئے تو ہم سبھی ہیں نا اور پھر یہاں بوریت کا یہ واحد علاج ہے۔ شیلا‘ تم جھاڑیوں پر نظر رکھنا۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔‘‘ شیلا بولی۔

ذیشان دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ماریہ گونگوں کی طرح بے بسی سے اسے دیکھتی رہی۔ ذیشان نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور ایک منٹ تک منتظر کھڑا رہا۔ پھر وہ دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھائے ہوئے باہر نکلا۔ مزید ایک منٹ تک وہ ساکت و صامت کھڑا رہا۔ کچھ نہیں ہوا تو وہ اسی پوزیشن میں ایک قدم آگے بڑھا۔

شیلا چیخی۔ اور اس کے ساتھ ہی ذیشان کو جھاڑیاں حرکت کرتی نظر آئیں۔ پھر رائفل گرجی۔ گولی اس کے سر کے اوپر سے گزری۔ وہ بڑی احتیاط سے الٹے پیروں ہٹ میں واپس آ گیا۔

وہ دروازہ بند کر رہا تھا کہ فرید اسٹور سے گھبرایا ہوا نکلا ’’کیا ہوا؟‘‘

’’کچھ نہیں۔ میں ذرا درجہ حرارت چیک کر رہا تھا۔‘‘ ذیشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’میری غیر موجودگی میں ایسا کبھی نہ کرنا۔‘‘ فرید نے کہا اور کھڑکی کی طرف بڑھ گیا ’’تو وہ اب بھی موجود ہیں۔‘‘

ذیشان‘ ماریہ کو دیکھ کر مسکرایا ’’فکر کی کوئی بات نہیں۔‘‘ اس نے اسے تسلی دی ’’وہ محض ہمیں ہٹ کے اندر دیکھنا چاہتے ہیں۔‘‘

ماریہ نے منہ پھیر لیا۔ کوئی جواب نہیں دیا۔

ذیشان نے فرید کو مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھا ’’گن کے متعلق کیا خیال ہے؟‘‘

’’فرید کے نزدیک وہ بے وقعت ہے۔‘‘ ڈاکٹر نیازی نے بتایا۔

’’او بھائی‘ وہ کوئی شاٹ گن تو نہیں ہے نا۔‘‘ فرید نے کہا ’’وہ تو چھوٹی موٹی توپ ہے۔ اگر اسے اٹھا بھی لیا جائے تو اس سے فائر نہیں کیا جا سکتا۔ کندھا ٹوٹ جائے گا تمہارا۔ وہ ہمارے کسی کام کی نہیں۔‘‘

’’وہ لہرانے اور دھمکانے کی چیز نہیں۔‘‘ نیازی نے صفائی پیش کی ’’اسے تو کشتی کے بغیر

استعمال بھی نہیں کیا جا سکتا۔‘‘

’’یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔ یہ ہمارے کسی کام کی نہیں البتہ گن پاؤڈر کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔‘‘

’’کیا مطلب؟ بم بناؤ گے اس سے۔‘‘ ذیشان بھڑک گیا ’’کیا چاہتے ہو تم۔ جنگ شروع کرنا چاہتے ہو۔‘‘

’’ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔‘‘

’’ہم اسوقت نکلیں گے جب وہ لوگ ہمیں نکلنے کی اجازت دیں گے۔‘‘ ذیشان نے کہا ’’اس طرح ہم میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ دیکھو نا‘ تمہارا نقشے والا جھوٹ انہوں نے ہضم کر لیا اور کیا چاہتے ہو تم؟‘‘ اس کا لہجہ کاٹ دار ہو گیا ’’اب لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لڑو گے تو شوقیہ ہی لڑو گے۔‘‘

’’تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔‘‘ فرید نے اعتراف کیا۔ پھر وہ نیازی کی طرف مڑا۔ ’’اب تمہاری باری ہے۔ پہلے تم پہرہ دو گے‘ پھر ذیشان اور پھر میں۔‘‘

’’اگر پہرے کے دوران میں گن پر بھی کچھ کام کر لوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟‘‘ نیازی نے پوچھا ’’دراصل وہ میرے لیے ذاتی دلچسپی کا سامان ہے۔‘‘ اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں اضافہ کیا۔

’’ٹھیک ہے لیکن کوئی دھماکا نہ کر بیٹھنا۔‘‘ فرید نے کہا ’’میرا دل اسے نہیں جھیل سکے گا۔ اور ہاں‘ میری اجازت کے بغیر کوئی باہر نہیں جائے گا۔‘‘

ذیشان نے انگڑائی لی ’’میں تو سونے کی کوشش کروں گا۔ میری باری آئے تو جگا دینا مجھے۔‘‘

☆☆☆☆

نیازی‘ ذیشان کو جگا کر ڈیوٹی سونپنے کے بعد سو چکا تھا۔ ذیشان نے کمرے کا جائزہ لیا‘ سبھی سو رہے تھے‘ اس نے گن کی طرف دیکھا جو نیازی کمرے میں اٹھا لایا تھا اور پہرے کے دوران اس پر کام کرتا رہا تھا۔ اس نے چھ کارتوس بنائے تھے۔ وہ خاصے بڑے تھے جن میں سیاہ پاؤڈر اور نوک دار کنکر تھے‘ ذیشان نے ایک کارتوس اٹھا کر دیکھا۔ وہ بہت بھاری تھا۔

ایک گھنٹے بعد اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو منظر یکسر بدل چکا تھا۔ دھوپ غائب ہو چکی تھی۔ دلدل کی جانب سے کہر اٹھتا دکھائی دے رہا تھا۔ جھاڑیاں اور چھوٹا سا کیبن تو اب بھی

دکھائی دے رہا تھا۔مگر پس منظر کو کہر نے نگل لیا تھا۔

اس نے جلدی سے فرید کو جگایا''ذرا یہاں آ کر دیکھو۔'' فرید نے کھڑکی سے کہر کو دیکھا اور گہری سوچ میں ڈوب میں گیا۔

''یہ مسلسل دبیز ہو رہا ہے۔'' ذیشان نے بتایا''اگر یہی رفتار رہی تو تھوڑی ہی دیر بعد دس گز سے آگے دیکھنا ممکن نہیں رہے گا۔''

''تمہارا خیال ہے' ہمیں نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے؟''

''میرا خیال ہے' ہمیں نکلنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔'' ذیشان نے محتاط لہجے میں کہا ''اور میرا بھی یہی خیال ہے کہ کہر کے دبیز تر ہونے سے پہلے ہمیں دشمنوں کی موجودگی یا غیر موجودگی کی تصدیق بھی کر لینی چاہیے۔''

''ہمیں سے تمہاری مراد شاید میں ہوں'' فرید نے تلخ لہجے میں کہا۔

ذیشان مسکرایا''اب باری تو تمہاری ہی ہے۔یہ الگ بات کہ تم اس کے لیے نیازی یا شیلا کو جگا دو۔''

دس منٹ بعد ثابت ہو گیا کہ دشمن اب بھی ان پر نظر رکھے ہوئے ہے۔فرید نے جلدی سے واپس آ کر دروازہ بند کیا۔''بد بخت مجھے سخت ناپسند کرتا ہے۔مجھے یقین ہے' اس بار میرے کچھ بال بھی اڑ گئے ہوں گے۔''

''میں نے دیکھا تھا۔فاصلہ سو گز سے زیادہ ہرگز نہیں۔وہ چاہتا تو تمہیں بہ آسانی ختم کر سکتا تھا۔''

سب کو جگا دیا گیا۔شیلا نے کھڑکی سے باہر دیکھا''کہر تو کافی دبیز ہے'' اس نے تبصرہ کیا۔

''ہمیں سامان پیک کر لینا چاہیے'' فرید نے کہا۔

ذیشان کے سوا تمام لوگ کھڑکی میں کھڑے کہر کا حجم بڑھتے دیکھ رہے تھے۔کچھ دیر بعد ذیشان نے پھر جائزہ لیا۔''اب پچاس گز سے زیادہ آگے نہیں دیکھا جا سکتا۔اب اگر کوئی باہر جائے تو کیا ہوگا؟''

''جھاڑیوں میں رہ کر تو وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔''

''یہ کیا ضروری ہے کہ وہ اب بھی جھاڑیوں میں ہوں۔وہ آگے بڑھ آئے ہوں گے۔''

''یہ جمع کا صیغہ کیوں استعمال کر رہے ہو تم؟'' فرید نے کہا۔

''منطق بتاتی ہے کہ وہ کم از کم چار ہوں گے۔اس وقت دو سو رہے ہوں گے' ایک جھاڑیوں میں ہوگا سامنے' اور دوسرا عقبی کھڑکی کو کور کیے ہوگا۔'' ذیشان نے کہا۔

''مجھے یقین نہیں آتا۔یہ محض تھیوری ہے۔'' فرید بولا۔

''تو پھر پچھلی کھڑکی سے باہر نکل لو۔'' ذیشان نے خشک لہجے میں کہا۔''فرض کر لو' تمہارا خیال درست بھی ہے۔تب بھی یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔سوچو تو' دو آدمی تو شمٹ ہٹ میں بھی چھوڑ کر جا سکتا تھا۔اس طرح دو آدمیوں کی بچت بھی ہو جاتی۔''

فرید نے نفی میں سر ہلایا''رائفل پاس ہو تو دور سے نگرانی کی جاتی ہے۔فاصلہ کم ہو تو رائفل اتنی مؤثر نہیں رہتی۔لیکن شمٹ نے کہر کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہوگا۔کہر جب اتنی دبیز ہو جائے گی کہ نظر دس گز سے آگے نہیں دیکھ سکے گی' تب ہم نکلنے کی کوشش کریں گے۔''

''ایسا اپنی ذمے داری پر کرنا۔'' ذیشان نے سخت لہجے میں کہا۔''جہاں چار رائفل برداروں کا معاملہ ہو' وہاں میں تو اسے پاگل پن ہی قرار دوں گا۔وہ ہمیں نہ مارنا چاہیں' تب بھی اتفاقاً کچھ ہو سکتا ہے۔میں اور ماریہ تو بہر حال باہر نہیں نکلیں گے۔اور میرا خیال ہے' ڈاکٹر نیازی بھی۔''

''ایسا اچھا چانس اور تم نہیں لو گے؟''

''دیکھو۔میرا پیشہ نہیں ہے چانس لینے والا۔اور پھر بات سمجھ میں بھی تو نہیں آتی۔فرض کرو' تم اس ہٹ سے نکل گئے پھر کیا کرو گے؟''

''ویوٹسوا واپس جائیں گے۔دلدل کے ساتھ ساتھ چلے تو بھٹکیں گے بھی نہیں۔''

''نہیں۔یہ ممکن نہیں ہے۔چیکوسلوکین تمہیں مس نہیں کریں گے۔تم جو کچھ کر رہے ہو گے' وہ ان کے لیے خلاف توقع نہیں ہوگا۔ذرا ادھر آؤ'' ذیشان نے کہا اور میز کی طرف بڑھ گیا۔اس نے میز پر نقشہ پھیلایا اور نیازی کے بنائے ہوئے کارتوس چاروں کونوں پر رکھ دیے ''میں ہٹ سے نکلنے کے حق میں بالکل نہیں ہوں۔کم از کم موجودہ صورت حال میں تو نہیں۔لیکن نکلنا ضروری ہوا تو یہ راستہ ہونا چاہیے۔''

فرید نے نقشے میں اس راستے کو دیکھا جس کی طرف ذیشان کی انگلی اشارہ کر رہی تھی۔

''دلدل کے پار۔پاگل ہو گئے ہو؟''

''پاگل پن کی کیا بات ہے اس میں؟ یہ وہ سمت ہے' جس کا کسی کو خیال بھی نہیں آئے گا۔''

''میں تو اسے پاگل پن ہی سمجھوں گا۔میں نے پہاڑ پر سے دلدل کو دیکھا ہے۔یہ پتا

ہی نہیں چلتا کہاں پانی ختم ہو رہا ہے اور کہاں زمین شروع ہو رہی ہے۔اور جہاں پانی ہے' وہاں اس کی گہرائی کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔اس صورت میں کہ نظر دس گز سے زیادہ دور نہیں دیکھ سکتی ڈوب جانے کا خطرہ اور بڑھ جائے گا۔''

''اگر کشتی کا سہارا لیں تو یہ خطرہ نہیں رہے گا۔'' ذیشان نے کہا۔'' دونوں لڑکیاں اور ایک آدمی کشتی میں' اور دو آدمی باہر رہ کر کشتی کو دھکیلیں گے۔ جہاں پانی گہرا ہو گا' وہاں وہ لٹک جائیں گے اور کشتی چپوؤں کی مدد سے چلائی جائے گی۔'' اس نے نقشے کو تھپتھپایا'' ہمیں دو میل کا سفر طے کرنا ہو گا۔اندھیرا ہوا تو بھی زیادہ سے زیادہ چار گھنٹے میں ہم اس پار پہنچ جائیں گے۔ پار کرنے کے بعد ہم مغرب کی سمت چلیں گے۔یوں ہم روانیمی کے مین روڈ پر پہنچ جائیں گے۔ ویوٹسو تک ہم زیادہ سے زیادہ آٹھ گھنٹے میں پہنچ جائیں گے۔'' کمال ہے ۔یعنی تم پہلے سے اس سلسلے میں سوچتے رہے ہو؟'' فرید نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔'' ہے نا؟''

''ہاں۔لیکن یہ ایمرجنسی پلان ہے۔'' ذیشان نے کہا'' اور ایمرجنسی ابھی نہیں آئی ہے۔فی الحال یہاں ہم باہر کے مقابلے میں زیادہ محفوظ ہیں۔زندگی اور موت کا معاملہ ہوتا تو میں اس اسکیم کے حق میں ہوتا۔''

''تم بڑے سرد مزاج اور منطقی انداز میں سوچنے والے آدمی ہو۔'' فرید نے کہا'' میں سوچ رہا ہوں' تمہیں غصہ آتا بھی ہے یا نہیں! تمہیں شمٹ اور اس کے ساتھیوں پر غصہ نہیں آتا کہ انہوں نے ہمیں کتنی آسانی سے بے وقوف بنایا۔''

''اتنا غصہ مجھے کبھی نہیں آتا کہ ہاتھ سے گولی روکنے بیٹھ جاؤں۔'' ذیشان نے مسکراتے ہوئے کہا'' اور ایک بات سنو۔تم شمٹ کو جمہوریت پڑھا رہے تھے نا۔سو اب میں یہاں اس فیصلے پر سب کی رائے جاننا چاہوں گا۔''

''بعض اوقات جمہوریت میں غلط فیصلے ہو جاتے ہیں۔لیکن......''

باہر سے ایک گولی کی آواز سنائی دی۔اور پھر باقاعدہ فائرنگ ہونے لگی۔ایک منٹ بعد فائرنگ رک گئی۔فرید اور ذیشان خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

پھر چند فائر ہوئے اور ہٹ کی ایک کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ گیا۔

''فرش پر لیٹ جاؤ۔'' فرید نے فرش پر جست لگاتے ہوئے چیخ کر کہا۔اس نے پلٹ کر ذیشان کی طرف دیکھا۔وہ بھی فرش پر سینے کے بل لیٹا تھا۔'''' لو.....تمہاری ایمرجنسی بھی آ گئی'

اس نے ذیشان سے کہا۔

سب خاموش تھے۔

ذیشان فرش پر لیٹا فرید کو گھور رہا تھا'' میرا خیال ہے' یہ آخری آواز مختلف تھی' پستول کی تھی۔'' فرید نے کہا۔

''دعا کرو کہ یہ جنگ نہ ہو جائے۔وہ رائفلیں ناٹو کی ہیں اور بے حد خطرناک ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ گولی ایک دیوار سے کمرے میں گھسے اور دوسری دیوار سے پار نکل جائے۔''

''تم ٹھیک ہو ماریہ؟'' ذیشان نے پکارا۔

''ٹھٹھ.....ٹھیک ہوں'' ماریہ نے گھٹی گھٹی آواز میں جواب دیا۔

''لیکن میں ٹھیک نہیں ہوں'' نیازی نے کہا'' میرا خیال ہے مجھے گولی لگی ہے۔میرا بازو سن ہو رہا ہے۔''

شیلا جھکے جھکے اس کی طرف لپکی'' تمہارے چہرے سے بھی خون نکل رہا ہے۔''

''وہ شاید شیشے کا ٹکڑا لگا ہے'' نیازی منمنایا'' مجھے تو اپنے بازو کی فکر ہے۔ذرا دیکھو تو۔''

''خدا کی پناہ!'' فرید نے تند لہجے میں کہا'' اس طرف صرف ایک گولی آئی ہے اور وہ بھی کام دکھا گئی'' پھر وہ ذیشان کی طرف مڑا'' کیا خیال ہے ذیشان! یہ نکل لینے کا وقت ہے یا نہیں؟''

''جب سے اب تک تو فائرنگ کی آواز سنائی نہیں دی ہے'' ذیشان نے کہا اور سینے کے بل رینگتا ہوا کھڑکی تک پہنچا اور بڑی احتیاط سے سر اوپر کر کے باہر جھانکا'' کہر اور دبیز ہو گیا ہے۔ مجھے تو کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔''

''نیچے ہو جاؤ بے وقوف! فرید غرایا۔

ذیشان نے سر تو نیچے کر لیا لیکن اسی پوزیشن میں کھڑکی کے نیچے بیٹھا رہا۔'' ڈاکٹر کا کیا حال ہے؟'' اس نے سر گھما کر پوچھا۔

''ہڈی ٹوٹ گئی ہے'' نیازی نے بتایا'' کوئی میرے سامان میں سے میرا کالا بیگ نکال لائے۔''

''میں لاتی ہوں'' ماریہ نے کہا۔

فرید رینگتا ہوا نیازی کی طرف بڑھا اور اس کے بازو کا معائنہ کیا۔شیلا نے زخم دیکھنے کے لیے اس کی آستین پھاڑ ڈالی تھی۔چھوٹا سا سوراخ تھا۔نیازی کا بازو لٹک رہا تھا۔لگتا تھا' ایک جوڑ بڑھ گیا ہے۔

''یہ پستول کی گولی تھی۔'' فرید نے کہا ''اگر رائفل کی گولی ہوتی تو بازو نام کی کوئی چیز دکھانے کو بھی نہیں رہتی تمہارے پاس۔''

باہر پھر آٹو میٹک اسلحے کی فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی سلائی مشین بہ آواز بلند چل رہی ہے۔ جواب میں ریوالور کے چند فائر ہوئے'' یہ تو لگتا ہے' جنگ چھڑ گئی ہے۔ اب کیا خیال ہے ذیشان؟''

''میرا خیال ہے' ہمیں چل دینا چاہیے۔'' ذیشان نے کہا ''ایک گولی اس طرف آئی ہے تو اور بھی آسکتی ہیں۔ میں اور تم کشتی والے کیبن کی طرف جائیں گے۔ شیلا اور ماریہ ڈاکٹر نیازی کی مدد کریں گی۔ ہم فی الحال سامان یہیں چھوڑیں گے تاکہ ہلکے پھلکے ہو کر سفر کریں۔ کمپاس ضرور لے لینا'' وہ فرید سے مخاطب تھا۔

''کمپاس تو میری جیب میں ہے۔'' فرید نے کہا اور ڈاکٹر نیازی کی طرف بڑھا' جو اپنے لیے انجکشن تیار کر رہا تھا'' تمہارا کیا حال ہے؟''

''اس سے سکون مل جائے گا'' ڈاکٹر نے اپنے بازو میں انجکشن لگاتے ہوئے کہا ''بس اب کوئی بینڈیج لپیٹ دے۔''

''میں اس سے بھی زیادہ کر سکتی ہوں'' شیلا نے کہا ''میں ساتھ میں کھپچی کا سہارا بھی باندھ سکتی ہوں۔''

''یہ اور بھی اچھا ہے'' نیازی نے کہا ''اور گولی میرے ہاتھ میں لگی ہے' ٹانگ میں نہیں۔ میں چل سکتا ہوں پانچ منٹ میں تیار ہو جاؤں گا۔ یہ کشتی کے ذریعے جانے کی کیا بات ہو رہی تھی؟''

''ذیشان کا آئیڈیا ہے۔'' فرید نے کہا۔

''تو پھر گن بھی لے لی جائے'' نیازی نے کہا

''اس اتنی بھاری اور ملعون گن....'' فرید کہتے کہتے رک گیا۔ اس نے ذیشان کی طرف دیکھا ''بولو کیا کہتے ہو۔''

ذیشان نے بھاری کارتوسوں کے بارے میں سوچا ''اس سے کسی کو بھی خوفزدہ کیا جا سکتا ہے۔''

''کس کر باندھو'' نیازی نے ماریہ سے کہا ''پھر مجھے میز پر سے وہ کارتوس لا کر دو'' اس نے سر اٹھا کر فرید کو دیکھا ''اگر گن لے کر چلنا ہے تو تمہارے آنے تک میں اسے لوڈ کر لوں گا۔''

''ٹھیک ہے' اب چل دو'' فرید نے مستعدی سے کہا۔ اب کچھ کرنے کا موقع مل رہا تھا تو اس کا ڈپریشن ختم ہو گیا تھا۔

اس نے دروازہ کھولا تو کہر کے ابخرات ہٹ میں بھی گھس آئے۔ اس کا سر تقریباً فرش کی سطح پر تھا۔ کہر اب اتنا دبیز تھا کہ زیادہ سے زیادہ پندرہ گز تک دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ باہر نکلا۔ چند لمحے بعد ذیشان بھی اس سے آملا۔

''ہم علیحدہ ہو کر آگے بڑھیں گے۔ لیکن ایسے کہ ایک دوسرے کو نظر آتے رہیں۔ دس گز کا فاصلہ مناسب رہے گا۔ دونوں باری باری دس دس گز کر کے آگے بڑھیں گے۔''

ذیشان نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔

فرید آگے بڑھا۔ دس گز آگے پہنچ کر وہ رکا اور اس نے ذیشان کو بھی آنے کا اشارہ کیا۔ ذیشان ذرا سا ہٹ کر آگے بڑھا اور چند لمحوں میں فرید کے متوازی ہو گیا۔ اسی طرح وہ پانی تک پہنچ گئے۔

وہ وہاں لیٹے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ جھاڑیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ وہ سماعت پر زور دیتے رہے مگر کبھی کبھی بولنے والے پرندے کی آواز کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔

''کیبن کس طرف ہے؟'' فرید نے پوچھا۔

''بائیں جانب' سو گز دور۔''

وہ الگ الگ' سست رفتاری سے بڑھتے رہے۔ تجربے کار ہونے کی وجہ سے فرید آگے آگے تھا۔

آخر کار وہ رک گئے۔ کیبن نظر آ رہا تھا۔

''ممکن ہے وہاں کوئی ہو'' فرید نے ذیشان کے کان میں سرگوشی کی۔ ''میں دوسری طرف سے جاؤں گا۔ ٹھیک چار منٹ بعد تم اس طرف سے بڑھنا۔''

ذیشان وہیں گھڑی میں سیکنڈ کی سوئی کو حرکت کرتے دیکھتا رہا۔ ٹھیک دو منٹ بعد اچانک شروع ہونے والی فائرنگ نے اسے چونکا دیا۔ ایسے لگا تھا جیسے فائرنگ ہٹ کے قریب ہوئی ہے۔ لیکن وہ یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ ٹھنڈ کے باوجود اسے پسینہ آنے لگا۔

چار منٹ پورے ہوتے ہی اس نے آہستگی سے کیبن کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ کہیں کوئی متحرک نہیں تھا۔ پھر اسے دوسری طرف کوئی سایہ حرکت کرتا نظر آیا۔ اس کا دل اچھل کر

حلق میں آ گیا۔ مگر فوراً ہی اسے احساس ہو گیا کہ وہ فرید ہے۔

''سب ٹھیک ہے۔'' فرید نے کہا۔

''ہمیں کشتی باہر نکال کر اسے دھکیل کر ساحل تک لے جانا ہوگا'' ذیشان نے دھیمی آواز میں کہا۔

کشتی کو پانی تک پہنچا کر وہ باقی لوگوں کو لینے گئے۔ وہ بغیر کسی دشواری کے واپس ہٹ میں پہنچ گئے۔

''باہر..... کم از کم دلدل کے قریب بظاہر تو کوئی بھی نہیں ہے۔'' فرید نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

ذیشان نے ماریہ سے پوچھا ''چلنے کو تیار ہو؟''

ماریہ کا چہرہ زرد تھا۔ مگر وہ بولی تو اس کے لہجے میں استقلال تھا۔ ''ہاں میں تیار ہوں۔''

''پہلے میں اور فرید جائیں گے۔ تم پیچھے آؤ گی۔ ڈاکٹر نیازی کا خیال رکھنا۔ ویسے گن ساتھ ہونے کی وجہ سے ہماری رفتار زیادہ نہیں ہوگی۔''

''گن کو میں نے لوڈ کر دیا ہے۔ لیکن خطرے کی کوئی بات نہیں'' نیازی نے کہا ''ڈیٹونیٹر لگائے بغیر یہ فائر نہیں کرے گی۔''

''ٹھیک ہے۔ کشتی میں میرے ساتھ تمہیں رہنا ہوگا۔'' نیازی نے ذیشان سے کہا۔

''کیوں؟'' فرید نے بھویں اچکا کر پوچھا۔

''وجہ مت پوچھو۔''

''تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟'' فرید نے ذیشان سے پوچھا۔

''نہیں۔ اگر ان کی یہ خواہش ہے تو یونہی سہی۔''

''اب میری بات غور سے سنو۔'' نیازی نے کہا ''گن بغیر کسی دشواری کے کشتی پر اپنے مخصوص مقام پر فٹ ہو جائے گی۔ رسیاں میں نے تیار کر لی ہیں۔ فائر کرتے وقت دو باتوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ ایک یہ کہ فائر کرتے وقت اپنا سر پیچھے کی طرف رکھنا۔ ورنہ تمہارا چہرہ جل سکتا ہے۔ فائر کرتے وقت تمہیں پیٹ کے بل لیٹنا ہوگا' چہرہ زمین پر ٹکا کے۔ گن کو گھمانے کی زیادہ رینج نہیں ہوگی تمہارے پاس۔ بس جہاں تک رسیاں اجازت دیں گی۔ اور ٹریگر کھینچتے وقت تمہیں گھٹنوں کو کشتی کے فرش سے اٹھا کر معلق رکھنا ہوگا۔''

''کیوں؟'' ذیشان نے پوچھا۔

''تم ابھی تک سمجھ نہیں رہے ہو کہ یہ کس طرح کی گن ہے'' نیازی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''اگر فائر کے وقت تمہارے گھٹنوں کا کشتی کے فرش سے رابطہ ہوا تو گن کا جھٹکا تمہارے دونوں گھٹنے بیکار کر دے گا۔''

''خدا کی پناہ!'' ذیشان بڑبڑایا ''تو پھر تم نے فرید کے بجائے مجھے کیوں منتخب کیا؟''

''فرید کی گنوں کے بارے میں بھی معلومات کم نہیں۔ اسے یہ گمان بھی ہو سکتا ہے کہ جیسے وہ اس گن کے بارے میں بھی جانتا ہے۔ جبکہ مجھے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو آنکھیں بند کر کے میری ہدایت پر عمل کرے۔ زیادہ خون نکل جانے کی وجہ سے میں کمزور نہ ہو گیا ہوتا تو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔''

''کاش! اسے استعمال کرنے کی نوبت ہی نہ آئے'' ذیشان نے بڑے خلوص سے کہا'' تمہارے بازو کا کیا حال ہے؟''

''جب تک دوا کا اثر رہے گا' کام چل جائے گا۔ میں دواؤں کا بیگ یہیں چھوڑ رہا ہوں۔ لیکن میں نے سکون بخش دوا کی سرنج بھر کر ساتھ لے لی ہے۔''

☆☆☆☆

کشتی تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ لیکن اس کشتی کو کھینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ذیشان کا بازو اور سینہ دکھنے لگا۔ کوئی دو سو گز آگے جانے کے بعد اس نے ہاتھ روک دئے اور آرام کا فیصلہ کیا۔

فرید' شیلا اور ماریہ پیچھے آ رہے تھے ''کشتی کیوں روک دی؟'' فرید نے پوچھا۔

''بہت غیر فطری پوزیشن ہے کشتی کھینے کی'' ذیشان نے کہا۔ ''میں تھک گیا ہوں۔ چند منٹ آرام کر لوں' پھر آگے بڑھیں گے۔'' اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ تینوں کمر کمر تک پانی میں تھے۔ دوسری طرف سے پھر فائرنگ کی آوازیں سنائی دیں۔ فرید نے گہری سانس لے کر کہا ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ فائرنگ کن لوگوں کے درمیان ہو رہی ہے۔''

مزید ایک فائر ہوا' اور اتنے قریب سے ہوا کہ فرید بلا ارادہ جھک گیا۔ ذیشان بھی کشتی میں لیٹ گیا۔ پھر چھپاکوں کی آواز سنائی دی جیسے کوئی پانی میں بھاگ رہا ہو۔ چند منٹ بعد پھر سناٹا ہو گیا۔

''یہ فائر تو یہیں' قریب ہی کا تھا۔'' فرید نے سر اٹھاتے ہوئے کہا ''اب چلو۔''

ذیشان اٹھا اور اس نے کشتی پھر کھینا شروع کر دی۔

وہ آگے بڑھتے رہے۔ اب کہر کہیں کہیں سے شفاف ہوگئی تھی اور اس پار دیکھا جا سکتا تھا مگر دس سیکنڈ بعد وہ پھر دبیز ہوگئی اور یہ آنکھ مچولی کا سا کھیل چلتا رہا۔

پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے کہ عقب سے فرید کو گھٹی گھٹی چیخ سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ماریہ گردن تک پانی میں تھی اور تیرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ فرید خود بغلوں تک پانی میں تھا۔ چنانچہ اس نے کشتی سے بندھی ہوئی رسی کو دو جھٹکے دیئے۔ وہ رسی کسی ہنگامی صورت حال میں اشارے کے لیے باندھی گئی تھی۔

اشارہ پا کر ذیشان کشتی کو الٹا کھیتا ہوا واپس لایا۔

''راستہ بدلنا ہوگا'' فرید نے اس سے کہا ''اب پانی گہرا ہوتا جا رہا ہے۔''

ذیشان نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور اشارے سے نئے راستے کے بارے میں بتایا۔ وہ جھاڑیوں سے دور نہیں ہونا چاہتا تھا۔

وہ پھر آگے بڑھنے لگے۔ اب ذیشان کی سمجھ میں کہر کا چکر بھی آنے لگا تھا۔ ہوا کا دباؤ بڑھتا تو کہر کا پردہ چاک ہو جاتا اور ہوا کا دباؤ کم ہوتے ہی کہر پھر دبیز پردے کی طرح ہو جاتی۔

ذیشان نے اپنے رخسار پر ہوا کا دباؤ محسوس کیا۔ اگلے ہی لمحے کہر کا پردہ چاک ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ذیشان کو پانی میں ابھرے ہوئے ٹیلے پر ایک شخص کھڑا نظر آیا۔ ایک اور شخص ٹیلے پر کھڑے ہوئے شخص کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہاتھ ہلا رہے تھے۔

ذیشان نے جلدی سے ہاتھ بڑھایا اور ڈیٹونیٹر کیپ گن میں فٹ کر دیا۔ ساتھ ہی اس نے دوسرے ہاتھ سے چپو چلایا۔ کشتی گھومی۔ اس کے ساتھ ہی گن کی نال بھی گھومی۔ ذیشان نیازی کی ہدایت کے عین مطابق عمل کر رہا تھا۔

ہدف نال کے سامنے تھا۔ ذیشان کی انگلی ٹریگر پر تھی۔ مگر وہ ہچکچا رہا تھا۔ وہ بے قصور فنی بھی ہو سکتے تھے۔ جو خواہ مخواہ دو پارٹیوں کی جنگ میں پھنس گئے ہوں۔

اسی وقت دونوں میں ایک مڑا۔ اس کے حلق سے چیخ سی نکلی۔ ذیشان کو اندازہ ہوگیا کہ انہوں نے کشتی کو دیکھ لیا ہے۔ دوسرے شخص کا ہاتھ تیزی سے اٹھا۔ دو شعلے چمکے۔ اسی وقت دبیز ہوتے ہوئے کہر نے منظر نگل لیا۔

اب فیصلہ ہوگیا تھا!

کوئی بے قصور فنی یوں محض کسی کو دیکھ کر فائر نہیں کر سکتا۔

ذیشان کو آخری لمحے میں سر پیچھے ہٹانے اور گھٹنے اوپر خیال اٹھانے کا خیال آیا۔ اس نے ٹریگر دبا دیا۔

ایک ثانیے کو خاموشی رہی۔ پھر ذیشان کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ جو شعلہ گن سے نکلا تھا' اس کا حجم بہت بڑا تھا۔ کشتی تنکے کی طرح لرزی اور بے قابو ہو کر پیچھے کی سمت ہٹی۔ فضا میں جلے ہوئے بارود کی بو پھیل گئی۔

ایک لمحے کو ذیشان کو لگا' وہ سماعت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگیا ہے۔ کہر کی وجہ سے سامنے دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

پھر اچانک کوئی آٹومیٹک رائفل گرجنے لگی۔ پانی میں چھپاکوں کی سی آواز بھی ابھری۔ جھاڑیاں لرزیں.......اور پھر خاموشی!

''دوبارہ لوڈ کرو گن۔'' نیازی نے کمزور آواز میں کہا۔

''کتنی دیر لگے گی اس میں؟'' ذیشان نے پوچھا۔

''پانچ منٹ۔''

''نہیں۔ اس سے بہتر ہے کہ ہم جلد از جلد یہاں سے نکلنے کی سوچیں'' ذیشان نے کہا اور چپو سنبھال کر کشتی کو زیادہ تیزی سے کھینا شروع کر دیا۔

وہ سوچ رہا تھا' میں نے فائر کیا اور اب تک پوری جان سے لرز رہا ہوں تو ان لوگوں کا کیا حشر ہوا ہوگا' جن پر فائر کیا گیا تھا؟

ٹیلے کے پاس پہنچ کر وہ چوکنا ہوگیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ مگر کہر کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ اس وقت تک کشتی کھیتا رہا جب تک بازو بالکل ہی جواب نہ دے گئے۔ مسلسل آدھا گھنٹا کشتی چلانے کے بعد وہ نڈھال ہو کر لیٹ گیا۔

نیازی نے نرمی سے اس کے کندھے کو چھوا ''اب آرام کر لو' تم نے زبردست کام دکھایا ہے۔''

پیچھے فرید ہانپتا ہوا آیا ''خدا کی پناہ! تم نے تو کشتی کو اسٹیمر بنا دیا۔''

ذیشان کی سانس پھول رہی تھی۔ اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ اس نے اٹک اٹک کر کہا ''میں جلد از جلد اس رائفل کی رینج سے نکل جانا چاہتا تھا۔''

فرید نے کشتی کو پکڑتے ہوئے گن کا جائزہ لیا ''یہ تو بڑی خوفناک چیز ہے۔ میں نے زندگی میں ایسی گن نہیں دیکھی۔ دھماکا سن کر مجھے تو یقین ہوگیا تھا کہ اس کی نال پھٹ گئی ہوگی۔''

''ہم کتنی دور نکل آئے ہیں۔'' ذیشان نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے' ہم گہرے پانی والا حصہ پار کر چکے ہیں' نیازی نے کہا۔

''یہاں صرف پانی گہرا نہیں تھا۔ پاٹ بھی کافی چوڑا تھا۔''

''اس کا مطلب ہے' آدھے سے زیادہ فاصلہ طے ہو گیا۔ اب خشکی زیادہ دور نہیں ہے۔'' ذیشان بولا۔

اتنی دیر میں ماریہ اور شیلا بھی کشتی تک پہنچ گئی تھیں۔ ان کا حال بہت برا تھا'' تم لوگ ٹھیک ہو نا؟'' ذیشان نے پوچھا۔

شیلا نے تھکے تھکے انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی۔

''اس طرح کا سفر اور کتنا کرنا ہے ہمیں؟'' ماریہ نے پوچھا۔

''اب زیادہ فاصلہ نہیں اور تم کشتی میں سفر بھی کر سکتی ہو۔''

فرید نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔'' ہاں۔ میرا خیال ہے' ہم خطرے سے نکل آئے ہیں۔ خاصی دیر سے فائرنگ کی آواز بھی نہیں سنی۔''

نیازی کشتی کے فرش پر بیٹھا کچھ ٹٹول رہا تھا۔'' میرا خیال ہے' کشتی میں سوراخ ہو گیا ہے۔ کشتی ڈوب رہی ہے۔'' اس نے سر اٹھا کر کہا۔

''لعنت ہو'' فرید غرایا۔

''قصور میرا ہی ہے۔ شاید میں نے گن کو ضرورت سے زیادہ لوڈ کر دیا تھا۔ کشتی اسے سہار نہیں سکی۔''

''تو اب ہم پانی میں پیدل ہیں۔'' ذیشان بولا'' ڈاکٹر کیا خیال ہے' تم یہ سفر کر سکتے ہو؟''

''ایک انجکشن اور لے لوں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''بس تو کشتی کو جھاڑیوں میں دھکیلو اور چل پڑو۔'' فرید نے کہا۔'' میرا خیال ہے' اب کہر بتدریج چھٹ رہا ہے۔ اس سے پہلے ہمیں دلدل سے نکل لینا چاہیے۔''

☆☆☆☆

قیصر فکرمند تھا۔ اسے فرید اور اس کی پارٹی کی فکر تھی' جواب تک نہیں پہنچے تھے۔ دوسرے دارالحکومت کے ایوانوں میں سیاسی جنگ شدت پکڑ چکی تھی۔ صدر مملکت صابر ملک کے معاملات پر قابو نہیں پا سکے تھے۔ وزیر دفاع' صابر کی پشت پناہی کر رہا تھا۔

قیصر نے پائپ سلگا کر سر اٹھایا تو احمد آتا نظر آیا۔ وہ قریب آیا تو قیصر نے پوچھا'' ڈاکٹر

صاحب' اب بھی ان مساوات میں الجھے ہوئے ہیں؟''

''نہیں۔ وہ کام ختم کر چکے ہیں۔''

''کیا خیال ہے ان کا؟''

''مجھے کوئی کچھ نہیں بتاتا۔'' احمد نے سادگی سے کہا'' بہرحال وہ تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ اور ہاں' فرید کا فون آیا تھا۔ فون پر انہوں نے کچھ زیادہ تو نہیں بتایا۔ مگر میرا اندازہ ہے کہ ان کے پاس بھی سنانے کو پوری داستان ہے۔ انہوں نے بازو میں گولی گھسنے سے متعلق تمام ضروری ادویات طلب کی ہیں۔''

''گولی! کس کے لگی ہے؟''

''ڈاکٹر نیازی کے۔''

''باقی سب خیریت سے ہیں؟''

''خیر' چلو ڈاکٹر سے مل لوں۔''

احمد' قیصر کے ساتھ ہی چلتا رہا۔'' ایک صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔ صابر ملک نام ہے۔''

قیصر کا منہ کھل گیا'' وہ...... یہاں؟''

''میں نے انہیں انتظار گاہ میں بٹھا دیا ہے۔''

''وہ ڈاکٹر نیازی سے تو نہیں ملا؟''

''میرا خیال ہے' نہیں۔''

''اسے ملنا بھی نہیں چاہیے۔'' قیصر نے کن انکھیوں سے احمد کو دیکھا۔'' تم صابر ملک کو جانتے ہو؟''

''میں نے انہیں وزارت دفاع کی بلڈنگ میں کئی بار دیکھا ہے۔ کبھی بات نہیں ہوئی۔ ظاہر ہے' وہ مجھ سے کافی اونچی سطح کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

''ہاں۔ وہ سیاسی جوڑ توڑ والا چالاک آدمی ہے۔ اب میری ہدایات غور سے سن لو۔ تم انتظار گاہ میں اسے چائے پہنچا دو گے۔ اسے میرے وہاں پہنچنے تک مصروف رکھنا۔ یہ نہ ہو کہ وہ نکل کر ادھر ادھر گھومنے لگے۔ سمجھے؟''

''جی ہاں'' احمد نے کہا'' لیکن مسئلہ کیا ہے؟''

''یہ سیاسی جھمیلے ہیں۔ فوج اور سیاست دانوں کی آمیزشوں کے مسئلے ہیں۔ ایک بات

سن لو احمد۔ صابر ملک کے سامنے موجودہ آپریشن کا ذکر تک نہ کرنا۔ یہ میرا حکم ہے۔ اور صابر تمہیں کوئی حکم دینے کی کوشش کرے تو صرف اتنا کہہ دینا کہ آپ یہ بات قیصر صاحب سے پوچھیں۔''

''بہت بہتر۔''

وہ اس وقت ہیلسنکی کی جس عمارت میں تھے' وہ پاکستانی سفیر کی اقامت گاہ تھی۔ لیکن وہاں اکثر ضرورت پڑنے پر قیصر جیسے مہمان ٹھہرتے رہتے تھے۔ قیصر اور احمد کاغذات لے کر واپس پہنچے تو اسلام آباد سے ڈاکٹر زبیری یہاں کاغذات کا معائنہ کرنے کے لیے پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ ڈاکٹر زبیری پاکستان کے چوٹی کے سائنس داں تھے۔

ڈاکٹر زبیری نے کاغذات کا ایک سیٹ اٹھا کر قیصر کو دکھایا۔ ''یہ ہے وہ اہم ترین دستاویز۔ مجھے پروفیسر ابراہیم کی ذہانت پر حیرت ہے۔ وہ پچاس برس پہلے ایکس ریز کے متعلق وہ کچھ معلوم کر چکے تھے' جس سے ہم اب بھی کم از کم ایک صدی دور تھے۔ حالانکہ پوری دنیا کے سائنس داں اس میں سر کھپا رہے ہیں۔''

''خدا کا شکر ہے۔'' قیصر نے گہری سانس لی' ہماری محنت بار آور ثابت ہوئی؟''

قیصر' ڈاکٹر زبیری کے کمرے سے نکلا اور انتظار گاہ کی طرف چل دیا۔

صابر ملک ایک کرسی میں پھیل کر بیٹھا تھا۔ احمد کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔ وہ پریشان لگ رہا تھا۔ قیصر کو اندر آتے دیکھ کر اس نے سکون کی سانس لی۔

علیک سلیک کے بعد صابر ملک نے کہا ''میں دیکھ رہا ہوں' تم نے اپنے شاف کو خوب تربیت دی ہے۔ مسٹر احمد کچھوے کی طرح سخت جان ہیں۔''

''آپ سنائیں کیسے ہیں؟''

''میں یہ جاننے کے لیے آیا ہوں کہ ڈاکٹر زبیری کس نتیجے پر پہنچے ہیں'' صابر نے کہا'' دراصل ہم سب جاننے کے لیے بے تاب ہیں کہ تمہاری محنت کا کوئی اچھا پھل بھی ملا ہے یا نہیں۔''

قیصر بیٹھ گیا۔ وہ حیران تھا کہ صابر ملک کو ڈاکٹر زبیری کی آمد تک کا علم ہے۔ ''یہ تو آپ کو ڈاکٹر زبیری ہی بتا سکتے ہیں'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔

صابر ملک کے چہرے پر ناگواری چھا گئی ''میرا خیال ہے' میں تم سے جو باتیں کرنا چاہتا ہوں' وہ احمد صاحب کی موجودگی میں ممکن نہیں'' وہ احمد کی طرف مڑا ''معذرت کے ساتھ۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

احمد دروازے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ قیصر نے سخت لہجے میں اسے روک دیا ''میں

تمہیں یہیں دیکھنا چاہتا ہوں احمد۔''

صابر کا منہ بن گیا ''دیکھو قیصر! یہاں ایسی تفصیلات بھی زیر بحث آئیں گی جن کا جاننا احمد صاحب کے لئے مضر صحت ہوگا۔''

''یہ یہیں رہے گا۔ میں ایک گواہ کی موجودگی ضروری سمجھتا ہوں'' قیصر نے خشک لہجے میں کہا۔

''گواہ؟ کیا مطلب؟''

''دیکھو صابر ملک'' قیصر نے سب تکلفات بالائے طاق رکھ دیئے۔ ''جب آپریشن مکمل ہو جائے گا تو میں اپنے باس کو فائنل رپورٹ پیش کروں گا۔ اس میں وہ باتیں بھی شامل ہوں گی' جو میں اس کمرے میں سننے والا ہوں۔ سمجھے کچھ؟''

''میں تم سے متفق نہیں ہوں۔''

''تو پھر بات ہی مت کرو۔ بات نہیں کرو گے تو احمد کچھ سنے گا بھی نہیں'' قیصر نے مسکراتے ہوئے کہا ''اور سناؤ تم کون سی فلائٹ سے وطن واپس جا رہے ہو؟''

''تم خواہ مخواہ مشکلات کھڑی کر رہے ہو'' صابر نے سخت لہجے میں کہا۔

''میرا تمہارے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا کوئی ارادہ بھی نہیں ہے'' قیصر نے چھیڑنے والے انداز میں کہا ''تم شروع ہی سے اس آپریشن میں بلاوجہ ٹانگ اڑاتے رہے ہو۔ یہ بات مجھے پسند نہیں۔ جنرل صاحب کو بھی برا لگا ہے۔''

صابر ملک کی تمام خوش دلی رخصت ہوگئی ''میرا خیال ہے' تم میری پوزیشن سے واقف نہیں ہو'' اس نے کڑے لہجے میں کہا ''تم ابھی اتنے طاقتور نہیں ہوئے کہ تمہیں الٹا نہ جا سکے۔ وزیر دفاع جب میری رپورٹ پڑھے گا تو اس کے بعد تمہیں جو شاک پہنچے گا' تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

قیصر نے کندھے جھٹک دیئے ''تم اپنی رپورٹ دینا' میں اپنی رپورٹ دوں گا۔ وزیر دفاع کے ردعمل سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں صرف اپنے محکمے کے سربراہ جنرل ضمیر کو جانتا ہوں' بس۔''

صابر ملک اٹھ کھڑا ہوا ''یہ آپریشن ختم ہونے کے بعد جنرل ضمیر کسی سرد پہاڑی مقام پر ڈیوٹی دیتا نظر آئے گا۔ پھر تمہیں کون تحفظ دے گا؟''

''ہم سازشیں نہیں' جہاد کرتے ہیں صابر ملک'' قیصر کا لہجہ بہت سخت ہو گیا۔ ''ہمارا ایمان ہے کہ آدمی اپنا کام سچائی اور دیانت داری سے کرے تو اسے کائنات کی سب سے بڑی

طاقت تحفظ عطا کرتی ہے........اللہ پاک کی ذات!'' وہ احمد کی طرف مڑا ''احمد' صابر صاحب کو عزت واحترام سے دروازے تک چھوڑ آؤ۔''

''جاتے جاتے ایک آخری بات'' صابر ملک اس معاملے میں محکمے سے باہر کے لوگ بھی ملوث ہیں۔ ذیشان انور اور ماریہ یعقوب۔ تمہارے لیے بہتر ہوگا کہ انہیں خاموش رہنے پر آمادہ کرلینا'' یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

قیصر نے اپنا بجھا ہوا پائپ سلگا لیا۔ چند لمحے بعد باہر کسی کی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔

کچھ دیر بعد احمد اندر آیا۔ وہ چلا گیا؟'' قیصر نے اس سے پوچھا۔

''جی ہاں'' احمد نے جواب دیا ''آپ بہت سختی سے پیش آئے اس کے ساتھ۔''

''اس سے نمٹنے کی اور کوئی صورت ہی نہیں۔ وہ بہت سازشی آدمی ہے۔ تم نہیں جانتے وہ اور وزیر دفاع دونوں انٹیلی جنس کی نظروں میں مشکوک ہیں۔ کمانڈر انچیف نے ان کی سرگرمیوں کے پیش نظر وزیراعظم سے درخواست کی تھی کہ انہیں کابینہ سے نکال دیا جائے۔ مگر وزیراعظم نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنالیا ہے۔''

''تب تو ان کی پوزیشن مضبوط ہوئی نا'' احمد نے کہا ''ملک کی سب سے اہم طاقت ور شخصیت ان کی پشت پناہی کر رہی ہے۔''

''احمد' ایک بات یاد رکھنا۔ کوئی بھی شخصیت' فوجی ہو یا سیاسی' ملکی سلامتی کے مقابلے میں بالکل اہم نہیں ہوتی'' قیصر نے کہا۔ پھر اچانک پوچھا ''احمد تمہیں اس گفتگو میں کوئی بات عجیب نہیں لگی؟''

''احمد چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''دراصل صابر ملک کو مجھ پر غصہ اتنا شدید آیا تھا کہ وہ اپنا کنٹرول کھو بیٹھا اور وہ بات اس کے منہ سے پھسل گئی'' قیصر نے پائپ کا کش لیتے ہوئے کہا ''اب بیٹے' مجھے ایک بات بتاؤ۔ اسے ذیشان کے متعلق کیسے پتا چلا۔ سوچو۔'' وہ خود چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا ''فرید اور ذیشان جیسے ہی آئیں' مجھے بتانا۔''

☆☆☆☆

عمارت پرانی طرز کی تھی لیکن بہت وسیع و عریض تھی۔ سرکاری طور پر وہ سفیر کی اقامت گاہ کہلاتی تھی۔ ذیشان کو جو کمرا ملا تھا' وہ کشادہ اور آرام دہ تھا۔ لیکن باتھ روم باہر تھا۔

ذیشان گرم پانی سے نہا کر نکلا۔ کشتی کھینے کی وجہ سے اس کے بازو اب تک دکھ رہے

تھے۔ وہ اپنے کمرے میں داخل ہونے ہی والا تھا کہ سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا ''ذیشان' ایک منٹ دو گے مجھے؟'' ماریہ نے سر باہر نکالتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ کیوں نہیں۔''

ماریہ نے دروازہ کھول کر اسے اندر آنے کی دعوت دی۔

''نیازی کا کیا حال ہے؟'' ذیشان نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

''زبردست آدمی ہے وہ۔ اس نے اپنے بازو میں سے خود ہی گولی نکالی۔ میں نے اور شیلا نے ڈریسنگ کی تھی۔''

''مجھے قیصر نے بتایا ہے کہ کام تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ کل شاید ہم پاکستان واپس جا رہے ہیں'' ذیشان نے بتایا۔

''ٹھیک ہے۔ مجھے پاکستان جانے کی بڑی آرزو تھی۔'' ماریہ بچوں کی طرح خوش ہوگئی۔ مہم تو کامیاب رہی نا؟''

''ہاں۔ ایک سائنس داں نے یہاں آکر کاغذات چیک بھی کر لیے۔ شیلا اور احمد اس سائنس داں کے ساتھ ہی وطن واپس جا چکے ہیں۔''

ماریہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ ''اب تم کیا کرو گے؟''

''شاید پھر دستاویزی فلمیں بناتا پھروں گا۔'' ذیشان نے اپنی بڑھی ہوئی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا'' قیصر نے کہا ہے کہ وہ اس سلسلے میں بات کرے گا۔ کیونکہ مجھے دوبارہ کام ملنا آسان نہیں ہوگا۔ اور پھر جبکہ میرا چہرہ بھی میرا اپنا نہیں' اور اس مہم کے بارے میں زبان بھی نہیں کھولنی۔ چنانچہ میں اپنی اصل حیثیت میں تو اسلام آباد جا نہیں سکتا۔ عجیب مسئلہ ہے۔''

''اس کا حل بھی ہے کوئی؟''

''ہاں۔ ایک ڈاکٹر لغاری ہے۔ وہ پلاسٹک سرجری کا ماہر ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مجھے ہمیشہ سے اسپتالوں سے خوف آتا ہے۔''

''نہیں ذیشان' اپنا چہرہ واپس لے لو پلیز۔ مجھ سے یہ برداشت......''

ذیشان جملہ مکمل ہونے کا انتظار کرتا رہا لیکن ماریہ اچانک ہی خاموش ہوگئی تھی۔

ذیشان اس کے برابر جا بیٹھا ''آئی ایم سوری ماریہ'' اس نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ''کاش ایسا نہ ہوا ہوتا۔ میں نے جو تمہیں دھوکا دیا۔ وہ مجھے خود اچھا نہیں لگا۔ میں نے قیصر سے اس پر احتجاج بھی کیا تھا اور یقین کرو' میں کم از کم تمہاری حد تک کھیل ختم کرنے والا تھا مگر اس سے پہلے ہی تمہیں پتا چل گیا۔ کاش ماریہ' کاش ہم مختلف حالات میں ملے ہوتے۔''

ماریہ اب بھی خاموش تھی۔

ذیشان اپنے ہونٹ کاٹتا رہا ''اب تم کیا کرو گی؟''

''تم جانتے ہو میں کیا کروں گی۔ میں بچوں کو پڑھاؤں گی۔ یہ بات میں نے اپنے ڈیڈی کو بھی بتادی تھی۔'' ماریہ کا لہجہ آخر میں تلخ ہوگیا۔

''سوری ماریہ'' ذیشان کی آواز بھرا گئی ''کیا تم مجھے کبھی معاف نہیں کرو گی؟''

''ارے نہیں' مجھے کوئی شکایت تھوڑا ہی ہے۔ اچھا ہوا ڈیڈی کو معلوم نہیں ہوا ورنہ وہ اختلاف کرتے بحث کرتے۔ میری ایک نہ سنتے اور ایک بار پھر ہم تلخی کے بعد جدا ہوتے۔''

''اچھا' کہاں پڑھاؤ گی تم؟''

''ابھی کیا کہہ سکتی ہوں۔ ابھی تو وراثت کے معاملات ہیں۔ ڈیڈی کی انگلینڈ میں بھی جائیداد ہے جس کی واحد وارث میں ہوں۔ پاکستان میں بھی ان کے مالی مفادات ہیں؟''

''گویا ابھی وقت لگے گا؟''

''تم نے جو کہا کہ کاش' ہم مختلف حالات میں ملے ہوتے تو مختلف حالات تو اب بھی ہو سکتے ہیں۔''

''تم ایسا چاہتی ہو؟''

''ہاں' میں نئی زندگی کا آغاز چاہتی ہوں۔'' ماریہ نے کہا ''اور میں ذیشان انور کا اصل چہرہ دیکھنا چاہتی ہوں۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے رخسار کے زخم کے نشان کو چھوا ''ذیشان' تمہارے ساتھ یہ کس نے کیا؟ میرے ڈیڈی کو کس نے اغوا کیا؟''

''مجھے معلوم نہیں۔'' ذیشان نے کہا ''اور میرا خیال ہے قیصر کو بھی معلوم نہیں۔''

☆☆☆☆

ان کے ہوٹل کے عین نیچے' فرید قیصر کو رپورٹ دے رہا تھا۔ رپورٹ تقریباً مکمل ہو چکی تھی

''چیکوسلوئیین ہر اس چیز پر فائر کر رہے تھے جو سامنے تھی۔'' فرید نے کہا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد اضافہ کیا ''سوائے ہمارے۔''

''مخالف پارٹی کون تھی؟'' قیصر نے پوچھا۔

''معلوم نہیں۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ ان لوگوں کے پاس صرف پستول تھے۔ اس کی جھلک ہم نے صرف اس وقت دیکھی جب ذیشان نے ان پر اسی عفریت گن سے فائر کیا تھا۔ یہ ذیشان غضب کا آدمی ہے۔''

''اس میں کوئی شک نہیں۔''

''مشکل سے مشکل صورت حال میں بھی وہ خود پر قابو رکھتا ہے۔ بہت اچھا شاطر ہے۔ دلدل پار کرنے والا آئیڈیا اسی کا تھا اور بہت اچھا آئیڈیا تھا کیونکہ اس کی وجہ سے ہمارا چیکوسلوکین گروہ سے سامنا ہی نہیں ہوا۔ اور جب کشتی ڈوب گئی تو ذیشان نے ہماری رہنمائی کی۔'' فرید یاد کر کے مسکرایا ''اس نے تیس فٹ لمبی رسی سے ہم سب کو باندھ کر قطار میں چلایا اور وقت کے بارے میں اس کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ ہم ہٹ سے نکلنے کے ٹھیک سات گھنٹے بعد مین روڈ پر پہنچ گئے تھے۔''

''ویٹسو میں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟'' قیصر نے پوچھا۔

''نہیں۔ لیکن ڈاکٹر متی اپنی کشتی اور گن کے نقصان پر ضرور واویلا کرے گا۔''

''اس کی فکر نہ کرو۔ وہ معاملہ میں برابر کر دوں گا۔''

''وہاں چیکوسلوکین تھے' امریکن تھے اور ایک گروہ جرمنوں کا بھی تھا۔''

''مشرقی جرمنی کے یا مغربی جرمنی کے؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ دونوں ایک ہی زبان بولتے ہیں۔''

''اور وہ شخص جس نے ذیشان کے سر پر وار کر کے نقشہ چھینا؟''

''اس کے متعلق تو مجھے شروع سے آخر تک پتا ہی نہیں چلا۔'' فرید نے اعتراف کیا ''میرا خیال ہے وہ تنہا آدمی تھا' صرف اپنے لیے کام کر رہا تھا۔''

''گویا چار پارٹیاں ہو گئیں اور روسی اب تک سامنے نہیں آئے۔'' قیصر کے لہجے میں فکر مندی تھی۔

''ہاں۔ لیکن پانچ پارٹیاں کہو۔ ایک پارٹی وہ بھی تو تھی جس نے ڈاکٹر یعقوب کو اغوا کر کے ذیشان کو اس کی جگہ دی۔ وہ ہمارے پیچھے آئے بھی نہیں ہوں گے۔''

''میرا خیال ہے ذیشان اور ڈاکٹر یعقوب کا چکر چلانے والوں کو تو میں پہچان گیا ہوں اور روسی اب تک ملوث ہوئے ہی نہیں ہیں۔''

''تم کہہ رہے تھے' صابر یہاں آیا تھا۔ وہ کیا چاہتا تھا؟'' فرید نے پوچھا۔

''مجھے علم ہی نہیں ہوا۔ میں نے اسے تنہائی میں بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ احمد کو گواہ بنایا۔ سو وہ ڈر گیا لیکن اسے ڈاکٹر زبیری کی یہاں موجودگی کا علم تھا اور وہ ذیشان کے بارے میں بھی جانتا ہے۔''

''ارے! اس کا مطلب ہے' ہمیں اپنے محکمے کی تطہیر کرنی چاہیے۔ باتیں ایسے کیسے باہر نکل جاتی ہیں اور وہاں' ڈاکٹر زبیری نے کیا بتایا؟''

’’ہمارا مشن کامیاب رہا ہے۔ وہ دستاویزات کی فوٹو کاپیاں وطن لے گئے ہیں۔ اب ہم آپریشن کے اگلے مرحلے میں داخل ہوں گے۔ لیکن میں چاہتا ہوں اس سے پہلے ذیشان اور ماریہ یہاں سے نکل جائیں۔ کل صبح دس بجے کی فلائٹ پر ان کی سیٹیں بک ہیں۔‘‘

’’اور یجنل دستاویزات کہاں ہیں؟‘‘

’’لائبریری کے سیف میں۔‘‘

’’ارے وہ‘ اسے سیف کہتے ہو۔ اسے تو میں ہیئر پن سے بھی کھول سکتا ہوں۔‘‘

قیصر مسکرایا ’’ان حالات میں اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟‘‘

’’ہاں‘ یہ تو ہے۔‘‘ فرید نے کہا۔

☆☆☆

اس رات ذیشان سونے کے لیے جلدی لیٹ گیا۔ کئی دن سے نیند پوری نہیں ہوئی تھی اور پھر اگلے روز سویرے اٹھنا تھا۔ صبح دس بجے ان کی فلائٹ تھی۔

اس کی آنکھ کھل گئی۔ کوئی اسے جھنجوڑ رہا تھا۔

’’اٹھو ذیشان۔‘‘

وہ ماریہ تھی۔ وہ کوشش کر کے کہنی کے بل اٹھا ’’کیا بات ہے ماریہ؟ لائٹ آن کر دو۔‘‘

’’نہیں‘‘ ماریہ بولی ’’ذیشان‘ کوئی عجیب چکر چل رہا ہے۔‘‘

ذیشان آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھا ’’کیسا چکر؟‘‘

’’پوری طرح تو میری سمجھ میں نہیں آیا لیکن لائبریری میں کچھ امریکن موجود ہیں۔ ان میں وہ بھی جسے تم نے بور قرار دیا تھا۔‘‘

’’کڈر..... جیک کڈر؟‘‘

’’ہاں‘ میرا خیال ہے وہی ہے۔ میں نے اس کی آواز سنی ہے۔‘‘

کڈر‘ وہ شخص جس نے ہیلسنکی کے ہوٹل میں سوناباتھ سے اٹھوا کے اس سے پوچھ گچھ کی تھی‘ جو کیون میں امریکی پارٹی کی قیادت کر رہا تھا۔ وہ جو خود کو بے وقوف اور بور ظاہر کرتا تھا۔

’’تمہیں کیسے پتا چلا؟‘‘ ذیشان نے ماریہ سے پوچھا ’’یہ تم آدھی رات کو کیا کرتی پھر رہی تھیں؟‘‘

’’مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ میں اپنے بیڈروم کی کھڑکی میں کھڑی تھی کہ مجھے یہ لوگ نظر آئے اور ان کی حرکتیں مشکوک تھیں۔ پھر یہ سب غائب ہو گئے ہیں۔ میں سوچتی رہی کہ کیا کروں۔ میں نے سوچا‘ فرید یا قیصر کو تلاش کر کے انہیں خبردار کر دوں مگر مجھے نہیں معلوم کہ ان کے کمرے

کہاں ہیں۔ میں نیچے گئی‘ وہاں لائبریری میں روشنی ہو رہی تھی۔ میں دروازے پر پہنچی تو میں نے کڈر کی آواز سنی۔‘‘

’’کیا کہہ رہا تھا وہ؟‘‘

’’یہ معلوم نہیں۔ الفاظ سنائی نہیں دے رہے تھے۔ بس میں اس کی آواز پہچان گئی۔ اب میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں۔ سو میں نے آ کر تمہیں جگا دیا۔‘‘

’’یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں کہ قیصر کا کمرا کہاں ہے۔‘‘ ذیشان نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا ’’میں نیچے جا کر دیکھتا ہوں۔‘‘

’’محتاط رہنا۔‘‘

’’میں صرف سنوں گا۔ لیکن ماریہ‘ تم گلا پھاڑ کر چیخنے کے لیے تیار رہنا۔‘‘

وہ بہت آہستگی سے بیڈروم کا دروازہ کھول کر راہداری کی نیم تاریکی میں نکل گیا۔ لکڑی کے زینے پر آہٹ پیدا کرنے سے بچنے کے لیے اسے پھونک پھونک کر قدم رکھنے پڑے۔ لائبریری کا دروازہ بند تھا لیکن نچلی درز سے اندازہ ہوتا تھا کہ اندر روشنی ہو رہی ہے۔

اس نے دروازے سے کان لگائے۔ مردانہ آوازیں سنائی دیں۔ ان میں جیک کڈر کی آواز بہت واضح تھی۔ لفظ اس کے بھی پلے نہیں پڑ رہے تھے۔ دوسری آواز قیصر کی تھی۔

ذیشان سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ کیا کیا جائے۔ ماریہ نے جمع کا صیغہ استعمال کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ کڈر کے ساتھ اور لوگ بھی ہیں۔ اگر کڈر نے پستول کے زور پر قیصر کو الجھا رکھا ہے تو کیوں نہ شور مچا دیا جائے لیکن نہیں‘ صورت حال اور بگڑ جائے گی۔

اس نے پلٹ کر دیکھا‘ ماریہ زینوں پر کھڑی تھی۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس نے دروازے کی ناب تھام کر اسے بڑی آہستگی سے گھمایا۔

دروازہ خفیف سا کھلا‘ آوازیں واضح ہو گئیں۔ قیصر کہہ رہا تھا ’’تو سومیو میں تم پھر دشواری میں پڑ گئے؟‘‘

’’خدایا! میں تو سمجھا تھا کہ ہمارا ٹکراؤ فنی فوج سے ہو گیا ہے مگر بعد میں پتا چلا کہ وہ چیکو سلوکیین تھے۔ ان سے مڈبھیڑ کی تو امید بھی نہیں تھی۔ ہمارا ایک آدمی زخمی ہو گیا۔ ان بدبختوں کے پاس بڑی پاور فل رائفلیں تھیں۔ اس کے علاوہ شعلہ اگلنے والی کوئی عجیب توپ بھی تھی۔ اسی لیے تو میں پٹیوں میں بندھا ہوا ہوں۔‘‘

قیصر ہنس دیا ’’وہ تو ہماری پارٹی تھی۔‘‘

ذیشان نے دروازہ آدھے انچ کے قریب کھولا اور خلا سے آنکھ لگا دی۔ قیصر کونے میں

رکھے سیف کے پاس کھڑا تھا البتہ کڈر نظر نہیں آرہا تھا۔ ''وہ کوئی توپ نہیں بہت پرانی اور بہت بڑی شاٹ گن تھی اور اسے چلانے والا اور کوئی نہیں تمہارا ڈاکٹر یعقوب سعید تھا۔''

''بہت چالاک ہے وہ۔'' کڈر بڑبڑایا۔

''تمہیں اس کو ہیلسنکی میں اٹھوانا نہیں چاہیے تھا۔'' قیصر نے کہا ''میرا خیال تھا کہ تمہیں مجھ پر بھروسا ہے۔''

''میں کبھی کسی پر بھروسا نہیں کرتا۔ ویسے بھی تم بہت راز داری سے کام کر رہے تھے۔ مجھے یہ تو نہیں معلوم تھا کہ دستاویزات کہاں ہیں۔ میرے پاس ڈاکٹر یعقوب کے سوا کوئی کلیو نہیں تھا۔ اس نے بھی مجھے عجیب عجیب خرافات سنائیں اور یقین بھی دلا دیا۔ پھر اس نے بڑی صفائی سے مجھے ہی ہاتھ دکھا دئے۔ تم پاکستانی لوگ سائنس دانوں کو ہاتھا پائی کا ماہر بھی بنا دیتے ہو۔''

''ڈاکٹر ایک غیر معمولی آدمی ہے۔''

کڈر کی آواز بدلی۔ لہجہ کاٹ دار ہو گیا ''میرا خیال ہے گفتگو بہت ہو لی۔ یہ بتاؤ پروفیسر ابراہیم کی دستاویز کہاں ہے۔''

''سیف میں ہے۔'' قیصر نے تیز لہجے میں کہا ''اور یہ ریوالور ہٹا دو۔''

''یہ اس لئے ہے کہ کھڑکی سے اچانک کوئی نہ آجائے۔ کڈر نے کہا ''یہ تمہارے تحفظ کے لیے ہے، تمہارے خلاف نہیں۔ کیونکہ تم ہم سے تعاون کر رہے ہو۔ تم کیسے آدمی ہو قیصر۔ جب یہ خبر آئی کہ تم سودے بازی پر رضا مند ہو تو کسی کو یقین بھی نہیں آرہا تھا۔ لوگ کہتے تھے قیصر جیسا کھرا اور اصول پرست آدمی نہیں بک سکتا۔''

قیصر نے کندھے جھٹک دئے ''میں ریٹائرمنٹ کے قریب پہنچ گیا ہوں اور کیا ملا ہے مجھے؟ کیا ہے میرے پاس میں نے زندگی خوف اور خدشے کی دودھاری تلوار کے ساتھ گزاری ہے۔ میرے اعصاب تباہ ہو چکے ہیں۔ میرے پیٹ میں السر پل رہا ہے۔ میں نے لوگوں پر گولیاں چلائیں، لوگوں نے مجھ پر گولیاں چلائیں۔ مہمات کے دوران دو بار پکڑا گیا۔ کچھ کم تشدد نہیں جھیلا میں نے۔ میں وہ سب کچھ یاد رکھنا نہیں چاہتا۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اتنا سب کچھ سہنے کے بعد مجھے جو پنشن ملے گی وہ میری ضروریات کے لیے ناکافی ہو گی۔''

''سو تم بدل گئے۔ اور کیونکہ تم بہت دیانت دار تھے اس لیے تمہیں دام بھی زیادہ ملے۔'' کڈر نے اسے چھیڑا۔

''تم مذاق اڑا سکتے ہو میرا۔'' قیصر نے سرد لہجے میں کہا ''لیکن جب میری عمر کو پہنچو گے تو میری بات یاد آئے گی۔''

''او کے، او کے۔ میں نے مان لیا۔ تم بڈھے ہو رہے ہو اور تمہیں کچھ ملنا چاہیے۔ میں جانتا ہوں تمہاری حکومت غیر ضروری فضول خرچی کرتی ہے لیکن جہاں رقم دینی چاہیے وہاں کنجوسی کرتی ہے۔ ارے، تمہیں تو ہمارے ساتھ ہونا چاہیے تھا شروع سے۔ تم جانتے ہو سی آئی اے کیا دیتی ہے نہیں؟''

''اب گفتگو کون کر رہا ہے۔'' قیصر نے کہا ''پہلے مجھے یقین دلاؤ کہ طے شدہ رقم سوئٹزر لینڈ میں میرے اکاؤنٹ میں جمع کرا دی گئی ہے۔''

''تم ہمیں جانتے ہو۔'' کڈر نے کہا ''جو ہمیں دھوکا نہیں دیتے، ہم انہیں دھوکا نہیں دیتے۔ اب سیف کھلواؤ اور دستاویز مجھے دے دو۔''

ذیشان کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس نے اتنی ذہنی اور جسمانی اذیتیں وطن کے لیے اٹھائی ہیں۔ اب ثابت ہو رہا تھا کہ اس کا وہ ایثار خود غرض قیصر کے لیے تھا۔ قیصر...... قیصر اس دستاویز کو فروخت کر رہا تھا! اگر اس نے اپنے کانوں سے سب کچھ نہ سنا ہوتا تو کبھی یقین نہ کرتا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ لائبریری میں صرف وہ دونوں تھے۔ قیصر نظر آرہا تھا۔ کڈر کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ یہ مفروضہ معقول تھا کیونکہ اپنے مخاطب کی طرف پیٹھ کر کے کوئی بھی اتنی لمبی گفتگو نہیں کرتا۔

اہم بات یہ تھی کہ کڈر کے پاس پستول تھا۔

ذیشان نے ادھر ادھر دیکھا۔ ماریہ بدستور زینے پر کھڑی تھی لیکن وہ اس سے مدد طلب نہیں کر سکتا تھا۔ اسے ہال میں میز پر رکھا گلدان نظر آیا۔ وہ ایک قدم بڑھا اور گلدان اٹھا لیا۔ وہ دوبارہ اپنی جگہ پہنچا تو قیصر سیف کھول چکا تھا اور کاغذات نکال کر ترتیب سے رکھ رہا تھا۔

کڈر کہہ رہا تھا ''میں نے وعدہ کیا تھا کہ ڈاکٹر یعقوب اور فرید کا پیچھا کروں گا تاکہ ڈراما مؤثر معلوم ہو۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہاں جنگ کی سی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں مر بھی سکتا تھا۔'' اس کے لہجے میں شکایت تھی۔

قیصر اور کاغذات نکالنے کے لیے جھکا ''لیکن مرے تو نہیں تم۔''

ذیشان نے بے حد آہستگی سے دروازے کو دھکیلا۔ کڈر کی پیٹھ اس کی طرف تھی۔ ریوالور والا ہاتھ بے پروائی سے اس کے پہلو سے ٹکا ہوا تھا۔ قیصر سیف میں دیکھ رہا تھا۔ ذیشان دبے قدموں بڑھا اور گلدان پوری قوت سے کڈر کے سر پر رسید کر دیا۔ گلدان کے ٹکڑے ہو گئے اور کڈر بغیر کوئی آواز نکالے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

قیصر نے آواز سن کر پلٹ کر دیکھا۔اتنی دیر میں ذیشان کڈر کے ہاتھ سے ریوالور لے چکا تھا۔اب ریوالور کا رخ قیصر کی طرف تھا۔

"تم ذلیل، کمینے انسان! میں نے وہ اذیتیں تمہارے لیے نہیں اٹھائی تھیں۔ میں نے سوچا تھا میرا وطن ناقابل تسخیر ہو جائے گا۔"

قیصر کے کچھ کہنے سے پہلے فرید جھپٹ کر کمرے میں داخل ہوا۔اس نے وہ منظر دیکھا اور پتھر کا بت بن گیا" پاگل تو نہیں........"

"بکواس مت کرو۔" ذیشان نے اس کی بات کاٹ دی" میرا خیال ہے اس غداری میں تم بھی شریک ہو۔میں حیران تھا کہ آخر احمد اور شیلا کو واپس بھجوانے کی اتنی جلدی کیوں کی تھی قیصر کو۔شیلا کو تو کپڑے بدلنے کی مہلت بھی نہیں ملی اور اسے انگلینڈ بھجوا دیا گیا۔کیوں قیصر؟"

قیصر آگے بڑھا" یہ ریوالور مجھے دے دو۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"آگے مت بڑھو۔"

عقب سے ماریہ نے پوچھا" یہ کیا ہو رہا ہے، ذیشان؟"

"یہ وطن پرست بک چکے ہیں۔سوئٹزر لینڈ کے بینک میں رقمیں جمع ہو رہی ہیں۔"

ذیشان نے پلٹ کر دیکھے بغیر کہا۔پھر اس نے قیصر کو ڈپٹا جو آگے بڑھ رہا تھا" میں نے کہا ہے حرکت نہ کرو۔"

قیصر نے اس کو نظر انداز کر دیا" بے وقوف، یہ ریوالور مجھے دو اور سکون سے بیٹھ کر بات کرو۔" وہ ذیشان سے اور قریب ہو گیا۔

ذیشان ایک قدم پیچھے ہٹ گیا" قیصر، میں تمہیں آخری بار سمجھا رہا ہوں۔اب اگر آگے بڑھو گے تو میں گولی چلا دوں گا۔"

"نہیں۔تم گولی نہیں چلاؤ گے۔" قیصر نے بے حد یقین سے کہا اور ایک قدم اور آگے بڑھ آیا۔

ٹریگر پر ذیشان کی انگلی کا دباؤ بڑھنے لگا۔اسی لمحے قیصر کا ہاتھ سانپ کی سی پھرتی سے لپکا۔اس نے پستول کی نال پر اپنی ہتھیلی رکھ دی۔

ذیشان نے ٹریگر دبا دیا مگر گولی نہیں چلی۔

ذیشان ٹریگر دباتا چلا گیا مگر کچھ نہیں ہوا پھر قیصر کا دوسرا کھڑا ہاتھ ذیشان کی گردن پر پڑا۔اس کی نظر دھندلا گئی۔

ماریہ چیخی.....

فرید کا چہرہ زرد تھا۔اس نے فرش پر بکھرے ہوئے ذیشان کو دیکھا" تم خوش قسمت ہو کہ سیفٹی کیچ آن تھا۔" وہ بولا۔

قیصر نے جھک کر ریوالور اٹھایا" کون کہتا ہے کہ سیفٹی کیچ آن تھا۔" اس نے تیز لہجے میں کہا۔

ماریہ ذیشان پر جھکی اسے ٹٹول رہی تھی۔پھر اس نے سر اٹھا کر کہا" خبیث انسان، یہ کیا کیا تم نے؟"

"اس نے مجھے مارنے کی کوشش کی تھی۔" قیصر نے نرم لہجے میں کہا۔

"اگر سیفٹی کیچ آن نہیں تھا تو پھر...." فرید نے پوچھنا چاہا۔

قیصر نے ریوالور کو انگلی میں گھمایا" کڈر نے یہ ریوالور مقامی مارکیٹ سے خریدا ہے۔" اس نے کہا" یہ ہسک ورنا ماڈل ۴۰ ہے۔اچھا ریوالور ہے مگر ایک خامی ہے اس میں۔اس کی نال میں انچ کے سولھویں حصے کا فرق ہے۔اگر نال پر پیچھے کی طرف سے دباؤ ڈالا جائے تو ٹریگر نہیں دبتا۔" اس نے ریوالور کی نال کو اپنے ہاتھ میں دبایا اور ٹریگر دبا دیا" دیکھو، یہ نہیں دبا۔" اس نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔

"لیکن میں اس بنیاد پر کبھی خود کو داؤ پر نہیں لگا سکتا۔" فرید نے تند لہجے میں کہا" باقی تو یہ ہر اعتبار سے نارمل ہے نا؟"

قیصر نے شریر نگاہوں سے اسے دیکھا" باہر کڈر کے ساتھی موجود ہیں۔انہیں بھی بلا لینا چاہیے۔" اس نے کہا" ویسے مجھے گلدان کی ہی ساخت کبھی پسند نہیں رہی۔" یہ کہہ کر اس نے میز پر رکھے ہوئے ویسے ہی گلدان کا نشانہ لیا جیسا ذیشان، کڈر کے سر پر توڑ چکا تھا۔اور ٹریگر دبا دیا۔

گلدان کے ٹکڑے اڑ گئے۔

"اب وہ بھی آ جائیں گے۔" قیصر نے ریوالور والا ہاتھ نیچے کرتے ہوئے کہا۔

وہ انتظار کرنے لگے۔ماریہ، ذیشان کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔کڈر بے ہوش پڑا تھا۔اس کے چہرے کی پٹیاں ہٹ گئی تھیں اور چہرے کے داغ جیسے نشانات نظر آ رہے تھے جو شکاری گن کی یادگار تھے۔قیصر اور فرید کمرے کے وسط میں کھڑے تھے۔خاموش اور چوکس۔

سامنے والی کھڑکی کا پردہ سرکا اور تازہ ہوا کمرے میں در آئی۔ایک نسوانی آواز نے کہا

"مسٹر قیصر، ریوالور نیچے پھینک دو۔"

قیصر نے ریوالور میز پر رکھ دیا۔

کھڑکی کے پردے پوری طرح ہٹے اور مسز کڈر اندر آ گئی۔ وہ ہمیشہ کی طرح مختصر الوجود اور بے ضرر لگ رہی تھی لیکن اس کے ہاتھ میں بے حد خوفناک ریوالور تھا۔ اس کے پیچھے دو قوی الجثہ مرد بھی تھے۔

''کیا ہوا؟'' مسز کڈر کی آواز اور لہجہ بدلا ہوا تھا۔

قیصر نے ذیشان کی طرف اشارہ کیا ''یہ غیر متوقع طور پر نازل ہو گیا۔ اس نے تمہارے شوہر کی تاج پوشی کر ڈالی۔''

مسز کڈر نے ریوالور جھکا لیا اور کندھوں سے پیچھے دیکھتے ہوئے کچھ بڑبڑائی۔ مردوں میں سے ایک کڈر پر جھک گیا۔

''کاغذات کہاں ہیں؟'' مسز کڈر نے پوچھا۔

''سیف کے اوپر رکھے ہیں۔ وہ کوئی مسئلہ نہیں۔'' قیصر نے جواب دیا۔

''اور یہ لڑکی؟'' مسز کڈر کے ریوالور کا رخ ماریہ کی طرف ہو گیا۔

''میں نے کہا نا کوئی مسئلہ نہیں۔'' قیصر نے سخت لہجے میں کہا۔ مسز کڈر نے کندھے جھٹک دئیے ''تم جانو۔''

دوسرا شخص سیف کی طرف بڑھا اور اس نے کاغذات کینوس کے تھیلے میں رکھنے شروع کر دئیے۔ قیصر نے فرید کی طرف دیکھا اور پھر کڈر کی طرف دیکھا جو ہوش میں آ رہا تھا۔ وہ کچھ بڑبڑایا۔ آواز بلند نہیں تھی لیکن اتنی بہرحال تھی کہ قیصر نے سن لی۔

وہ روسی زبان میں بڑبڑایا تھا۔

کڈر پر جھکے ہوئے شخص نے بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھا لیا۔ وہ اسے کھڑکی کے پاس لے گیا۔ قیصر کو نظر تو نہیں آیا لیکن اسے یقین تھا کہ اس شخص کا بھاری ہاتھ سختی سے کڈر کے منہ پر جما ہوا تھا۔

دوسرے شخص نے تمام کاغذات کینوس کے تھیلے میں منتقل کر لیے تو وہ بھی کھڑکی کی طرف بڑھا۔

''اگر یہ وہی کاغذات ہیں جن کی ہمیں ضرورت ہے تو طے شدہ رقم تمہارے دئیے ہوئے بینک اکاؤنٹ نمبر میں جمع کرا دی جائے گی۔'' مسز کڈر نے کہا۔

''وعدہ خلافی نہ کرنا، وہ میری پنشن ہے۔'' قیصر نے کہا۔

مسز کڈر بغیر کوئی جواب دئیے کھڑکی کی طرف بڑھ گئی۔ وہ لوگ باری باری کھڑکی سے

باہر کود گئے۔

قیصر چند لمحے انتظار کرتا رہا، پھر اس نے جا کر کھڑکی بند کر دی۔ اپنی جگہ واپس آ کر اس نے پائپ سلگایا۔

''دیکھا۔ کڈر مجھے یہ تاثر دے رہا تھا کہ اس کا تعلق سی آئی اے سے ہے۔ میں اس کے لہجے سے کھٹکتا رہا تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ امریکی لگتا تھا۔ وہ امریکی محاورے بھی کچھ زیادہ ہی استعمال کرتا تھا۔ خود امریکی اتنے محاورے استعمال نہیں کرتے۔ سو ثابت ہو گیا کہ روسی بھی ملوث تھے۔'' اس نے فرید سے کہا۔

''کبھی کبھی تم میری سمجھ میں بالکل نہیں آتے۔''

''اور ذیشان نے ٹھیک کہا تھا۔ تم بہت خبیث انسان ہو۔'' ماریہ نے پلٹ کر کہا۔

''فرید، ہمارے دوست ذیشان نے آج بہت سخت دن گزارا ہے۔'' قیصر نے فرید سے کہا ''اسے بستر پر پہنچا دو۔''

☆☆☆☆

اکتوبر کا مہینہ تھا۔ ذیشان نے سڑک پار کی اور اے آئی بی بلڈنگ کی طرف بڑھ گیا۔ اسے خط کے ذریعے طلب کیا گیا تھا اور وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اسے بلانے والا کون ہے، البتہ یہ بات سمجھ میں آتی تھی کہ جو کچھ اسکنڈے نیویا میں ہوا اسے اسی سلسلے میں طلب کیا گیا ہے۔

سیکیورٹی کیبن میں اس نے کلرک کو اپنا نام بتایا۔ کلرک متوقع ملاقاتیوں کی فہرست میں اس کا نام تلاش کرنے لگا ''ذیشان انور، ذیشان انور۔'' وہ بڑبڑا رہا تھا۔

ذیشان اپنی داڑھی کو تھپتھپا رہا تھا جو اچھی خاصی بڑی ہو گئی تھی۔

کلرک نے سر اٹھا کر اسے دیکھا ''جی ہاں سر، آپ کو کمرا نمبر ۵۴ میں جانا ہے۔ میں آپ کے ساتھ آدمی بھیج دوں گا۔ آپ اس فارم پر دستخط کریں۔''

ذیشان نے اپنے دستخط کئے اور نوجوان چپراسی کے ساتھ عمارت میں داخل ہو گیا۔ وہ لفٹ میں بیٹھ کر تیسری منزل پر گئے۔ چپراسی اسے کمرہ نمبر ۵۴ کے سامنے لے گیا ''یہ ہے سر۔'' اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا ''اندر تشریف لے جائیں۔''

ذیشان اندر داخل ہوا اور دروازہ بند کر دیا۔ اس نے پلٹ کر میز کی طرف دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ کھڑکی کی طرف سے کوئی پلٹتا نظر آیا۔

''میں تمہیں سڑک پار کرتے دیکھ رہا تھا۔'' قیصر نے کہا ''میں صرف تمہارے چلنے کے انداز کی وجہ سے تمہیں پہچان سکا۔ تم بہت بدل گئے ہو۔''

ذیشان نے بے صبری سے کہا ''کیا میں یہاں تم سے ملنے آیا ہوں؟''

''نہیں۔ مجھے تو بس تمہیں اس ملاقات کے لیے تیار کرنا ہے۔ وہاں کیوں کھڑے ہو۔ آؤ بیٹھو۔ یہ بڑی آرام دہ کرسی ہے۔''

ذیشان بڑھا اور ایک چرمی کرسی پر بیٹھ گیا۔ قیصر ڈیسک پر بیٹھ گیا۔

''اسپتال میں قیام زیادہ تکلیف دہ تو نہیں رہا!''

''نہیں۔'' ذیشان نے مختصراً کہا۔ قیام تو تکلیف دہ رہا تھا لیکن وہ قیصر سے بات کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

''میں جانتا ہوں۔'' قیصر نے کہا ''تم فکر مند بھی تھے اور خوف زدہ بھی۔ فکر مند تم اس لیے تھے کہ میں اب بھی ڈیپارٹمنٹ میں موجود ہوں۔ تم میرے خلاف شکایت کرنا چاہتے تھے لیکن تمہاری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ شکایت کس سے کی جائے۔ تم خوف زدہ تھے کہ سرکاری رازوں سے متعلق ایکٹ کے تحت تم خود مصیبت میں پھنس سکتے ہو لیکن تم مجھ غدار کو سزا بچتے دیکھنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ مجھے یقین ہے تم اور ماریہ گزشتہ دو ہفتے سے اس موضوع پر بہت سنجیدگی سے تبادلۂ خیال کرتے رہے ہو گے۔ ہے نا؟''

ذیشان کو قیصر سے خوف آنے لگا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اس کا ذہن پڑھ رہا ہے ''ہاں ہم اس سلسلے میں سوچتے رہے ہیں۔'' ذیشان نے نہ چاہنے کے باوجود کہا۔

''بات سمجھ میں نہیں آنے والی ہے۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ تمہیں زبان کھولنے سے کیسے روکا جائے۔ ہم زبردستی کے قائل نہیں۔ ہمارے سامنے ایک ہی راستہ ہے۔ وہ یہ کہ ہم تمہیں قائل کر دیں کہ زبان کھولنا نامناسب ہو گا۔ اور جنرل ضمیر ہی تمہیں قائل کر سکتے ہیں۔ تمہیں ان سے ملنا ہے۔''

ذیشان نے اکثر ضمیر کا نام سنا تھا ''وہ مجھ سے ملیں گے؟'' ''ہاں۔ فی الوقت تم یہ پڑھ لو۔'' قیصر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ بھی سرکاری راز ہے۔ یہ تمہیں موجودہ صورت حال سے کسی حد تک آشنا کر دے گا۔'' اس نے میز پر سے ایک فائل اٹھا کر ذیشان کی طرف بڑھا دی ''پڑھو، میں ابھی آتا ہوں۔''

قیصر کے جانے کے بعد ذیشان نے فائل کھولی۔ جیسے جیسے وہ پڑھتا گیا اس کی آنکھیں پھیلتی گئیں۔ ایک بار پڑھنے کے بعد اس نے دوبارہ فائل کو پڑھا۔

قیصر آدھے گھنٹے کے بعد واپس آیا۔ اس کے ساتھ ایک بے حد بارعب شخص تھا۔ اسے دیکھ کر ذیشان خود بخود مؤدب ہو گیا۔

''یہ جنرل ضمیر ہیں۔'' قیصر نے تعارف کرایا ''اور سر، یہ ذیشان انور۔''

جنرل نے ذیشان سے ہاتھ ملایا ''تو تم ہو ذیشان انور۔'' انہوں نے خوش گوار لہجے میں کہا ''ہم تمہارے شکر گزار ہیں۔ بیٹھو۔'' وہ خود میز کے پیچھے ریوالونگ چیئر پر جا بیٹھے۔ انہوں نے قیصر سے پوچھا۔ ''کیا انہوں نے......''

''یس سر، یہ پڑھ چکے ہیں۔''

جنرل صاحب بیٹھ گئے ''جو کچھ تم نے پڑھا ہے اس کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟''

ذیشان گڑبڑا گیا ''میں......میں کیا کہوں۔''

''اسے تم کیا کہو گے؟''

''جنگی حکمت عملی پر ایک مقالہ۔'' ذیشان نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔

''بات یہ ہے کہ ہر بڑی طاقت کے پاس مہلک اور تباہ کن ہتھیار ہیں۔ جنگ شروع ہونا بہت خطرناک ہے۔ فرض کرو ہم کسی بڑی طاقت سے حالت جنگ میں ہیں جس کے پاس جدید ایٹمی ہتھیار بے حد و بے حساب ہیں۔ ہم اس پر موقع ہونے کے باوجود کاری ضرب لگانے سے ہچکچائیں گے، ہمیں یہ ڈر رہے گا کہ کہیں وہ باقاعدہ ایٹمی جنگ نہ شروع کر دے۔'' جنرل صاحب قیصر کی طرف مڑے۔ ''قیصر، ذرا وضاحت کرو۔''

قیصر آگے کی طرف جھک آیا ''جب سے ایٹم بم ایجاد ہوا ہے نسل انسانی بہت بلندی پر تنی ہوئی ایک رسی پر چل رہی ہے اور ایک بار برٹرینڈ رسل نے کہا تھا بلندی پر تنی ہوئی ایک رسی پر دس منٹ تک تو چلا جا سکتا ہے لیکن اسی رسی پر بغیر کسی حادثے کے دو سو سال تک نہیں چلا جا سکتا۔'' اس نے کندھے جھٹک دیے ''ہمیں اس تنی ہوئی رسی پر چلتے ہوئے پچاس برس ہونے کو آئے۔ اب اس بازیگر کا تصور کرو جو تنی ہوئی رسی پر چلتا ہے۔ توازن قائم رکھنے کے لیے اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی ہوتی ہے۔ اگر اس چھڑی پر بہت زیادہ وزن ڈال دیا جائے تو کیا ہو گا؟''

''بازیگر گر جائے گا۔'' ذیشان نے کہا۔ بات اس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔

''پروفیسر ابراہیم نے ایک اہم چیز دریافت کی مگر اس زمانے میں اس کے عملی استعمال کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔'' جنرل ضمیر بولے ''اٹیک کرنے والے ہتھیار بہت ہیں اور بہت مؤثر ہیں۔ ایسے میں دفاع کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ پروفیسر ابراہیم کی ایجاد دنیا کے ہر ہتھیار کو غیر مؤثر کر سکتی ہے۔ اچھا اب فرض کر لو، یہ دفاع صرف روس کے پاس ہو تو کیا ہو گا؟''

''دفاع کی طرف سے بے فکر ہو کے وہ پہلی فرصت میں ایٹمی جنگ چھیڑ دے گا

کیونکہ محفوظ صرف وہی ہوں گے۔'' ذیشان نے جواب دیا۔

''ڈاکٹر یعقوب نے اسٹاک ہوم میں بے سوچے سمجھے لوگوں سے اس سلسلے میں بات کی۔'' قیصر نے کہا'' اور ایسی خبریں پر لگا کر اڑتی ہیں۔ ہمارا مسئلہ یہ تھا کہ کاغذات روس میں تھے۔ اگر کاغذات روسیوں کے ہتھے چڑھ جاتے تو روسی انہیں بھینچ کر بیٹھ جاتے۔ اب اصل کاغذات روسیوں کے پاس ہیں لیکن ہمارے پاس ان کی فوٹو کاپی موجود ہے۔''

''لیکن تم نے تو کاغذات امریکیوں کو فروخت کئے تھے؟'' ذیشان نے اعتراض کیا۔

''کڈر در حقیقت روسی تھا۔'' قیصر نے بتایا'' اور میں نے مختلف ذرائع سے یہ تاثر دیا کہ میں بکنے کو تیار ہوں۔ لیکن روسی جانتے تھے کہ میں انہیں ناپسند کرتا ہوں۔ ان سے تعاون نہیں کروں گا۔ سوانہوں نے یہ کھیل کھیلا۔ اپنے ایجنٹ کو امریکی بنا کر پیش کیا۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''دیکھو اب یہ راز روسیوں کے پاس ہے۔ ہمارے پاس بھی ہے۔ ہم اسے امریکا اور چین کو بھی دے دیں گے۔ طاقت کا توازن قائم ہوگا کہ نہیں.....''

''بازی زچ ہوگئی۔'' جنرل صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔'' اگر یہ بات عام ہو جاتی ہے کہ ہم نے ایک اہم ترین ہتھیار روسیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے تو ہم غدار کہلائیں گے۔ ہمارے لیے کہیں پناہ نہ ہوگی۔ ہماری نیت کوئی نہیں دیکھے گا۔ حکومت اور ریاست کا فرق سامنے رکھنا چاہیے۔ حکومتیں آتی جاتی رہتی ہے۔ ریاست اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ ہم وطن کے لیے کام کرتے ہیں حکومت کے لیے نہیں۔ حکومتیں اپنے کرپشن کو چھپانے کے لیے عوام کو دکھانے کو کوئی چیز جانتی ہیں۔ خواہ وہ کوئی اہم ترین سرکاری راز ہو۔ یہ مناسب طرز عمل نہیں۔ جمہوریت کے نام پر لنگڑے لولے مینڈیٹ کے حوالے سے آمریت کرنیوالے وطن کے مفاد کو بالائے طاق رکھتے ہیں تو ختم بھی ہو جاتے ہیں۔''

''چھوڑو سیاست کو۔'' جنرل ضمیر نے قیصر کو ٹوکا'' ہاں تو ذیشان' اگر پروفیسر ابراہیم کی یہ ایجاد تمام بڑی طاقتوں کے پاس موجود ہو اور بڑی طاقتوں کو علم ہو کہ یہ ایجاد ایک ایسے چھوٹے ملک کے پاس بھی ہے جو اسے بے دریغ ہر ایک کو دینے کے لیے تیار ہے تو اس صورت میں ایٹمی ہتھیار اپنی وقعت کھو بیٹھیں گے۔ ہے نا؟''

ذیشان نے اثبات میں سر ہلایا۔

''دنیا کے کسی کونے سے بھی ایٹمی اسلحہ بردار میزائل فائر کیا جائے' یہاں سے ایکس رے لیزر کے ذریعے جو میزائل فائر کیا جائے گا وہ اس دوسرے میزائل کو وہیں تباہ کر دے گا جہاں

سے فائر کیا جا رہا ہے۔ یعنی جارح کو اپنی دہری تباہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ایسے میں کوئی جارحیت کیوں کرے گا۔''

''میں سمجھ گیا۔''

''یوں ریاستوں کو اپنے عوام کی فلاح و بہبود پر دھیان دینے کا موقع ملے گا۔ کرنل قیصر بکنے والے آدمی نہیں۔ ہم نے یہ سب کچھ انسانیت کی بہتری کے لیے کیا ہے۔ ہم تم سے درخواست کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں کبھی زبان نہ کھولنا۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا سر۔'' ذیشان نے بے حد خلوص سے کہا'' اور مجھے فخر ہے کہ میں اس کام میں شریک رہا۔''

''اور ماریہ یعقوب؟''

''اس کی بھی فکر نہ کریں آپ۔''

''مجھے معاف کر دیا تم نے؟'' قیصر نے ذیشان سے پوچھا۔ ذیشان نے اٹھ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ کہنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

''شادی میں مجھے ضرور مدعو کرنا۔'' ذیشان کا چہرہ تمتما اٹھا۔

☆☆☆☆

ذیشان کے جانے کے بعد جنرل اور قیصر کھڑکی میں جا کر کھڑے ہوئے۔

''کیا خیال ہے؟'' جنرل نے کہا'' وہ زبان بند رکھیں گے؟''

قیصر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بلڈنگ کے گیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے بعد ذیشان باہر نکلا۔ اس نے سڑک پار کی۔ سامنے ماریہ آتی نظر آئی۔ دونوں یکجا ہوئے اور ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چل دیے۔

''فکر کی کوئی بات نہیں۔ وہ سمجھدار لوگ ہیں' زبان نہیں کھولیں گے۔'' قیصر نے کہا۔

''گڈ!''

''لیکن صابر ملک کا معاملہ مختلف ہے۔'' قیصر نے گمبھیر لہجے میں کہا'' وہ ایک کرپٹ وزیر دفاع کا چمچہ ہے۔ وہ ہمارے معاملات میں ٹانگ اڑاتا ہے۔ کام بگاڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ سلسلہ کب تک چلے گا؟''

''کوئی ثبوت تو ہے نہیں تمہارے پاس۔''

''دیکھیں' ڈاکٹر یعقوب کی موت حادثہ سہی لیکن اس کا ذمے دار صابر تھا۔'' قیصر نے سرد لہجے میں کہا'' اور پھر اس نے ذیشان کے ساتھ جو کچھ کیا'' ناقابل معافی ہے۔ اگر پروفیسر ابراہیم

کے کاغذات اسے مل جاتے تو نجانے کیا ہوتا۔"

"چھوڑو۔بغیر ثبوت کے کیا بات کرنا۔"

قیصر مسکرایا "ثبوت ہے میرے پاس۔میں نے صابر ملک کے اس پلاسٹک سرجن کا پتا چلا لیا ہے جس نے ذیشان کو یعقوب سعید کا چہرہ دیا تھا۔وہ ہماری تحویل میں ہے اس وقت۔ماہر نفسیات کا پتا بھی چل جائے گا جس نے ذیشان کے دماغ میں گڑبڑ پھیلائی تھی۔"

جنرل صاحب ایک دم چوکنا ہو گئے "واقعی؟ ثبوت موجود ہے؟"

"جی ہاں۔ٹھوس ثبوت۔"

"ٹھیک ہے۔ثبوت کے ساتھ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔"

"ہوگا کیا سر؟"

"میں صدر مملکت کے سامنے سب کچھ رکھ دوں گا۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"حکومت برطرف بھی ہو سکتی ہے' اسمبلیاں بھی ٹوٹ سکتی ہیں۔ہم بدعنوانیاں برداشت کر سکتے ہیں۔کم فہم لوگوں کی انانیت سہہ سکتے ہیں۔ملک کو جمہوریت کی راہ پر چلانے کے لیے بے عزتی' بے توقیری گوارا کر سکتے ہیں لیکن عوام کی دی ہوئی قوت سے عوام کو سفاکی سے کچلنا گوارا نہیں کر سکتے۔اور ہم ایوان اقتدار میں غیر محب وطن بلکہ غدار لوگوں کو قبول نہیں کر سکتے' اور جو کچھ ہو گا آئینی طریقے سے ہوگا۔"

"او کے سر!" قیصر نے جنرل کو سیلوٹ کیا "پرسوں تک تمام شواہد آپ تک پہنچ جائیں گے۔" یہ کہہ کر اس نے پھر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ہر طرف حیات آفریں روشنی.......دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆